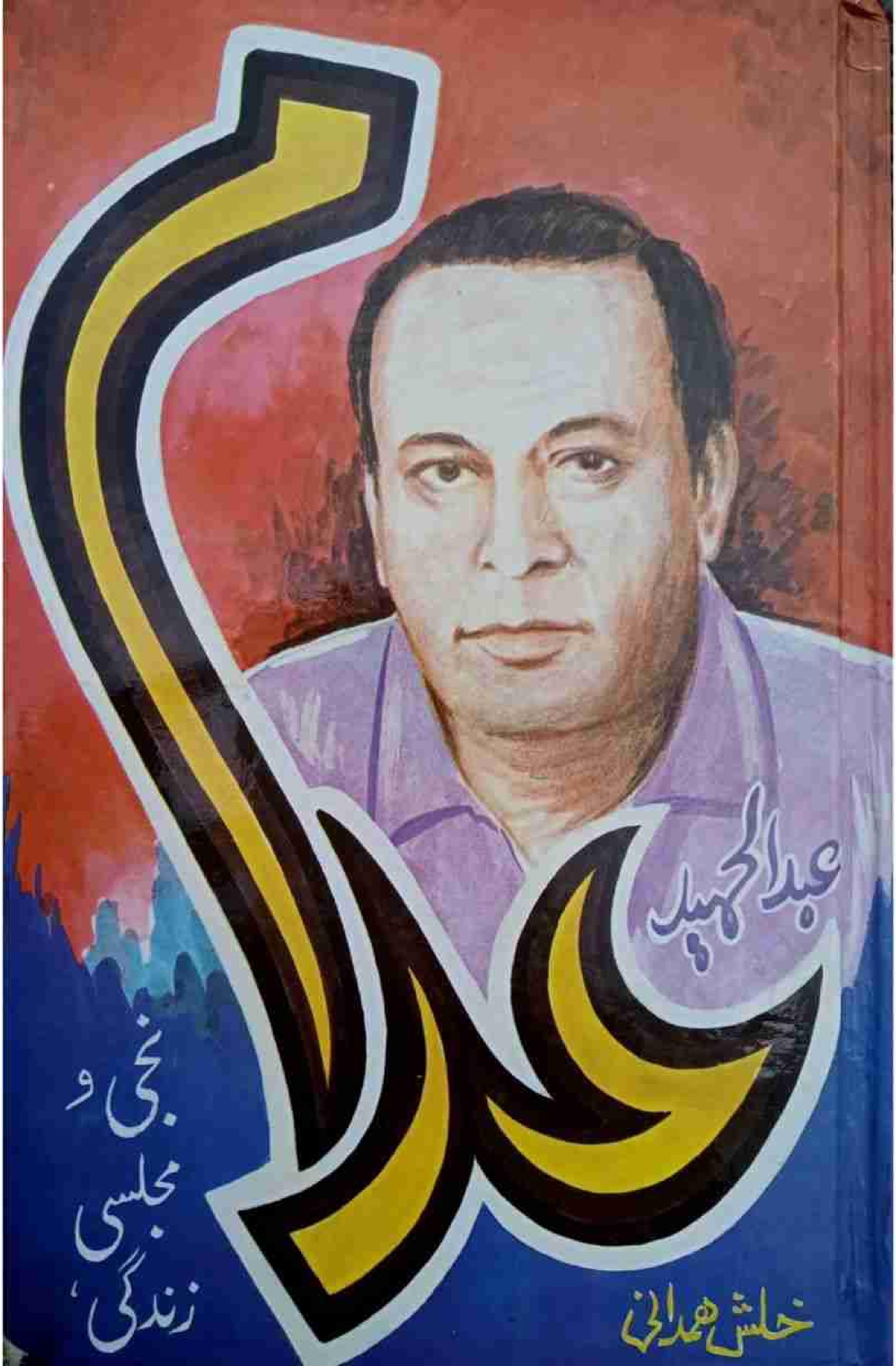

عدم
عبدالحمید
نجی و مجلسی زندگی
خلش ہمدانی

خلش ہمدانی

عبدالحمید عدمؔ

کی نجی و مجلسی زندگی

کلاسیک لاہور

تعارف

احمد الطاف — قلمی نام: **خلش ہمدانی**

دندہ شاہ بلاول (تلہ گنگ) ضلع چکوال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم۔ دندہ شاہ بلاول۔ لاوہ اور میانوالی میں حاصل کی۔ پشاور یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) اور پنجاب یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۸ تا ۱۹۵۲ حلقۂ اربابِ ذوق پشاور کے جنرل سیکرٹری رہے۔

زندگی کا بیشتر حصہ افواجِ پاکستان میں شامل رہ کر دفاعِ وطن میں گزارا۔ وہاں سے سبکدوش ہوئے تو پیشۂ وکالت کو اپنایا۔ ان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ قانونی کتب سے کم اور علمی اور ادبی کتابوں سے زیادہ شغف رکھتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں معاشرے کی نفسیاتی اور جنسی مسائل پر اب تک کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اپنے ان رویوں کے باعث ان کے اکثر دوست اور عزیز انہیں مستقل طور پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے رکھتے ہیں۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اب وہ اپنی عاقبت کو سدھارنے کیلئے بھی ہمہ وقت کوشاں نظر آتے ہیں۔ خدا جانے اُن کی کشتی اب کس گھاٹ جا کر لگتی ہے۔ یہ حضرت یوم حساب اور داد خواہی کی گھڑی کے انتظار میں ایک نئی اُمید اور ولولے کے ساتھ ان سب باتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے دفترِ عمل کی صلیب کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے شاہراہِ حیات پر گامزن ہیں اور اب تیرہ دیں منزل کے سنگِ میل پر کُندہ تنویر سپرا کے اِس شعر کا اکثر وِرد کیا کرتے ہیں ہیں۔

اپنا آپ گنوا بیٹھا ہوں شب زادوں کی بستی میں
میرے مولا مجھ کو خود آگاہی کی تنویریں دے

پروفیسر ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

کے

نام

جن کی تحریک پر یہ کتاب لکھی گئی

مصنّف کی دیگر تصانیف

ناشر: آغا امیر حسین

کلاسیک (چوک ریگل نمبر) دی مال ـ لاہور ۵۴۰۰۰

فون نمبر: ۷۳۱۲۹۷۷ ـــ ۷۳۲۳۹۶۳

طابع: نفیس پرنٹرز لاہور

اکتوبر ۹۴ء قیمت: -/۱۲۵ روپے

کلامِ عدم بقلمِ عدم (منتخب اور غیر مطبوعہ)

بہ شکریہ خالد ابنِ عدم

غزل

سید عبدالحمید عدم

وہ آ گئے تو قلب کی تالیف ہو گئی
رخصت ہوئے تو پھر وہی تکلیف ہو گئی

محشر میں اک سوال کیا تھا کریم نے
مجھ سے وہاں بھی آپ کی تعریف ہو گئی

میں اپنے واقعات پہ حیراں ہوں آپ بھی
کیا علم یہ غزل - کہاں تصنیف ہو گئی

اسبابِ بدمزاجیٔ زاہد نہ پوچھئے
میں پی رہا تھا - آپکو تکلیف ہو گئی

دامن چھڑا کے یار جو رخصت ہوا عدم
سرمایۂ حیات میں تخفیف ہو گئی

قطعات

اک پھول اگر چاہے گلستاں بن جائے
اک موج مچل جائے تو طوفاں بن جائے
اک خون کے قطرے میں ہے طاقت اتنی
اک قوم کی تاریخ کا عنواں بن جائے

شکن نہ ڈال جبیں پر شراب دیتے ہوئے
یہ مسکراتی ہوئی چیز مسکرا کے پلا
سرور چیز کی مقدار پر نہیں موقوف
شراب کم ہے تو ساقی نظر ملا کے پلا

جب خیر و شر میں وقت تفریق ہو گئی
بے ساختہ حسین کی تخلیق ہو گئی

ہم نشیں دعوت شراب نہ دے
بے طرح ڈگمگا رہا ہوں میں
ایک ساغر پیا تھا روز ازل
آج تک لڑکھڑا رہا ہوں میں

بال بکھرا کے کوئی قبروں پر
جب کوئی مہ جبین روتی ہے
مجھ کو اکثر خیال آتا ہے
موت کتنی حسین ہوتی ہے

متفرق اشعار :-

اے عدم سب گناہ کر لیکن
دوستوں سے ریا کی بات نہ کر

اے عدم احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

موت کتنی بھی سنگدل ہو عدم
زندگی سے تو مہرباں ہوگی

ہم نے دیکھا ہے شام کا منظر
آسماں بھی شراب پیتا ہے

مبادا بات بڑھ کر باعث تکلیف ہو جائے
وہیں پر ختم کر دیجے جہاں تک بات پہنچی ہے

ہم میں اور ان میں فاصلہ ہی کیا
زندگی درمیان پڑتی ہے

عدم

ہنر بول پڑتا ہے خود ہی عدم
اسے کیا ضرورت ہے استاد کی

تڑپ کر میں نے توبہ توڑ ڈالی
تری رحمت پہ الزام آ رہا تھا

محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں
شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ

اے ناخدا سفینے کا اب کوئی غم نہ کر
ہم فرض کر چکے ہیں کہ ساحل نہیں رہا

میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا کافی طویل تھا

غزل

عدمؔ

کھا گئی تلخیٔ حیات مجھے
لے بجھی میری کائنات مجھے

مصلحت نے زباں کو روک دیا
یاد آئی تھی کوئی بات مجھے

داستاں سن سکیں تو لے لیجے
یاد ہیں چند واقعات مجھے

روز روشن سے مشورہ کر کے
بخش دو اک حسین رات مجھے

آج یوں مطمئن ہے دل جیسے
مل گئی ہو خدا کی ذات مجھے

بے رخی سے ہی پیش آ لیکن
رکھو نہ محروم التفات مجھے

صبحِ محشر کو ملتوی کر دو
ہو گئی میکدے میں رات مجھے

نہ ستارے نہ بادۂ احمر
ڈس نہ جائے عدمؔ یہ رات مجھے

بیادِ والدِ محترم سیّد عبدالحمید عدمؔ —— خالد ابنِ عدم

اس جہاں سے جو بشر آگے روانہ ہو گیا
وہ حقیقت سے گذر کر اک فسانہ ہو گیا
یہ گماں ہوتا ہے جیسے کل ہی وہ رخصت ہوئے
ہم سے بچھڑے جن کو خالدؔ اک زمانہ ہو گیا

طلوع

سید عبدالحمید عدم عہد حاضر کے شعرا میں ایک بڑا نام ہے۔ وہ اردو غزل کا ایک منفرد شاعر تھا۔ جو اپنے لہجے کی خود ہی پہچان تھا۔ اس نے خیام اور ریاض کے تتبع میں خمریاتی شاعری کو ایک نیا اسلوب اور منفرد لہجہ بخشا۔

عدم عصری صداقتوں کا شاعر تھا۔ وہ تمام عمر ان صداقتوں کو پورے خلوص کے ساتھ شعری جذبوں میں ڈھالتا رہا۔

اس کی شاعری اور فن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آنے والا نقاد اس کے متعلق اور بہت کچھ لکھے گا۔ میں یہاں عدم کی شاعری سے ہٹ کر ان کی نجی اور مجلسی زندگی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ عدم اور میں ۵۲ ـ ۱۹۵۱ء میں جہلم اکٹھے رہے۔ اس کتاب میں ان کی کی زندگی کی جو جھلکیاں پیش کی گئی ہیں وہ انہی دو سالوں پر محیط ہیں۔ یہ سب واقعات میرے سامنے وقوع پذیر ہوئے۔ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان سے میں نے جو تاثر لیا' یہ کتاب انہی حالات و واقعات کی روئیداد ہے۔ جس میں عدم صاحب کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کے چہرے اپنے اصلی روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ قاری بھی ان سے وہی تاثر قبول کرے جس نے میرے احساس کو بیدار کیا ہے۔ لکھنے والا جن چیزوں کو دیکھتا ہے وہ انہیں فن کے ذریعے قاری کے سامنے ویسے ہی پیش کر دیتا ہے۔ وہ اپنے مشاہدے سے کچھ رائیں بھی قائم کرتا ہے۔ اور یہی رائیں اس کے تجربے کی روح ہوتی ہے۔

عدم کو میں نے روزمرہ کی زندگی میں جس طرح دیکھا تھے' اسے قاری کے سامنے ویسا ہی پیش کر دیا ہے۔ وہ ایک سیدھا سادا شریف النفس انسان تھا جو کبھی کسی کا دل نہ دکھاتا تھا۔ ان خوبیوں کے باوجود' دوسرے لوگوں کی طرح اس میں بھی بشری کمزوریاں تھیں۔ وہ بھی عام مردوں کی طرح زندگی بھر عورت کے پیار کا متلاشی رہا اور جس کی تلاش میں وہ عمر بھر پیاس کے صحراؤں میں بھٹکتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں اسی پیاس کو بھولنے اور نظرانداز کرنے کے لئے اس نے اپنے اردگرد خیالات اور تصورات کا ایک طلسم کھڑا کر لیا تھا اور صلح و آشتی اور انسانی ہمدردی کا نقاب اوڑھ لیا تھا۔ وہ پیاسی اور دزدیدہ نگاہوں سے عمر بھر کسی کو ڈھونڈتا رہا۔ جو کبھی ملکی (ملکہ) ملکہ کی صورت میں اور کبھی شاہدہ کی صورت میں اسے ملیں۔ لیکن وہ اس کے دکھوں کا مداوا نہ کر سکیں۔ اور جلد ہی اس سے بچھڑ گئیں۔

میری رائے میں اس نے عورت کے جھوٹے پیار اور شراب کے جھوٹے نشے سے اپنی

بیقراری کو سکون دینا چاہا اور اس طرح وہ عمر بھر ایک سراب کے پیچھے بھاگتا رہا' جسے وہ کبھی نہ پا سکا۔ اور یوں وہ اپنی توانائیاں دکھوں کی نذر کرتا رہا اور اس طرح نامرادیوں کا ایک کرب مسلسل مستقل طور پر جھیلتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عدم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان ناگزیر حالات کو زندگی کا ایک رخ سمجھ کر قبول کر لے' اور جسے اس نے قبول کر لیا تھا۔ اور پھر مرتے دم تک وہ اس راہ سے پیچھے نہیں ہٹا۔

یہاں میں ایک وضاحت کرنا مناسب سمجھتا ہوں یہ کہ دور جدید کے کچھ لکھنے والے حقیقت نگاری کے شوق میں بعض ناگفتنی باتیں بغیر کسی جھجک کے لکھتے ہیں اور اس طرح انسانی جسموں کے پوشیدہ اسرار و رموز کو کھلے بندوں بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اب صنف نازک بھی اپنے جسمانی تجربات کے اظہار میں ہرگز نہیں شرماتیں۔ اس کتاب کی ترتیب میں میرے سامنے بھی کئی اس طرح کی سچوایشنز (Situations) آئی ہیں۔لیکن میں نے اعتدال میں رہ کر ان کا اظہار کیا ہے تاکہ قاری کو ناگواری کا احساس نہ ہو۔

اس عرصے میں عدم کے ساتھ میرے جو مراسم تھے ان کے پیش نظر اس نے قدم قدم پر میری راہنمائی کی اور ناسازگار حالات میں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلکہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھ میں ہمت اور استقامت پیدا کی۔ میں سوشل سٹیٹس (Social Status) کے لحاظ سے ایک چھوٹا آدمی ہوتے ہوئے بڑے بڑے فرعونوں سے بھی ٹکر لیتے ہوئے ہر موقعہ پر کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ ایسی ہر آویزش میں اس نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور ہر لمحے میرا حوصلہ بڑھایا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اس کے گھر کے بااختیار افراد نے جو بے جا پابندیاں اس پر عائد کر دیں تھیں۔ ان سے مجھے بے حد دکھ پہنچا۔ میں سمجھتا ہوں فائن آرٹس سے تعلق رکھنے والے لوگ' آخری عمر میں مالی' جسمانی اور ذہنی لحاظ سے کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے سرپرست یا خبر گیری کرنے والے لوگ ان پر بیجا پابندیاں عائد کر کے بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے صحیح قدم اٹھایا ہے۔ حالانکہ اس طرح کی پابندیاں ایسے لوگوں کی بقایا زندگی کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہیں اور پھر ایسا آدمی ان حالات میں کبھی بھی جینے کی دعائیں نہیں مانگتا۔ جیسا کہ عدم نے مجھ سے اپنی آخری ملاقات میں کہا تھا۔

> "خلش صاحب اب میری کیا زندگی ہے۔ اگر میں اور سو سال بھی اسی
> حالت میں چارپائی پر پڑا رہوں تو ایک بے جان لاشہ ہوں۔ مجھ پر تو
> موت اسی دن واقع ہو گئی تھی جس دن اس ظالم سماج نے میرے ہاتھ
> سے میرا جام چھین لیا اور پھر اس طرح میرے لرزتے ہاتھوں سے میرا قلم گر گیا۔
> "یاد رکھئے" لکھنے والے کے ہاتھ میں اگر قلم نہ ہو تو وہ مردوں سے بھی بد تر ہے۔"

خلش ہمدانی

○

یادیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ انسان تلخیِ ایام سے گھبرا کر اکثر اپنے ماضی کی حسین یادوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے اور کچھ دیر کے لئے اپنی تلخیوں کو بھول کر گزرے ہوئے خوشگوار لمحوں کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ ایسے ہی مسحور کن لمحوں کی تلاش میں مجھ پر بھی میری یادوں کے در وا ہوئے۔ یہ یادیں ۵۲ - ۱۹۵۱ء کے سالوں پر محیط ہیں جب میں اور عدم صاحب دونوں جہلم میں قیام پذیر تھے۔

میں جب اپنی فوجی ملازمت کے سلسلے میں اپنی یونٹ کے ساتھ پشاور سے تبدیل ہو کر جہلم آیا تو اس وقت ہمارے ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ ہو چکا تھا۔ پاکستان اور بھارت کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے سرحدوں پر صف آرا تھیں۔ جب میں پشاور سے اپنی یونٹ کے ساتھ جہلم آیا تو ان دنوں میں حلقہ اربابِ ذوق پشاور کا سیکرٹری تھا۔ اور وہاں کے ادبی ماحول میں رچا بسا ہوا تھا۔ اس وقت پشاور میں دو معروف ادبی تنظیمیں حلقہ اربابِ ذوق اور انجمن ترقی پسند مصنفین باقاعدگی سے اپنے ہفتہ وار تنقیدی اجلاس منعقد کیا کرتی تھیں۔ حلقہ اربابِ ذوق میں پروفیسر طاہر فاروقی، حبیب مصطفیٰ، زیبی جارچوی، پروفیسر نصیر احمد زار، شاد امرتسری، مرزا محمود سرحدی، حافظ انصر لدھیانوی، مسعود قریشی، شفیع صابر، یوسف رجا چشتی، جلیل حشمی، خمار امروہوی، صدیق خلیل، ش۔ م۔ اعظم، مجاہد لکھنوی، افضل ڈیروی اور خلش ہمدانی مستقل رکن تھے۔ جبکہ سید مظہر گیلانی، پروفیسر شوکت واسطی، فارغ بخاری، رضا ہمدانی، خاطر غزنوی، احمد فراز، محسن احسان، مجید شاہد، حفیظ اثر، سلطان محمد خان زار، شمیم بھیروی اور فرید عرش بھی اکثر شرکت فرما کر حلقہ کی سرپرستی فرماتے۔

میں یہ ہنگامہ خیز ادبی ماحول چھوڑ کر جب جہلم پہنچا تو کئی روز تک ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج کی طرح کرب و اضطراب کے عالم میں مسلسل کرلاتا رہا اوقات کار کے بعد اکثر دریائے جہلم کے کنارے بیٹھا میں دریا کی طوفانی موجوں اور حلقہ گرداب کو دیکھتا رہتا۔ دریائے جہلم میں روب آفتاب کا منظر قابل دید ہوتا۔ شفق سے پھوٹنے والی سرخی یوں لگتی جیسے کسی دہکتے الاؤ میں لوئی گوری مستی کی آگ میں جل رہی ہو۔

مجھے جہلم آئے ہوئے ابھی بمشکل ایک ہفتہ گزرا ہو گا کہ ایک دن مشہور شاعر سید جعفر طاہر کا ٹیلی فون آیا۔ موصوف میرے ساتھ پشاور کی ایک آرمی یونٹ میں ایجوکیشن آفیسر تھے۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ میں بھی اپنی یونٹ کے ساتھ جہلم آگیا ہوں۔ ہماری یونٹ سرائے عالمگیر سے جانب شمال پانچ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ عدم صاحب سے ملے ہیں یا نہیں۔"

"کہاں ہیں عدم صاحب مجھے تو ان کی ویر اباؤٹس (Where abouts) کا کوئی پتہ نہیں۔"

"تمہیں بالکل پتہ نہیں۔"

"جی نہیں۔"

حضور والا! عدم صاحب جہلم میں لوکل آڈٹ آفیسر ہیں۔ آپ آج ہی ان سے جا کر ملیں اور میرا ہدیہ سلام پیش کریں۔

ٹھیک ہے میں آج ہی ان سے ملتا ہوں۔ بہتر ہو گا اگر آپ شام کو آ جائیں تو دونوں اکٹھے ان کے پاس چلے جائیں گے۔

نہیں بھائی میں آج نہیں آ سکتا۔ آپ ان سے مل کر کل کا پروگرام طے کر لیں۔ اگر کسی ہوٹل میں ایک مختصر سی ادبی نشست کا انتظام ہو جائے تو یہ اور بھی اچھا ہو گا۔

عدم صاحب سے میں گزارش کروں گا۔ میں تو یہاں ابھی تک کسی سے ملا بھی نہیں۔

ٹھیک ہے آپ ان سے مل لیں۔ جو بھی پروگرام طے ہو مجھے اس سے آگاہ کر دیں۔

جی بہتر۔

میں اسی وقت عدم صاحب کی تلاش مین نکل کھڑا ہوا۔ ان دنوں میجر ظہورالحق ملک میرے آفیسر کمانڈنگ تھے۔ بعد میں موصوف ترقی کرتے ہوئے بریگیڈیئر کر عہدے تک پہنچے اور پھر اسی عہدے ریٹائر ہوئے۔ موصوف نہایت ہی شریف النفس اور اچھے اخلاق کے انسان تھے۔ انہیں میری ساری آوارگیوں اور کمزوریوں کا علم تھا لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ میرے ساتھ شفقت اور مروت سے پیش آتے۔ انہوں نے فوجی افسروں کی طرح کبھی ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہ لیا بلکہ ہمیشہ نرمی اور حسن سلوک سے پیش آئے۔

○

میں نے عدم صاحب کا کھوج لگا لیا۔ ان کے دفتر فوجی کیمپ کے بالکل قریب تھا۔ میں جب وہاں پہنچا تو عدم صاحب دفتر میں موجود نہ تھے۔ میں نے ان کے دفتر والوں سے ان کے متعلق پوچھا تو سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک کھردرے نقش و نگار کے آدمی نے اپنی عینک ناک

• پر احتیاط سے جماتے ہوئے مجھے مختلف زاویوں سے دیکھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ میں ایک معمولی سا فوجی ہوں تو اس نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے نہایت سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔

تھوڑی دیر میں عدم صاحب آ گئے۔ میں پہلی نظر میں ان کو پہچان نہ سکا۔ میں نے اس سے پہلے ان کو راولپنڈی کے ایک مشاعرے میں جو ۴۸ - ۱۹۴۷ء کے موسم سرما میں راولپنڈی صدر کے ایک نہایت ہی بارونق سینما گھر میں منعقد ہوا تھا' دیکھا تھا۔ اس مشاعرے کی صدارت راولپنڈی کے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر جناب شیخ انوارالحق صاحب نے کی تھی۔ موصوف اب سے کچھ عرصہ پہلے سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ اس تقریب کے ناظم جناب عبدالعزیز فطرت تھے۔ اس مشاعرے میں راولپنڈی کے چیدہ چیدہ شعراء نے شرکت کی تھی۔

کچھ عرصہ قبل جب میں کوہاٹ سے تبدیل ہو کر راولپنڈی آیا تھا تو میں کوہاٹ کے ایک نامور شاعر جناب عزیز اختر وارثی کا ایک تعارفی خط جناب فطرت کے نام لے کر آیا تھا۔ اس تعارف کے پیش نظر فطرت صاحب نے مجھے بھی مشاعرے میں شرکت کے لئے مدعو کیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی اس مشاعرے میں اپنا کلام پیش کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ اس مشاعرے میں عبدالحمید عدم' حاجی سرحدی' انجم رضوانی' کرم حیدری' باقی صدیقی' قتیل شفائی' جمیل ملک' احمد ظفر' صادق نسیم' ایوب محسن' عبدالعزیز فطرت' خلش ہمدانی اور کئی دیگر شعراء نے شرکت فرمائی۔

مشاعرے کی ابتدا سے پہلے میں نے فطرت صاحب سے گزارش کی کہ آپ ازراہ کرم عدم صاحب سے میرا تعارف کروا دیں۔ چنانچہ وہ مجھے فوراً سٹیج پر لے گئے۔ اس وقت تک صرف چند شعرا تشریف لا چکے تھے۔ ایک آدمی سٹیج پر بیٹھے ہوئے شعرائے کرام کے پیچھے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر درمیان والی دونوں انگلیوں میں سگریٹ دبائے لمبے لمبے کش لے کر دھوئیں کے مرغولے بنا رہا تھا۔ اس نے ایک شکن آلود سوٹ پہن رکھا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ سر کے بال خشک اور بری طرح الجھے ہوئے تھے ان سب باتوں سے بے نیاز وہ آرام سے بیٹھا مزے سے سگریٹ پئے جا رہا تھا۔ فطرت صاحب اس آدمی کے پاس جا کر رک گئے۔ وہ احتراماً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "عدم صاحب یہ میرے عزیز دوست مسٹر خلش ہمدانی ہیں۔ نوجوان شاعر ہیں۔ چند ہی روز پہلے کوہاٹ سے تبدیل ہو کر یہاں آئے ہیں۔" عدم صاحب احترام اور محبت کے ساتھ مجھے ملے۔ اور پھر وہاں ہی اپنے پاس مجھے بٹھا لیا۔ فطرت صاحب مجھے ان کے پاس چھوڑ کر خود مشاعرے کے انتظام و انصرام میں لگ گئے۔

"میں اور عدم صاحب وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس عرصے میں ہم دونوں کو ایک

دوسرے کے متعلق بہت سی نجی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگے۔ حضور میں بھی فوج ہی سے متعلق ہوں۔ لیکن یونیفارم نہیں پہنتا۔ مجھے ڈیفنس فورسز کے لوگ اچھے لگتے ہیں۔ سیدھے سادے' محبت کرنے والے آدمی ہوتے ہیں۔" جب فطرت صاحب نے ان کو میرے متعلق بتایا "کہ خلش صاحب اچھے شاعر ہیں" تو وہ یہ سن کر بے حد خوش ہوئے۔ میرے خیال میں اس وقت عدم صاحب کی عمر پینتیس چھتیس سال کے لگ بھگ تھی سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ تھے۔ اچھی شکل و صورت کے آدمی تھے لیکن فربہی کی طرف مائل تھے۔ انہوں نے صاف ستھرے کپڑے زیب نہ کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ خاصا قیمتی گرم سوٹ پہنا ہوا تھا لیکن جابجا دھبے لگے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے جب سے موصوف نے یہ سوٹ پہنا تھا پھر اسے استری کبھی نہ کروایا تھا۔

عدم صاحب سے وہ میری پہلی ملاقات تھی اور آج میں تقریباً تین چار سال کے بعد ان کو آ کر ملا تھا۔ موصوف سے میرے جیسے مبتدی' دن میں بیسیوں ملتے ہوں گے۔ وہ کس کس کو یاد رکھ سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کبھی کسی ملنے والے کو یہ تاثر نہ دیتے کہ "میں نے آپ کو پہچانا نہیں" آج موصوف مجھ سے نہایت ہی پیار اور محبت سے ملے۔ میں نے جعفر طاہر کا بتایا تو وہ اچھل پڑے مجھ سے کہنے لگے۔

"کہاں ہے وہ ظالم۔"

جناب وہ بھی یہاں آ گئے ہیں اور کل آپ سے ملنے کے لئے آئیں گے۔

حضور! آپ بھی ان کے ساتھ تشریف لائیں۔۔ عدم صاحب کا طرز تخاطب ہی یوں تھا وہ ہر کس و ناکس غرضیکہ میرے جیسے چھوٹے آدمی سے بھی ملتے تو حضور کہہ کر مخاطب کرتے۔

جناب وقت اور جگہ کا تعین فرما دیں۔

حضور! سینما گھر کے ساتھ والے کیفے میں بیٹھ جائیں گے۔ میں مقامی دوستوں کو بھی اطلاع کر دوں گا۔ وہ بھی آ جائیں گے۔ آپ دونوں کی ان دوستوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور ایک مشاعرہ بھی ہو جائے گا۔

ہاں جناب یہ ٹھیک ہے۔ ہم دونوں کل شام کو آ جائیں گے۔ پروگرام طے ہو گیا۔ اور میں اپنے کیمپ میں واپس آ گیا۔

دوسری دن شام ہی سے مقامی شعراء کیفے میں آنے شروع ہو گئے۔ جعفر طاہر ایک فوجی گاڑی میں سوار ہو کر میرے پاس پہنچ چکے تھے۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کیفے میں پہنچ گئے۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے عدم صاحب اور جہلم کے شعرائے کرام وہاں تشریف لا چکے تھے۔ عدم صاحب نے ان سب سے ہمارا تعارف کروایا۔ آنے والوں میں جناب جوگی جہلمی' سید

امداد ہمدانی' افتخار یوسف زئی' رؤف ظفر' عزیز دہلوی' شیخ احسان الحق و غیرہم کے اسمائے گرامی نمایاں تھے۔ تھوڑی دیر تک گپ شپ ہوتی رہی۔ آخر کار عدم صاحب نے مشاعرے کے انعقاد کے ساتھ سید جعفر طاہر کی صدارت کا بھی اعلان کیا۔ جعفر طاہر کہنے لگے "توبہ۔ توبہ عدم صاحب کی موجودگی میں مشاعرہ کی صدارت میں کروں" یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ عدم صاحب نے ان کو ہر طرح سے راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کہنے لگے:

"صاحبو! میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا" چنانچہ سب شعراء کی متفقہ رائے سے عدم صاحب نے ہی مشاعرے کی صدارت کے فرائض سر انجام دیئے مشاعرہ رات کو دس بجے کے لگ بھگ اختتام پذیر ہوا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ عدم صاحب نے مجھے اور جعفر طاہر کو اپنے اڈے پر چلنے کی دعوت دی۔ لیکن ہم دونوں نے معذرت کر لی۔ کیمپ والے آ گئے۔ کھانا تیار پڑا تھا۔ کھانا کھا کر جعفر صاحب واپس اپنی یونٹ کو چلے گئے۔ میں اور جعفر اس ملاقات سے بے حد خوش تھے۔

اب یہ ہمارا روز کا معمول بن گیا کہ غروب آفتاب سے تھوڑے پہلے عدم صاحب ہمارے کیمپ میں تشریف لاتے اور مجھے ساتھ لے کر اڈے پر پہنچ جاتے۔ یہ اڈا ریلوے پل کے نیچے سے گذر کر دائیں ہاتھ پر راجہ اکرم کی موٹر ورکشاپ میں تھا۔ راجہ صاحب نے وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ بیٹھک کے طور پر مخصوص کر رکھا تھا۔ جس میں قالین' صوفہ سیٹ' کرسیاں اور چھوٹی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ عام طور پر یہ بیٹھک کھلی رہتی تھی۔ راجہ صاحب کے ملازمین میں سے مستقل طور پر ایک آدمی ان کے احباب کی خاطر مدارت کے لئے وہاں حاضر رہتا۔ راجہ صاحب کے حلقہ احباب میں عدم صاحب کے علاوہ خان غلام محمد خان' خورشید خان' جان محمد' اعجاز' شیخ احسان' چودھری بہاول بخش وغیرہ شامل تھے۔ جو بلاناغہ غروب آفتاب کے فوراً بعد ایک ایک کر کے وہاں آنا شروع ہو جاتے۔ یہ سب شراب کے رسیا تھے۔ ان میں سے دو آدمی اپنی باری پر شراب کی بوتل اور اس کے ساتھ اس کے لوازمات باقاعدگی سے ہر روز لاتے۔

عام طور پر میں اور عدم صاحب ہی سب سے پہلے پہنچتے۔ میرے کیمپ سے تقریباً دو سو گز جانب غرب مال روڈ پر ہی عدم صاحب کا بنگلہ تھا۔ وہ گھر سے نکلتے تو سیدھا میرے پاس آتے تھے۔ مجھے ساتھ لے کر وہ اڈے پر جاتے۔ مجھے شراب سے بے حد نفرت تھی۔ اس وقت میری عمر تقریباً اٹھائیس انتیس سال تھی۔ میں نے اس وقت تک کبھی شراب کو چھوا بھی نہ تھا۔ بلکہ جو پیتے تھے میں انہیں بھی قابل مذمت سمجھتا تھا۔ لیکن عدم صاحب سے لگاؤ اور محبت کے باعث میں بھی اب باقاعدگی سے ان لوگوں کی صحبت میں آ بیٹھتا تھا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ عدم صاحب جب پیتے ہیں تو اس کے بعد شعر کہتے ہیں۔ میں ان کی حسین شاعری سے بے حد متاثر

تھا۔ ان کے فکر و فن میں انسانی محبتوں اور صداقتوں کے جو چراغ روشن تھے۔ وہ مجھے کشاں کشاں میخوروں کی مجلس میں لے آتے تھے۔

شروع شروع میں ان دوستوں نے مجھے بھی پلانی چاہی لیکن میرے مسلسل انکار پر پھر کسی نے مجھے دعوت نہ دی۔ وہ لوگ شغل مے نوشی کے دوران میں بڑی عجیب و غریب اور دور از فہم باتیں کرتے۔ اور بے ہنگم قہقہے لگاتے۔ میں وہاں بیٹھا سگریٹ پیا کرتا اور ان لوگوں کی حالت زار کا بنظر غائر مطالعہ کیا کرتا۔ میں عدم صاحب کے ساتھ تقریباً دو سال وہاں رہا ہوں۔ میں نے ان کو کبھی شراب پی کر شعر کہتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ پینے کے تھوڑی دیر کے بعد سرور میں آ جاتے آنکھیں ان کی لال ہو جاتیں اور وہ دوستوں کو دیکھ دیکھ کر ہلکا سا مسکراتے رہتے۔ ان کی وہ مسکراہٹ بڑی ہی دلنشین ہوتی۔ دوسرے دوست مجھے پینے پر مجبور کرتے تو عدم صاحب مسکرا کر بس اتنا کہتے "اس بیچارے کو کیوں خراب کرتے ہو؟" "سیاہ پیشہ گھبرو جوان ہے۔ اس نے ابھی دنیا میں آگے بڑھنا ہے" "اسے کچھ نہ کہو" ـــــ اور پھر وہ دوست باز آ جاتے۔

اس طرح کی محفلیں رات کو نو دس بجے شروع ہو کر رات کو ایک بجے کے لگ بھگ اختتام پذیر ہوتیں۔ اس وقت تک شراب ختم ہو چکی ہوتی اور پینے والوں کے ہوش و حواس بھی جواب دے چکے ہوتے۔ شرابیوں کی محفلوں کے آخری لمحے بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی ادھر الٹیاں کر رہا ہے تو کوئی ادھر کسی کو گالیاں بک رہا ہے۔ کوئی لمبے لمبے بے ہنگم قہقہے لگا رہا ہے تو کوئی تصویر حیرت بنے گوتم بدھ کی طرح آلتی پالتی مارے بیٹھا جذب کی کیفیت سے دوچار ہے۔ میں ان دوستوں کی اس وقت کی مختلف کیفیات دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہوتا رہتا۔ جب سب لوگ گرتے پڑتے باہر سڑک تک آ جاتے تو میں عدم صاحب کو تھام کر تانگے میں لا بٹھاتا۔ اس تمام عرصے میں میں یہی فرض سرانجام دیتا رہا ان کو گھر چھوڑ کر میں اپنے کیمپ لوٹتا۔ وہ اکثر گھر پہنچ کر ایک ہنگامہ برپا کر دیتے۔ میرے سمجھانے بجھانے پر خاموشی اختیار کرتے۔ میں نے کئی موقعوں پر دیکھا کہ وہ اسی طرح سوٹ پہنے ہوئے جوتوں سمیت سو جاتے۔ اگر کوئی اس طرف توجہ دلا کر کہتا کہ شاہ صاحب بوٹ نکال دیں تو وہ بوڑھے شیر کی طرح بڑے خوفناک انداز میں غراتے۔

وہ گھر لوٹ کر آتے تو اکثر الٹی سیدھی فرمائشیں شروع کر دیتے۔ "اسی وقت مرغ روسٹ کر کے لے آؤ یا کباب بنا کر لے آؤ" آدھی رات کو عام طور پر ان چیزوں کا اہتمام اکثر ناممکن ہوتا تو وہ ناراض ہو کر سو جاتے۔ میں اکثر یہ سوچا کرتا کہ عدم کروڑوں لوگوں کا آئیڈیل اپنی نجی زندگی میں کتنا غیر متوازن ہے۔ یہ اس کے بیوی بچوں اور دوستوں کا ہی دل گردہ تھا کہ اس سے دم مرگ یہ لوگ نباہ کرتے رہے۔ عدم صاحب کی بیگم صاحبہ یقیناً ایک عظیم خاتون تھیں۔

جنہوں نے اپنی پوری زندگی ایسے ہی کرب و اذیت کے لمحوں میں رہ کر ان کے ساتھ گذر بسر کی۔
عدم صاحب کا ایک بڑا کنبہ تھا لیکن انہوں نے کبھی بھی عیالداری کے فریضے کی طرف توجہ نہ دی۔ تنخواہ ملتی تھی تو ان پیسوں کی شراب پی لیتے تھے۔ میں حیران ہوں کہ وہ عظیم خاتون گھر گرہستی کا اتنا بوجھ اٹھا کر اتنے طویل عرصے تک کیونکر زندہ رہیں۔

عدم صاحب بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنے بچوں سے پیار کرتے تھے۔ لیکن ان بچوں کی دیکھ بھال ان کی نہیں بلکہ ان کی بیگم کے ذمہ تھی۔ ان کے دو بیٹے اس وقت جوان تھے۔ ان کے بڑے بیٹے خالد کو میں نے ہیڈ پوسٹ آفس جہلم میں بطور پوسٹل کلرک بھرتی کروا دیا تھا۔ ان کا دوسرا بیٹا بھی جوان تھا (غالباً" ان کا نام افتخار تھا) میں اس کی ملازمت کے لئے کوشاں ہوا تو عدم صاحب مجھ سے کہنے لگے

" خلش صاحب ۔۔۔۔ افتخار تو لیفٹیننٹ بن گیا ہے"

"وہ کیسے" میں نے حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔

"جناب مجھ سے بریگیڈیئر صاحب نے کہہ دیا ہے کہ میں افتخار کو لیفٹیننٹ بھرتی کر لوں گا۔ آپ کو پتہ ہے گلزار احمد صاحب ایڈجوٹینٹ جنرل ہیں اور یہ سب کچھ ان کے دائرہ اختیار میں ہے۔ بس چند ہی روز کی بات ہے۔" لیکن صد حیف کہ وہ خوش کن لمحے عدم صاحب کے دم واپسیں تک نہ آئے۔ میں جہلم سے واپس پشاور چلا گیا۔ اور افتخار لیفٹیننٹ نہ بن سکا۔

عدم صاحب بہت سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ ہر آدمی پر بھروسہ کر لیتے تھے۔ ان کے کئی ملنے والے ان سے جھوٹ بولتے اور وہ ان پر یقین کر لیتے۔ اگر کبھی کسی نے ان سے کوئی زیادتی بھی کی تو وہ اسے دل میں جگہ نہ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایسے آدمی وقت گزرنے کے ساتھ خود ہی شرمندہ ہو کر ان سے آکر معافی مانگتے اور وہ ہنس کر ایسے آدمیوں کو معاف کر دیتے۔ وہ کہا کرتے تھے "انسان کی عظمت دوسروں کی خطائیں معاف کرنے میں ہے۔ دل میں باتیں رکھنا تو گھٹیا لوگوں کا کام ہے۔"

○

اس دو سال کے عرصے میں یوں تو کئی شاعر اور ادیب عدم صاحب سے ملنے آئے ہونگے، لیکن جن سے میری ملاقات ہو سکی وہ تھے۔ جناب ساغر صدیقی اور برصغیر کے نامور شاعر جناب جگر مراد آبادی۔ ساغر صاحب خصوصی طور پر عدم صاحب سے ملنے کے لئے لاہور سے آئے تھے۔ ساغر بہت بڑے شاعر تھے۔

ساغر جب عدم صاحب سے ملنے جہلم آئے۔ تو سخت سردیوں کے دن تھے۔ اس نے ایک چھوٹی سی دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ گلے میں صرف ایک میلا کچیلا پتلا سا پرانا کرتا پہنا ہوا تھا۔ پاؤں سے ننگا تھا۔ دوسرے لوگ گرم کپڑے پہن کر بھی سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ لیکن وہ مرد قلندر ایک شان بے نیازی سے لکڑی کی ایک پرانی سی کرسی پر اکڑوں بیٹھا چرس بھرے سگریٹ پی رہا تھا۔ اور بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ ساغر نے شروع میں احباب کے ساتھ مل کر دو تین پیگ پیئے۔ لیکن پھر اکیلا بیٹھا سگریٹ پینے میں مشغول رہا۔ ساغر' دبلا پتلا' سانولے رنگ کا موزوں قد و قامت کا آدمی تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو میرے اندازے کے مطابق اس وقت اس کی عمر تیس پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ پہلے دن ساغر نے ہمیں اپنے شعر بھی سنائے تھے۔

1970ء کے عشرے میں ایک دن میں مکتبہ میری لائبریری لاہور میں بیٹھا ہوا تھا' میرے ساتھ مشہور ادیب آغا اشرف صاحب بھی تھے کہ سامنے سرکلر روڈ پر ایک ملنگ' جس نے ایک ہی لمبا سبز رنگ کا کرتا پہن رکھا تھا' پاؤں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے چوک لوہاری کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ گھنگھرو بجتے جارہے تھے اور وہ سبز پوش ملنگ ان کے ردم **(Rhythm)** پر سگریٹ پیتے ہوئے اپنی دھن میں مست چلا جارہا تھا۔ آغا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے' اس ملنگ کی طرف میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "روٹی تو بہر طور کما کھائے مچھندر"۔

"حضور آپ کو پتہ ہے یہ ملنگ کون ہے انہوں نے بڑی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا"۔

"جی نہیں"۔

حضور والا! یہ ہیں مشہور شاعر۔ جناب ساغر صدیقی"۔

میں ایک لمحے کے لئے آغا صاحب کو حیرت و استعجاب کے عالم میں دیکھتا رہ گیا۔ میرے منہ سے صرف اتنا نکلا۔ "ساغر صدیقی" وہ بیس برس پہلے کا ساغر صدیقی میرے نظروں کے سامنے آگیا۔ جس نے لکڑی کی پرانی کرسی پر اکڑوں بیٹھے ہوئے راجہ اکرم کی ورکشاپ میں ایک شب عدم صاحب کے دوستوں کو اپنے شعر سنائے تھے ان کے یہ شعر مجھے اب تک یاد تھے۔ میں نے وہ شعر اپنے دل میں دہرائے اور تصویر حیرت بنا ساغر کو آدمیوں کے ایک سمندر میں گم ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا:

توہین ہے اس عہد میں درویش کا جینا
ہو فاقہ کشی نام جہاں صبر و رضا کا
پھرتے ہیں ترے شہر میں آوارہ و مجنوں
سینے میں پتہ رکھتے تھے جو ارض و سما کا

ساغر صدیقی ایک عظیم شاعر تھا' زندہ رہنے والا شاعر' جو اپنے پیچھے حسین یادیں چھوڑ گیا۔

○

میں ایک دن شام کو عدم صاحب کے گھر گیا۔ وہ اس وقت تک دفتر سے نہ لوٹے تھے۔ ان کے بیٹے خالد نے مجھے ڈرائینگ روم میں بٹھایا اور خود چلا گیا۔ پاس ہی صوفے پر حسین دلہن کی طرح ایک نئی نویلی کتاب پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھا کر دیکھی تو قتیل شفائی کی "گجر" تھی میں نے کھول کر پڑھنا چاہی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تقریباً ہر صفحے پر عدم صاحب نے قتیل صاحب کے شعروں کی قطع برید کی ہوئی تھی۔ میں عدم صاحب کے اس کام کو تسلی سے دیکھنا چاہتا تھا چنانچہ وہ کتاب میں نے چپکے سے کوٹ کے اندر رکھ لی اور کسی کو بتائے بغیر ان کے گھر سے لے کر اپنے کیمپ میں واپس آگیا۔ اور اپنے خیمہ میں جا کر اس کتاب کو بنظر غائر دیکھنا شروع کر دیا ابھی میں نے کتاب کے چند ہی صفحے دیکھے ہونگے کہ عدم صاحب وہاں آگئے اور میرے اردلی سے پوچھا:

"الہ یار خان۔ خلش صاحب کہاں ہیں"۔

"شاہ جی۔ صاحب ٹینٹ کے اندر ہیں"۔

عدم صاحب نے ٹینٹ کا پردہ اٹھا کر مجھے دیکھنے کے لئے اندر کو جھانکا۔

"حضور! اندر تشریف لائیے۔ میں نے بڑے ہی مودبانہ انداز میں کہا"۔

"نہیں میں جیتے جی قبر میں نہیں اتر سکتا" پھر بڑے غصے سے مجھے کہنے لگے "تم میرے گھر سے جو کتاب چھپا لائے ہو۔ وہ فوراً میرے حوالے کر دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دونگا"۔

عدم صاحب نے جب کسی کو معمولی سا بھی ڈرانا دھمکانا ہوتا تو وہ یہی کہتے "میں تمہیں قتل کر دونگا"۔

"حضور اگر آپ نے مجھے قتل کر دیا تو فوج والے "گجر" کا ہار بنا کر آپکے گلے میں ڈالیں گے کہ آپ نے مجھے قتل کر کے فوج والوں کی گلو خلاصی کرائی" وہ ہنس دیئے "حضور وہ کتاب لائیے میں اس پر کچھ بنیادی نوعیت کا کام کر رہا ہوں"۔

"کیا کام کر رہے ہیں۔ آپ نے تو شعروں کی قطع و برید کر کے ان کی شکل ہی بگاڑ دی ہے"

"تم بھی نرے گھامڑ ہو۔ اصلاح کے بعد اب شعروں کو دیکھو۔ زمین سے آسمان پر پہنچ گئے ہیں"۔

"عدم صاحب آپ نے قتیل صاحب کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ وہ منجھے ہوئی شاعر

ہیں۔ دوسروں کے کلام میں عیب نکالنا کچھ اچھی بات نہیں"۔

"ارے میاں میں نے فنی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے"۔

"عدم صاحب قتیل صاحب بڑے شاعر ہیں۔ آپ نے ان کی شہرت سے جل کر یہ سب کچھ کیا ہے"۔

الہ یار خان نے خیمہ کے باہر کرسیاں بچھا دی تھیں۔ ہم بیٹھے اس بیکار بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ وہ چائے لے آیا اور ہم دونوں چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔ چائے کا دور چل رہا تھا کہ میں نے ان سے کہا۔

"عدم صاحب مانا کہ آپ بڑے شاعر ہیں لیکن دوسروں کو بھی جینے اور شعر کہنے کا آپ حق دیں۔ آپکی نظروں میں تو کوئی شاعر جچتا ہی نہیں"۔

جچتا کیوں نہیں۔ میر۔ سودا۔ غالب۔ مومن اور داغ کتنے اچھے شاعر تھے۔ میں ان کی عظمت کا قائل ہوں"۔

"حضور! عہد حاضر کے شعرا کی بات کریں"۔

"عہد حاضر کے شاعروں میں فیض۔ میرا جی ۔ اختر شیرانی ۔ مجید امجد۔ راشد۔ احسان دانش۔ ندیم۔ یوسف ظفر۔ اور ابن انشا اچھے شاعر ہیں میں مانتا ہوں"۔

"اس عہد کے سب سے اچھے غزل گو کو تو آپ چھوڑ ہی گئے ہیں"۔

"بھئی وہ کون ہے"۔

"جناب فراق گورکھپوری" میں نے جواب دیا۔

"لا حول ولا قوۃ ۔ فراق بھی کوئی شاعر ہے"۔

"حضور میرے خیال میں ان دنوں پورے برصغیر پاک و ہند میں غالب کے رنگ میں کوئی اور ان سے اچھی غزل نہیں کہہ سکتا"۔

"تم تو گھامڑ ہو۔ تمہارے ساتھ کون بحث کرے"۔

عدم صاحب نے "گجر" مجھ سے واپس لے لی اور پھر مجھے اپنے ساتھ اڈے پر لے گئے نوکر نے کمرہ کھول دیا ابھی تک اور کوئی دوست نہ آیا تھا راجہ صاحب ورکشاپ میں مستریوں کے ساتھ مصروف تھے۔ ہم اندر جا کر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عدم صاحب نے اس وقت کو غنیمت جانا۔ پرانا سگریٹ پھینک کر ایک نیا سگریٹ سلگا لیا۔ اور پھر "گجر" کو کھول کر ترنم سے شعر پڑھنے لگ گئے۔ پہلے قتیل صاحب کا شعر پڑھتے پھر اصلاح شدہ شعر پڑھتے اور پھر میری طرف داد طلب نظروں سے دیکھنے لگ جاتے میں ان کو تنگ کرنے کے لئے کہ دیتا "پہلا شعر بہت اچھا تھا" اب تو آپ نے شعر کا ستیاناس ہی کر دیا ہے"۔

"تم تو جاہل ہو تمہیں اچھے شعر کی سمجھ ہی نہیں"۔

"سمجھ نہیں تو یونہی شعر کہہ لیتا ہوں"۔

"شعر موزوں کر لینا اور بات ہے اور اچھا شعر کہنا دوسری بات"۔

ٹھیک ہے میں اب اپنا کلام اصلاح کے لئے فراق صاحب کے پاس بھیجا کروں گا تاکہ اچھا شاعر بن جاوں"۔

"کیا ہو گا اردو شاعری میں ایک اور بے تکے شاعر کا اضافہ ہو جائیگا" اور پھر ہم دونو ہنس پڑے اور ماحول قدرے خوشگوار ہو گیا۔

راجہ صاحب اور خان غلام محمد خان اندر آگئے اور ہماری بحث ختم ہو گئی۔ اس رات عدم صاحب کے جاننے والے تین آدمی اور ہمارے اڈے پر آگئے۔ مفت میں شراب پینے والے اکثر انہیں گھیرے رکھتے۔ لیکن میرے آنے سے ایسے آدمیوں کا آنا جانا کچھ کم ہو گیا۔ جب محفل ناو نوش شروع ہوتی تو میں اٹھ کر سامنے کی ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پیتا رہتا۔ جب آدمی کچھ زیادہ ہوتے تو عدم صاحب بھی خوب چہکتے۔ عدم صاحب کا ایک کمپلیکس (complex) اور بھی تھا۔ جب ان کی طبیعت خوش ہوتی تو وہ یہ چاہتے کہ کوئی حسینہ زلفیں بکھرا کر اور کالا لباس پہن کر ان کو شراب پلائے۔ میں اس سے پہلے دو تین مرتبہ ایسا دیکھ چکا تھا۔ اگر اس دوران میں کوئی اس حسینہ کو چھیڑتا تو عدم صاحب اسے سچ مچ قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

ایک رات محفل اپنے پورے جوبن پر تھی کئی میخوار واہی تباہی بک رہے تھے ۔ عدم صاحب نے راجہ صاحب سے پوچھا۔

"راجہ صاحب آج خلش ہمدانی پہلے ہی بھاگ گیا ہے"۔

"نہیں شاہ صاحب وہ سامنے دیوار کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے"۔

" خلش ہمدانی جاؤ کہیں سے شراب پلانے والی کوئی حسینہ لے آؤ"۔

میں نوجوان فوجی افسر۔ اعوان قبیلے کا فرد ۔ میں نے جب یہ سنا تو میرے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ میں نے عدم صاحب کو بے شمار صلواتیں سنائیں۔ سب چپ۔ محفل کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ میں گالیاں بکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ راجہ اکرم نے اٹھ کر میری منت سماجت کی اور مجھے ٹھنڈا کی عدم صاحب اٹھ کر کہنے لگے۔

"راجہ صاحب خدا کی قسم علیؓ کا بیٹا ہوں میں اب بھی حسین و جمیل عورت لا سکتا ہوں یہ تو بزدل ہے" انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لا سکتے ہو تو لاؤ مجھے کیا سناتے ہو۔ کمینے تم نے مجھے بھڑوا سمجھ رکھا ہے پھر یوں بکواس کی تو فی الواقعہ قتل کر دونگا"۔

وہ ہنس پڑے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ ہمارے اڈے کے باہر تانگے والے شرابیوں کو اٹھا کر ان کے گھروں تک لے جانے کے لئے منتظر رہتے تھے عدم صاحب ایک تانگے میں جا کر بیٹھ گئے نہ جانے ان کو کیا سوجھی کہ راجہ صاحب کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ وہ گئے تو ان سے کہنے لگے "راجہ صاحب آپ خلش ہمدانی کو میرے ساتھ بھیجیں"۔

"شاہ جی وہ نوجوان آدمی ہے بڑا غصیل ہے اب اگر اسے کہا تو وہ پھر سب کو گالیاں بکنے لگ جائیگا۔ اور ناراض ہو کر کیمپ میں چلا جائے گا"۔

"آپ کوشش تو کر کے دیکھیں ذرا اس سے نرم لہجے میں بات کریں" عدم صاحب نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

راجہ صاحب بڑی دیر تک میری منت سماجت کرتے رہے۔ کہنے لگے "آپ نے کوئی عورت تو تلاش نہیں کرنی آپ نے صرف شاہ جی کے ساتھ جانا ہے وہ ہوش میں نہیں ہیں انہیں آپکی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے"۔

میں اپنی بات پر اڑا رہا میں اسے اپنے خاندانی وقار کا ایک مسئلہ سمجھتا تھا۔ آخر کار راجہ صاحب کی بات میں نے مان لی۔ اور میں عدم صاحب کے ساتھ آکر تانگے میں سوار ہوگیا تانگہ چل پڑا۔ عدم صاحب تھوڑی دیر تو خاموش بیٹھے رہے پھر مجھ سے بغل گیر ہو کر کہنے لگے۔

"حضور آپ سچ مچ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں"۔

"سو فیصد۔ آپ نے یہ بات کہہ کر میری بڑی انسلٹ (insult) کی ہے"۔

حضور میرا یہ مقصد نہیں تھا آپ غلط سمجھے ہیں چلے چھوڑیئے مجھے معاف کر دیجئے مجھ سے غلطی ہو گئی ہے"۔

عدم صاحب کتنے عظیم انسان تھے اپنی غلطی کو تسلیم کرنا انسانی عظمت کی نشانی ہے میں ان سے لپٹ گیا اور انہوں نے میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔ دونوں کے دل صاف ہو گئے بازار سے تانگہ تحصیل روڈ کی طرف مڑا تو میں نے عدم صاحب سے کہا

"حضور اب آگے تو دریا ہے آپ شہر کو چھوڑ کر ویرانے کی طرف جا رہے ہیں"۔

"بھائی تانگے والے یہیں پر تانگہ روک لو" عدم صاحب نے اس سے کہا

تانگے والے نے تانگہ روک لیا ہم دونوں تانگے سے اتر کر نیچے آگئے تانگے والا پیسے لے کر بازار کی طرف واپس چلا گیا عدم صاحب تھوڑی دیر کے لئے وہاں کھڑے کچھ سوچتے رہے پھر وہ سڑک سے اتر کر مشرق کی طرف واقع ایک چھوٹے سے دروازے کے سامنے جا کر رک گئے۔ آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ لیکن کوئی جواب نہ مل رہا تھا میں بھی آہستہ آہستہ چل کر ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا وہ جگہ مجھے بڑی ہی پراسرار دکھائی دے رہی تھی۔ عدم صاحب

نے اینٹ کا ایک بڑا سا ٹکڑا لے کر اس سے زور زور سے دوروازہ پیٹنا شروع کر دیا ساتھ ہی دوروازے کے ایک بڑے سے سوراخ کے ساتھ منہ لگا کر وہ کہنے لگے۔

"اوئے پٹھانی دروازہ کھولو میں شاہ جی ہوں" لیکن اس کے جواب میں وہاں ایک مسلسل خاموشی تھی انہوں نے پھر اینٹ سے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔

"اوئے پٹھانی۔اوے پٹھانی۔میں شاہ جی۔دروازہ کھولو"۔

ارے حضرت آپ کسی غیر آدمی کا.دروازہ توڑنا چاہتے ہیں۔ ذرا خیال رہے۔ جہاں ہم کھڑے ہیں اس کے بالکل سامنے سڑک کی دوسری طرف صدر پولیس سٹیشن ہے۔ وہ سنتری بڑی دیر سے تھانے کے دروازے کے باہر پہرے پر کھڑا ہماری یہ سب حرکات و سکنات دیکھ رہا ہے۔

حضرت کی توجہ پٹھانی کی طرف سے ہٹ گئی۔ آپ سڑک پر آ کر اونچی آواز میں پولیس والوں کو گالیاں دینے لگ گئے۔

"یہ پولیس والے کون ہوتے ہیں ان کی---- یہ سید عبدالحمید عدم کو نہیں جانتے۔ نکل آئیں یہ پولیس والے۔ ان کی ----"۔

میں ان کو روکتا رہا لیکن وہ پولیس اسٹیشن کے مین گیٹ پر پتھر مارنے لگ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں پولیس کے پانچ چھ آدمی اندر سے نکل آئے۔ ان کے انچارج نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"کون ہو تم لوگ" شراب پی کر پہلے چکلے کے دروازے پر پتھر مار رہے تھے۔ اور اب پولیس سٹیشن پر پتھر برسا رہے ہو۔"

"تم لوگ جانتے نہیں ہو سید عبدالحمید عدم کو۔ میں پاکستان کا سب سے بڑا شاعر ہوں۔ اور یہ میرے ساتھ فوج کے کیپٹن صاحب ہیں۔"

پولیس والوں نے آگے بڑھ کر ہم دونوں کو بازوؤں سے پکڑ کر تھانے کے اندر لے جانے کے لئے کھینچنا شروع کر دیا۔ ہم دونوں اپنے آپ اندر چلے گئے۔

"بڑے شریف آدمی ہو۔ شراب پی کر چکلے کے دروازے توڑ رہے تھے" انچارج نے نفرت بھرے طنزیہ انداز میں کہا۔

پولیس والے ہم دونوں کو دفتر کے کمرے میں لے گئے۔ اندر جاتے ہی عدم صاحب ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ مونچھوں والے حوالدار نے ہم دونوں کو دھمکاتے ہوئے کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔ تم لوگ کرسیوں پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔ تم دونوں تو مجھے کوئی شہدے نظر آتے ہو۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر باتیں نہ کرو۔ تمہیں پتہ ہے یہ آدمی کون ہے۔" میں نے عدم صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کے روپے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ تم لوگ گھٹیا قسم کے آدمی ہو۔ ورنہ یوں آدھی رات کو کوئی شریف آدمی چکلے کے دروازے آکر توڑتا ہے۔"

"چکلہ کون سا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا۔

"ابھی تم لوگوں کو پتہ چل جائے گا۔" اور پھر اس نے ہم دونوں کو ایک بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں بینچ پر بیٹھ گئے۔

"حضور ہمارا کیا قصور ہے۔" عدم صاحب نے تھوڑا نرم پڑتے ہوئے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"ابھی قصور کا بھی پتہ چل جائے گا۔ لتر پریڈ جب ہو گی تو آپ دونوں کے مزاج ٹھیک ہو جائیں گے اور ساری افسری دفسری نکل جائے گی" حوالدار نے .F.I.R (ابتدائی رپورٹ) درج کرنا شروع کر دی۔ مجھے ایک ترکیب سوجھی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میں نے اس حوالدار سے کہا۔ "جناب میں ڈیفنس فورسز کا آفیسر ہوں۔ اپنی گرفتاری کی اطلاع ذرا اپنے کمانڈنگ صاحب کو دے دوں۔"

وہ حوالدار یہاں مجھ سے مات کھا گیا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ "آپ ٹیلی فون پر ان کو مطلع کر دیں۔"

"جی بہت اچھا۔" میں نے ٹیلی فون کے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کسی نے ٹیلی فون اٹھایا۔

"ہیلو۔"

"آپ کون بول رہے ہیں۔"

"صاحب کا اردلی۔"

"بھائی میں خلش ہمدانی بول رہا ہوں۔ آپ اپنے صاحب کو جا کر بتائیں کہ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہیلو" تھوڑی ہی دیر میں موصوف ٹیلی فون پر آ گئے۔

"ملک صاحب بول رہے ہیں۔"

"پتہ چلتا ہے کہ تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہو" ملک صاحب نے میری آواز پہچانتے ہوئے کہا۔

"حضور میں اکیلا نہیں ہوں۔ سید عبدالحمید عدم بھی میرے ساتھ ہیں۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو"

"پولیس اسٹیشن صدر سے۔"

"کیا قصہ ہے۔"
"کوئی نیا قصہ نہیں۔ اپنی وہی پرانی روٹین ہے۔ اس سے سر مو انحراف نہیں کیا۔
"کیا پولیس نے تم دونوں کو گرفتار کر لیا ہوا ہے۔"
"تھانے لے آئے ہیں۔ پہلے کاغذوں کی تکمیل کریں گے پھر اس کے بعد لتر پریڈ ہو گی۔"
"تم ڈرتے ہو لتر پریڈ سے۔"
"مجھے عدم صاحب کی زیادہ فکر ہے۔"
"چلو میں پولیس والوں کو کہتا ہوں۔ عدم صاحب کے حصے کے لتر بھی تمہارے کھاتے میں ل دیں گے۔"
"چلیں یہ ٹھیک ہے۔ آپ کی یہ بات منظور ہے۔"
"میں نے پہلے بھی تمہیں کئی بار کہا ہے کہ میاں تم اپنی نوکری کرو۔ فوج کے لوگوں کو س طرح کی گھٹیا حرکات نہیں کرنا چاہئیں۔ "انچارج کو ٹیلی فون دو۔"
یہ ٹیلی فون میں نے اپنے آفیسر کمانڈنگ کو نہیں کیا تھا۔ بلکہ جہلم سٹی کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر ملک کو کیا تھا جو میرے عزیز تھے۔ عمر میں مجھ سے بڑا ہونے کے ناطے اس طرح کی لعن طعن وہ مجھے اکثر کیا کرتے تھے۔ لیکن میں ان کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کیا کرتا تھا۔۔۔ ٹیلی فون میں نے اس مونچھوں والے حوالدار کو دیا اور کہا کہ صاحب بہادر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔
اس حوالدار نے ہینڈ سیٹ لیتے ہوئے نہایت فرعونیت سے کہا۔
"میں انچارج پولیس سٹیشن بول رہا ہوں۔"
"انچارج صاحب! میں D.S.P ملک بول رہا ہوں۔ ان شریف آدمیوں کو آپ نے کیوں گرفتار کیا ہے۔ آپ کو پتہ ہے عدم صاحب S.P صاحب اور جناب ڈپٹی کمشنر صاحب کے بڑے عزیز دوست ہیں۔ اور دوسرا نوجوان فوجی افسر میرا عزیز ہے۔ آخر ان دونوں نے کیا قصور کیا ہے۔
میں انچارج کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ جاتا۔ سردی کے موسم میں بھی اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے پھوٹ نکلے۔
"جناب عالی! معافی چاہتا ہوں۔ مجھے پتہ نہ تھا۔ انہوں نے بھی نہیں بتایا۔ اگر یہ بتا دیے کہ یہ آپ کے عزیز ہیں تو میں بھلا ایسی غلطی کر سکتا تھا۔" معافی چاہتا ہوں۔ صاحب بہادر پھر ایسی غلطی نہ ہو گی۔ مجھے اس دفعہ معاف کر دیں۔"

"ٹھیک ہے کوئی کاروائی مت کرو۔ عدم صاحب کے ساتھ جو فوجی افسر ہے اسے کہیں کل مجھ سے ملے۔"

"بہتر سرکار۔ حوالدار نے ٹیلی فون کا ہینڈ سیٹ واپس رکھا اور ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے سکھ کا سانس لیا۔ پھر سگریٹ سلگا کر ایک بڑا سا کش لگایا اور اپنے حواس مجتمع کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"کپتان صاحب' آپ مجھے پہلے بتا دیتے کہ آپ ہمارے صاحب بہادر کے رشتہ دار ہیں۔"

"آپ کوئی بات سننے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ الٹا لتر پریڈ کا مژدہ سنا دیا" حوالدار کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔

"حضور اب یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک روا رکھیں گے۔" عدم صاحب نے بڑے ہی مایوسانہ انداز میں مجھ سے کہا۔ ان کا نشہ اب ہرن ہو چکا تھا۔

لتر پریڈ کریں گے اور کیا کریں گے؟ مجھے بھی مفت میں آپ نے مروا دیا۔ میں نے انہیں ڈراتے ہوئے کہا۔

بس حضور غلطی ہو گئی ہے۔ عدم صاحب نے بڑے ہی مودبانہ انداز میں کہا۔

کپتان صاحب میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ ہمیں پتہ نہ تھا۔ اب آپ ازراہ کرم ملک صاحب کے پاس ہماری کوئی مزید شکایت نہ کریں۔ حوالدار نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

نہیں جی میں نے کیا شکایت کرنا ہے۔

اوئے اکرم جا گاڑی نکال کر لے آ اور ان صاحب لوگوں کو ان کے بنگلوں پر چھوڑ کر آ۔ حوالدار نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"بہتر سرکار"۔ اور ڈرائیور محمد اکرم فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"حضور یہ اب تو ہمیں کچھ نہیں کہیں گے ناں"۔ عدم صاحب نے گھبراہٹ کے عالم میں مجھ سے پوچھا۔

یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

کانسٹیبل محمد اکرم گاڑی لے آیا اور وہ ہم دونوں کو گاڑی میں بٹھا کر ہمارے ٹھکانوں پر چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ دوسرے دن میں D.S.P سٹی مسٹر ملک کو ان کے گھر جا کر ملا۔ ہنستے ہوئے باہر آئے۔ مجھ سے بڑے ہی تپاک سے ملے۔ مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ پہلے بڑی پر تکلف چائے پلائی اور پھر وعظ و نصیحت کی لتر پریڈ ہوئی۔ نوجوان' بڑوں کی اس طرح کی سرزنش کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔

اور پھر آزاد فضاؤں کی دلکش اڑانوں میں اڑنے لگ جاتے ہیں۔

انہی دنوں میرے ساتھ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہوا یوں کہ ایک رات دوستوں نے سوڈا واٹر کے بہانے یکے بعد دیگرے کسی بڑے ہی تلخ محلول کے دو گلاس مجھے پلا دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں میری طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی۔ میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ کھلی ہوا میں آیا تو طبیعت کو کچھ فرحت نصیب ہوئی۔ واپس کمرے کے اندر جانے کو جی نہ کرتا تھا۔ میں آہستہ آہستہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوں اپنے کیمپ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ چکر آنے لگ گئے۔ میں وہاں ہی فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔ جنوری کی یخ بستہ رات میں بھی پسینے چھوٹ رہے تھے۔ میں وہاں فٹ پاتھ پر ہی لیٹ گیا۔ مجھے زمین و آسمان چکراتے ہوئے محسوس ہوئے۔

میں آنکھیں بند کئے فٹ پاتھ پر پڑا تھا کہ اتنے میں ایک کار میرے پاس آ کر رکی۔ اس کار میں ایک مرد اور ایک خاتون سوار تھے۔ وہ تھوڑی دیر میرے قریب کھڑے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے اور پھر انہوں نے مجھے اٹھا کر اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ اپنے گھر لے گئے۔ جاتے ہی ایک کمرے میں مجھے ایک پلنگ پر ڈال کر میرے اوپر ایک رضائی ڈال دی۔ دوسرے دن صبح میں نے اس خاتون کو دیکھا۔ اس نے اس وقت شب خوابی کا سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ وہ بے حد حسین عورت تھی۔ میں تو اسے دیکھتا ہی رہا۔ اس نے مجھے چائے لا کر دی۔ گزشتہ رات کا اس کا ساتھی ایک فوجی کرنل تھا۔ میں سوچنے لگا اس دن تو میں مسٹر ملک کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ آج یہ کرنل مجھے کور ہیڈ کوارٹر والوں کے حوالے کرے گا۔ اس صورت میں جان بخشی کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔

کرنل ناشتہ کر کے اپنے کام پر چلا گیا۔ میرا دم میں دم آیا۔ خاتون نے میرے ساتھ ناشتہ کیا۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی حسین عورت نہ دیکھی تھی۔ اس سے یہ اچانک ملاقات میں اپنے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتا تھا۔ میں اپنے مستقبل کا کوئی خیال کئے بغیر اس کی قربت سے دور نہ ہونا چاہتا تھا۔ اس خاتون کا نام زاہدہ تھا۔ یہی خاتون آخر کار میری تباہی کا باعث بنی۔ میرے ساتھی فوج سے کرنل اور بریگیڈیئر بن کر ریٹائر ہوئے اور میں حسرت و یاس کے عالم میں اپنا سا منہ لے کر ناکام و نامراد لوٹا۔ یہ تمام حالات اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ میری کتاب "بات چھپائے گوری" میں رقم ہو چکے ہیں۔

اس گوری کو میرا خیال ہے عدم صاحب نے اب تک نہ دیکھا تھا۔ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اپنی شاعری کو بھول کر اس کی غلامی اختیار کر لیتے۔ عدم صاحب کو غائبانہ طور پر اس سارے واقعہ کی اطلاع تھی۔ اب میں چونکہ عدم صاحب سے چھپ چھپا کر زاہدہ کی قربت کی چاہت میں

اس کے سنگ در تک جا پہنچتا اس لئے عدم صاحب اور میرا اردلی اللہ یار خان دونوں یکجا ہو کر مجھے موقعہ بہ موقعہ سرزنش کرتے رہتے۔ جس کا میں نے کسی بھی لمحے کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور اب ہر لمحے اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ ان افیرز (Affairs) میں انوالو (Involve) کرتا جا رہا تھا۔ یہ ایک تفصیل طلب واقعہ ہے جس سے عدم صاحب کی ذات کوئی خاص متاثر نہ ہوئی۔ البتہ اس ضمن میں عدم صاحب سے تعلقات کے باعث میرے افسران میرے ساتھ رعایت برتنے میں فراخدلی کے مظاہرہ کرتے رہے اور اس طرح میں کئی موقعوں پر قید و بند سے بال بال بچتا رہا۔

○

ایک دن عدم صاحب شام کو میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے۔

حضور کل شام کو اڈے پر نہیں جائیں گے۔ چونکہ جگر صاحب کل میرے غریب خانہ پر تشریف لا رہے ہیں۔

آپ کو کیسے اطلاع ملی۔

"جگر صاحب دو روز پہلے پشاور تشریف لے گئے ہیں۔ آج انہوں نے پشاور سے مجھے ٹیلی فون کیا ہے کہ میں کل شام کو آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ زیادہ نہ ٹھہر سکوں گا۔ ایک ہی رات ٹھہروں گا۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ میں نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

اب آپ ایسا کریں۔ ابھی جعفر طاہر کو ٹیلی فون کریں کہ وہ کل شام کو میرے گھر پہنچ جائیں۔ کل رات کا کھانا تم دونوں جگر صاحب کے ساتھ کھانا۔ رات بھر شعر و شاعری کی محفل ہو گی۔ گپ شپ کریں گے۔ پرسوں صبح وہ لاہور چلے جائیں گے۔

ٹھیک ہے میں ابھی ٹیلی فون کرکے آتا ہوں۔ پھر اکٹھے چلے جائیں گے۔

تم ٹیلی فون کرو۔ میں اللہ یار خان کے ساتھ گپ شپ کرتا ہوں۔

میں نے جعفر طاہر کو ٹیلی فون کیا وہ اتفاق سے دفتر میں موجود تھا۔ مجھے فوراً مل گیا۔ میں نے اسے عدم صاحب کا پیغام دیا۔ جگر صاحب کی آمد کا سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ مقررہ وقت پر کل پہنچ جائے گا۔ پھر یہاں ہمارے کیمپ سے ہم دونوں اکٹھے جائیں گے۔

سر آپ دو منٹ تشریف رکھیئے۔ میں چینج (Change) کر لوں پھر چلتے ہیں۔

آج ماسی سے ملنے نہیں جانا۔ ان کا اشارہ زاہدہ کی طرف تھا۔

کون ماسی۔ میں نے تجاہل عارفانہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

لو بھائی! اللہ یار خان تمہارے صاحب اپنی ماسی ہی کو بھول گئے ہیں۔ بیٹے مجھے تمہاری سب خباثتوں کا پتہ ہے۔ بنو نہیں۔

اس یارو بے ایمان نے اپنے پاس سے بات بنا کر آپ کو بہکا دیا ہے۔

بہکا دیا ہے۔ بھلا یہ زاہدہ صاحبہ کون ہیں۔

سر یہ میرے ملنے والی ایک خاتون ہے۔ اللہ یار اور آپ تو میرے پیچھے مفت میں پڑ گئے ہیں۔

بھئی ہم تو چاہتے ہیں کہ آپ کسی مصیبت یا پریشانی میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

نہیں سر۔ ایسی کوئی بات نہیں۔

دوسرے دن شام کو میں اور جعفر طاہر' عدم صاحب کے گھر پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ عدم صاحب کے ایک بچے سے پوچھا بیٹے! آپ کے ابو کہاں ہیں۔

انکل ان کے ایک دوست انڈیا سے ان کو ملنے کے لئے آئے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔

آپ میرا ان کو جا کر بتائیں۔

جی اچھا۔

عدم صاحب فوراً باہر آ گئے اور کہنے لگے۔

میاں تکلفات کیسے۔ تم لوگوں کا اپنا گھر ہے۔ جب چاہو آؤ۔

شکریہ۔ عدم صاحب ہم دونوں کو ڈرائنگ روم کے اندر لے گئے۔ جگر صاحب سامنے کے صوفے پر تشریف فرما تھے۔ ہم اندر داخل ہوئے تو جگر صاحب کمال مہربانی سے ہماری پیشوائی کے لئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہم دونوں ان کو بڑی عقیدت اور محبت سے ملے۔ وہ فرمانے لگے۔

ویسے تو عدم صاحب نے آپ دونوں کا غائبانہ تعارف کروا دیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ اب آپ حضرات اپنا تعارف خود بھی کروا دیں۔

جناب عالی! میرا نام جعفر طاہر ہے۔ میرے ساتھ یہ ہیں خلش ہمدانی۔ جو میرے اور عدم صاحب کے دوست ہیں۔ خلش صاحب اور میں' ہم دونوں فوجی سپاہی ہیں۔

جگر صاحب نے رسمی طور پر محبت کا اظہار کیا۔ مجھے اور جعفر طاہر کو انہوں نے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھا لیا۔

کوئی نو بجے تک ہلکی پھلکی ادبی گفتگو ہوتی رہی۔ نو بجے کھانا کھانے کے لئے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ کھانا کھا کر واپس آئے تو عدم صاحب کا ملازم قہوہ ڈرائنگ روم ہی میں لے آیا۔ ہم قہوہ پی رہے تھے کہ عدم صاحب کے بیٹوں نے ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں چاندنی کا

فرش بچھا دیا اور گاؤ تکیے وہاں لا کر رکھ دیئے۔ قہوے کے دور کے بعد ہم سب اٹھ کر چاندنی کے فرش پر گاؤ تکیوں کے سہارے جا کر بیٹھ گئے۔ پوری رات جگر صاحب اور عدم صاحب شعر سناتے رہے۔ شروع میں جگر صاحب نے مجھے اور طاہر صاحب سے شعر سننے کی فرمائش کی لیکن ہم دونوں نے معذرت کر لی۔

رات بھر یہ محفل جاری رہی۔ تمام رات طاہر کی عجیب کیفیت رہی۔ داد دیتے ہوئے وہ دیوانگی کی حدوں کو چھونے لگ جاتا۔ بال بکھرے ہوئے سر کو دونوں کندھوں کے درمیان باری باری جھٹکے سے گھماتے ہوئے واہ۔ واہ اور سبحان اللہ کا ورد کئے جا رہا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ جب پڑھنے والا کوئی اچھا شعر پڑھتا تو جعفر صاحب کسی نامعلوم جذبے کے تحت ایک جست میں اچھل کر شعر پڑھنے والے کے پاؤں پر جا کر سر رکھ دیتا اور تواتر سے سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کا ورد کرتا رہتا۔ شعر و شاعری کی اس تاریخی محفل کے دوران میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد عدم صاحب اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں اپنے لئے رکھی ہوئی بوتل سے ایک آدھ پیگ پی کر اور تازہ دم ہو کر ہلکے ہلکے مسکراتے ہوئے واپس آکر ہمارے ساتھ پھر محفل میں شامل ہو جاتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جگر صاحب نے پینے پلانے کا شغل ترک کر دیا تھا۔ غالباً" اسی لئے عدم صاحب ان کی موجودگی میں پینا معیوب سمجھتے ہوں گے۔ یہ یادگار محفل صبح کے چار بجے تک جاری رہی۔ چار بجے جگر صاحب اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور ہم تینوں وہاں ہی رضائیاں لپیٹ کر سو گئے اور جلد ہی خوابوں کے جزیروں کی سیر میں کھو گئے۔

صبح ناشتے کی میز پر اکٹھے ہوئے۔ چائے پیتے رہے اور شعروشاعری پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم دونون نے جگر صاحب سے الوداعی ملاقات کی اور دونوں واپس کیمپ میں آگئے۔ میں واپس آیا تو اللہ یار خان منہ بنائے غصے کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔

"کیوں خیریت تو ہے اللہ یار خان"۔

"صاب۔ باقی سب خیریت ہے۔ وہ آپ کی دوست ہے ناں سوہنی کڑی' وہ رات کو دو دفعہ آپ کو ملنے کے لئے آئی تھی۔ بڑی ناراض تھی"۔

"کیوں کیا کہتی تھی"۔

کہتی تھی کہ تمہارا صاحب مجھے تو ملتا ہی نہیں۔ نہ جانے کن چکروں میں پڑا ہوا ہے۔

نہیں اللہ یار خان چکر وکر کوئی نہیں۔ رات کو مشاعرہ تھا۔ تمہیں پتہ ہی ہے کہ میں جعفر طاہر صاحب کو لے کر عدم صاحب کے گھر گیا ہوا تھا۔

صاب۔ جہلم آ کر آپ کے رنگ ڈھنگ ہی کچھ اور ہو گئے ہیں۔ آپ اپنی ملازمت کی تو کوئی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

اللہ یار خان۔ ان تھوڑے سے پیسوں میں ایسی ہی نوکری ہو سکتی ہے۔

صاب۔ شکر کریں اللہ کا کہ روزگار لگا ہوا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں اگر یہ فوج کی ملازمت بھی نہ ہو تو پھر تو بھوکے مر جائیں۔

اللہ یار خان تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے۔

اللہ یار خان میرے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ عمر میں مجھ سے خاصا بڑا تھا۔ اس ناطے وہ روز مجھے ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتا تھا۔ اسے میرا شاعروں سے ملنا۔ مشاعروں میں شرکت کرنا یا پھر زاہدہ سے ملاقاتیں کرنا بالکل اچھا نہ لگتا تھا۔

اس روز میں شام کو کافی دیر تک عدم صاحب کا انتظار کرتا رہا۔ میں نے دل میں سوچا وہ شاید اڈے پر سیدھے چلے گئے ہوں گے۔ میں نے بھی جلدی سے لباس تبدیل کیا اور اڈے پر پہنچ گیا۔ چار پانچ دوست بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ لیکن عدم صاحب وہاں نہ تھے۔ راجہ اکرم صاحب اور دوسرے دوست بھی آ گئے اور محفل جم گئی۔ سب نے مجھ سے عدم صاحب کے بارے میں پوچھا۔ لیکن میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ کیمپ یوں بھی جلدی واپس نہ جانا چاہتا تھا کہ کہیں مجھے زاہدہ نہ پکڑ لے۔ دوست اپنا شغل کر رہے تھے جبکہ میں چائے اور سگریٹ پی کر جی بہلا رہا تھا۔

رات کے بارہ بج گئے میں سوچ رہا تھا کہ اب واپس چلا جاؤں کہ کیا دیکھا ایک پولیس کانسٹیبل وردی پہنے' بندوق اٹھائے کمرے کے اندر آگیا جونہی وہ اندر داخل ہوا سب لوگوں نے یہی سمجھا کہ چھاپہ پڑ گیا ہے۔ سب لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ اس سپاہی نے سب لوگوں کو تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آپ حضرات اپنا شغل جاری رکھیں۔ میں تو یہاں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ یہاں آپ میں کوئی فوجی آفیسر ہمدانی صاحب ہیں۔ میں یہ سن کر سٹ پٹا گیا۔

راجہ صاحب نے اس سے پوچھا۔ "کیوں خیریت تو ہے۔ آپ ہمدانی صاحب کو کیوں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" "انہوں نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔"

نہیں راجہ صاحب۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ان کو لینے کے لئے آیا ہوں۔ سینما کے سامنے سڑک کے کنارے عدم صاحب شراب کے نشے میں دھت زمین پر اوندھے منہ پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں بہت لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ لاکھ کوشش کی ہے عدم صاحب اٹھتے ہی نہیں۔ ہم ان کے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتے۔ وہ ہمارے ایس۔ پی صاحب کے بڑے دوست ہیں۔ حاضرین میں کچھ لوگوں نے گارڈ کے انچارج کو کہا ہے کہ خلش ہمدانی صاحب ایک فوجی آفیسران کے دوست ہیں جو اکثر ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آج نہ جانے وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں۔ عدم

صاحب اکیلے کہیں سے پی کر نکلے ہیں اور بدقسمتی سے راستے میں گر گئے ہیں۔ سب لوگوں نے زور دے کر یہ کہا ہے کہ اگر پولیس والے ہمدانی صاحب کو ساتھ لے آئیں تو وہ عدم صاحب کو یہاں سے بخیر و خوبی لے جا سکتے ہیں۔

میں بغیر کسی تامل کے اس سپاہی کے ساتھ چل دیا۔ سینما کے پاس پہنچے تو میں نے دیکھا کہ تیس چالیس آدمیوں نے عدم صاحب کے گرد ایک حلقہ سا بنا رکھا ہے اور وہ بدستور اوندھے منہ زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے۔ ان آدمیوں نے جب مجھے دیکھا تو کئی آدمی یک زبان ہو کر بول اٹھے۔ لو وہ آ گئے خلش ہمدانی صاحب اب یہ عدم صاحب کو سنبھال لیں گے۔ یہ آوازیں عدم صاحب کے کانوں میں بھی پڑیں۔ کیونکہ انہوں نے زمین سے تھوڑا سا اپنا سر اوپر کو اٹھا کر متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر ایک آدمی سے پوچھا۔ "کہاں ہے خلش ہمدانی" میں ان لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

عدم صاحب حضور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ میں آگے بڑھ کر ان کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر پھر ایک نظر مجھے دیکھا۔ جیسے یقین کر لینا چاہتے ہوں کہ ان کے پاس بیٹھا ہوا شخص فی الواقعہ خلش ہمدانی ہی ہے۔ جو ان کو لینے کے لئے آیا ہے۔

تم اب تک کہاں تھے خلش ہمدانی۔ دیکھو میرا کتنا برا حال ہو گیا ہے۔

حضور میں راجہ صاحب کی ورکشاپ میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا ہوں۔ آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔

میں نے ان کو بازو سے پکڑ کر سہارا دیتے ہوئے زمین سے اٹھایا۔ حاضرین میں سے دو عقیدت مندوں نے آگے بڑھ کر اپنی چادروں سے عدم صاحب کے کپڑے جھاڑے اور پھر وہ میرے سہارے لڑکھڑاتے ہوئے چل پڑے۔ چند قدموں کے فاصلے پر ایک تانگہ کھڑا تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔ وہ جلدی سے تانگہ لے آیا اور میں نے عدم صاحب کو تانگے کی اگلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ اور خود پچھلی سیٹ پر بیٹھا اور ان کو سہارا دینے کے لئے میں نے ان کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے رکھا تھا۔

○

دوسرے دن میں ایک ضروری گھریلو کام کے سلسلے میں دس دن کی اتفاقیہ رخصت لے کر گاؤں چلا گیا۔ میں جاتے وقت اللہ یار خان کو بتا کر گیا تھا کہ اگر عدم صاحب آئیں تو انہیں بتا

دیتا۔ اب میرے لعن طعن کرنے والوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی تھی۔ اگر یونٹ سے رات کو غیر حاضر رہتا تو اللہ یار خان سرزنش کرتا شام کو اڈے پر نہ جاتا تو عدم صاحب اور دوسرے ساتھی ناراض ہوتے۔ جہلم شہر کے شعراء اور ادیبوں کو نہ ملتا تو وہ کوستے ہوئے لوٹ جاتے۔ ان سب سے بڑھ کر زاہدہ کی ذات تھی۔ جو چاہتی کہ میں ہر وقت اس کے پاس رہوں۔ اب تک زاہدہ کی ذات کے بہت سے گمنام گوشوں سے مجھے آگاہی حاصل ہو چکی تھی۔ وہ ایک ستم رسیدہ عورت تھی۔ اس نے مدد کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ میں اسے جھٹک تو نہ سکتا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس کی طرف میرا اٹھتا ہوا ہر قدم مجھے تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک سحر زدہ انسان کی طرح اس کے حسن کے جادو سے چھٹکارا نہ پا سکتا تھا۔

میں چھٹی گزار کر واپس آیا تو اللہ یار خان نے مجھے سب بتایا۔ "عدم صاحب کئی دفعہ میری تلاش میں ہمارے کیمپ میں آئے ہیں۔ جعفر طاہر صاحب اور جہلم کے دوسرے ادیب اور شعرا بھی آتے رہے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ بیقراری اور بے چینی اس سوہنی کڑی کو تھی۔ حالانکہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ صاحب دس دن کی چھٹی پر گاؤں گئے ہیں۔ لیکن نہ جانے اسے کیوں میری باتوں پر یقین نہ آتا تھا کہ وہ روز شام کو کار چیک پوسٹ پر کھڑی کرتی اور سنتری کو کہہ کر مجھے وہاں بلواتی۔ آپ کا پوچھتی اور پھر مایوسی کے عالم میں رونی صورت بنائے واپس چلی جاتی۔

میں نہا دھو کر بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ اللہ یار خان نے میری ڈاک مجھے لا کر دی۔ جس میں نمایاں دو زاہدہ کے خطوط تھے۔ وہ بمبئی اپنی ماں کو ملنے کے لئے جانا چاہتی ہے لیکن جانے سے پہلے میرے ساتھ چند ضروری امور پر بات چیت کرنا چاہتی ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ تم جس وقت بھی جہلم واپس آؤ فوراً مجھ سے آ کر ملو۔ میں ابھی چائے پی ہی رہا تھا کہ عدم صاحب کی آواز آئی۔

اللہ یار خان جو خیمے کے باہر ایک سٹول پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ ان کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ "سر ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے ہمدانی صاحب واپس آ گئے ہیں"۔ عدم صاحب چلتے ہوئے خیمے کے دروازے پر آ کر شیر کی طرح گرجے۔

"اوئے خلش ہمدانی تو بھی معشوقوں کی طرح نخرے بازی کرنے لگ گیا ہے"۔

"کیوں حضور والا مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے۔ میں نے دست بستہ ہو کر کہا"۔

"بے وفا آدمی اتنے دنوں سے تم غائب ہو۔ سب دوست بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

"حضور! کچھ گھریلو جھمیلے ہی ایسے تھے کہ مجھے فوراً جانا پڑ گیا اور آپ کو اطلاع بھی نہ کر

سکا"۔

"ماسی کو بھی اطلاع نہیں کی"۔

"حضور وقت ہی کہاں تھا"۔

"اچھا تیار ہو جاؤ۔ لاہور جانا ہے"۔

"کیوں خیریت تو ہے"۔

"خیریت ہے۔ زہرہ نگاہ لاہور آ رہی ہے۔ وہاں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہو رہا ہے۔ مجھے بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے"۔

"تو آپ جائیں۔ میں تو آج ہی دس دن کی چھٹی سے واپس آیا ہوں۔ ابھی ڈیوٹی بھی جائن (Join) نہیں کی۔ اب مجھے چھٹی ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے"۔

"چھٹی کا میں بندوبست کر لوں گا"۔

"حضور بری بات ہے۔ ان آوارہ گردیوں سے میرا کیریئر (Career) تباہ ہو جائے گا"۔

"ماسی کو ملنے سے تمہارا کیریئر تباہ نہیں ہوتا۔ شعر و ادب کی محفلوں میں شریک ہونے سے تمہارا کیریئر تباہ ہو جائے گا"۔

"شاہ صاحب قبلہ! فوج والوں نے مجھے اپنے کام کے لئے ملازم رکھا ہوا ہے۔ شعر و شاعری کی محفلوں میں شریک ہونے کے لئے تو وہ مجھے تنخواہ نہیں دیتے"۔

"میں .G.O.C صاحب کو ٹیلی فون کر کے تمہیں ابھی چھٹی لے دیتا ہوں"۔

"اس کا اور بھی مجھ پر برا اثر پڑے گا۔ میرے اپنے محکمے کے افسر اس سے کیا تاثر لیں گے۔ سب میرے مخالف ہو جائیں گے"۔

"اچھا میں آپ کے آفیسر کمانڈنگ سے بات کرتا ہوں"۔

"نہیں شاہ صاحب۔ یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے۔ اگر آپ نے مجھے لے ہی جانا ہے تو آپ ایسا کریں۔ کل دس بجے دن ہمارے آفس میں آپ آ جائیں۔ ہمارے صاحب سے بات کر لیں"۔

"اس طرح وہ ایجی ٹیٹ (Agitate) بھی نہیں ہوں گے اور مجھے لاہور جانے کی اجازت بھی مل جائے گی"۔

"ٹھیک ہے"۔ (ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی)۔

اچھا تو پھر چلو اڈے پر چلتے ہیں۔ سب دوست بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

حضور میں معافی کا خواستگار ہوں۔ بڑا تھکا ہوا ہوں۔ آرام کروں گا تو تب طبیعت کچھ بحال ہو گی تو پھر ہی آپ کے ساتھ لاہور آ سکوں گا۔

ہاں یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔

عدم صاحب چلے گئے اور میں ٹینٹ میں آ کر لیٹ گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ چیک پوسٹ پر متعین گارڈ کا ایک سپاہی آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ بیریر پر ایک بیگم صاحبہ آپ سے ملنے کے لئے آئی ہیں۔

"شریف تم اس سے کہہ دو۔ وہ ابھی چھٹی سے واپس نہیں آئے"۔

"نہیں صاحب۔ گارڈ کمانڈر نے آج آتے وقت آپ کو دیکھا تھا۔ اس لئے بیگم صاحبہ کے پوچھنے پر اس نے ان کو بتا دیا ہے کہ ہمدانی صاحب چھٹی سے واپس آ گئے ہیں"۔

"یار شریف یہ تو بہت برا ہوا۔ اچھا تم جاؤ میں آ رہا ہوں"۔

میں نے اٹھ کر ایک گرم چادر اوڑھ لی بیماروں کی سی شکل بنا کر آہستہ آہستہ چلتا ہو بیریر کے پاس پہنچ گیا۔ زاہدہ کار میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی مجھے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو کار سے باہر آ کر میری پذیرائی کے لئے آگے بڑھی۔

"یہ کیا شکل بنا رکھی ہے تم نے"۔

"جناب میں گاؤں جا کر بیمار ہو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے واپس آیا ہوں۔ تکلیف زیادہ ہے"۔

"چلو کار میں بیٹھو۔ میں تمہیں لے جا کر ڈاکٹر کو دکھاتی ہوں"۔

نہیں شکریہ آپ کا۔ ابھی اسپرو (Aspro) لی ہے۔ اوپر سے گرم گرم چائے پی ہے۔ اب ٹھیک ہو جاؤں گا۔

ڈاکٹر کو دکھانے میں کیا حرج ہے۔

"نہیں زاہدہ! میرے ساتھی کہیں گے۔ دس روز کی چھٹی گزار کر آیا ہے اب آتے ہی ہسپتال جانا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح میری ریپوٹیشن خراب ہو جائے گی"۔

"اچھا ایسا کر لیتے ہیں۔ میں ڈاکٹر کو گھر پر بلوا لیتی ہوں۔ تم وہاں چلے آؤ"۔

"کیوں مجھے کرنل سے پٹواتی ہو"۔

"تمہیں بہانے بنانے خوب آتے ہیں"۔

میں بہت تھک چکا ہوں۔ کھانا کھا کر فوراً سو جانا چاہتا ہوں۔

اچھا تمہاری مرضی۔ زاہدہ ناراض ہو کر کار میں بیٹھ کر واپس چلی گئی۔

اللہ یار خان تھوڑی دیر کے بعد میرے لئے میس سے کھانا لے آیا۔ میں نے کھانا کھایا اور پھر ٹرینکولائیزر (Tranquilliser) لے کر سو گیا۔ پوری رات خوب مزے سے سویا۔ عدم صاحب اور زاہدہ کے بعد پھر مجھے کسی نے ڈسٹرب نہ کیا۔ صبح سویرے میری آنکھ کھلی۔ نماز

پڑھی۔ ناشتہ کیا اور پھر یونیفارم پہن کر دفتر اپنے کام پر چلا گیا۔

○

میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ دس بجے کے قریب میں نے عدم صاحب کو جھومتے جھامتے ہوئے آتا دیکھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں سگریٹ پیتے ہوئے میجر ظہورالحق ملک کی طرف مڑ گئے۔ جو خیمے کے باہر دھوپ میں اپنا دفتر لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں سوچنے لگا یہ حضرت تو اب مجھے پابند کر کے لاہور لے ہی جائیں گے۔ میجر ملک صاحب دل میں کیا سوچیں گے۔

میجر ملک نے اٹھ کر عدم صاحب کی پذیرائی کی۔ "آیئے جناب شاہ صاحب قبلہ" عدم صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں انہیں سلام کیا اور پھر مصافحہ کرنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر میجر ملک نے ان سے پوچھا۔

"شاہ صاحب کیسے تشریف آوری ہوئی؟"

"میجر صاحب کل لاہور میں ایک عظیم الشان مشاعرہ ہے۔ جس میں شرکت کی غرض سے میں جا رہا ہوں۔ خلش ہمدانی کو میں نے کہا ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلو لیکن یہ انکار کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ میں آج ہی دس دن کی چھٹی گزار کر آیا ہوں۔ مجھے چھٹی نہیں مل سکتی"۔

"شاہ صاحب کتنے دن کی چھٹی چاہئے"۔

"حضور ملک صاحب۔ تین چار دن تو لگ جائیں گے۔ لاہور جائیں گے تو مشاعرہ پڑھ کر ایک آدھ دن سیر و تفریح میں بھی لگ جائے گا"۔

چلیں شاہ صاحب۔ میں خلش ہمدانی صاحب کو پانچ دن کی چھٹی دے دیتا ہوں۔

ملک صاحب چھٹی تو دے دیں گے ذرا اس شریف آدمی کو یہ ہدایت بھی کریں کہ یہ میرے ساتھ لاہور چلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

"کہہ دیتا ہوں" اور پھر میجر ملک نے مجھے بلا کر کہا کہ آپ کی پانچ دن کی چھٹی میں نے کل سے منظور کر دی ہے۔ درخواست لکھ کر صادق کو دے جائیں اور آپ یہ پانچ دن عدم صاحب کی اردل میں گزاریں۔ خوب لاہور کی سیر وغیرہ کریں۔

سر میں آج ہی دس دن کی چھٹی گزار کر آیا ہوں۔ روز روز میرا جانا اچھا نہیں لگتا۔

"خوئے بدرا بہانہ بسیار" "دیکھا ہے ناں ملک صاحب آپ نے' اب اس نے پینترے بدلنے شروع کر دیئے ہیں" عدم صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

نہیں۔ نہیں صاحب آپ جائیں۔ عدم صاحب کے حکم کو تو میں نہیں ٹال سکتا۔ میجر ملک نے مجھے ناصحانہ انداز میں کہا۔

شکریہ ملک صاحب۔ عدم صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے بازو سے پکڑ کر دفتر کے ٹینٹ میں لے آئے۔ کہنے لگے' ابھی درخواست لکھ کر صادق کے حوالے کرو۔

قہر درویش برجان درویش۔ میں نے درخواست لکھی۔ عدم صاحب اس پر پانچ دن کی چھٹی میجر صاحب سے منظور کروا کر لے آئے اور درخواست کلرک کو دے دی۔ ہم دونوں ٹینٹ میں آگئے۔ میں نے لباس تبدیل کیا۔ ایک اٹیچی کیس میں مختصر سا سامان ڈالا اور اللہ یار خان کو کہا کہ میس سے دو آدمیوں کا کھانا جلدی سے لے آؤ۔ وہ کھانا لینے گیا تو میں نے عدم صاحب سے کہا۔

حضور میں کہیں سے پیسوں کا بھی انتظام کر لوں۔ میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں۔

پیسوں کو تم نے وہاں کیا کرنا ہے۔ میرے پاس پیسے بہت ہیں۔ انہوں نے کوٹ کی اندرونی جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ تمہیں جس قدر بھی پیسوں کی ضرورت ہوئی' مجھ سے لے لینا۔ "میں لاجواب ہو گیا"۔

اللہ یار خان کھانا لے آیا۔ ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور پھر سیدھے جہلم ریلوے اسٹیشن کو روانہ ہو گئے۔ ویٹنگ روم میں تھوڑی دیر بیٹھے کہ ٹرین آ گئی۔ معلوم نہیں عدم صاحب نے ٹکٹ بھی لئے تھے یا نہیں۔ بہرحال ہم سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں جا کر بیٹھ گئے۔ جہلم سے لاہور تک کا سفر بڑے مزے سے کٹا۔ عدم صاحب کے پاس ان کا زاد راہ تھا۔ کوئی گلاس وغیرہ تو تھا نہیں۔ وہ بوتل کو منہ لگا کر سارے راستے تھوڑی تھوڑی پیتے رہے۔ لاہور پہنچتے پہنچتے عدم صاحب نے وہ بوتل خالی کر دی تھی اور پھر اسے راوی کے پل پر سے گزرتے ہوئے دریا میں پھینک دیا۔

لاہور جنکشن آگیا۔ ہم اتر کر ریفرشمنٹ روم میں چلے گئے۔ وہاں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور پھر چائے پی۔ جب پلیٹ فارم سے بھیڑ چھٹ گئی تو ہم دونوں ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گئے۔ عدم صاحب کے اس طریقہ واردات (روئیے) سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ حضرت نے خود بھی اور مجھے بھی بغیر ٹکٹ کے سفر کروایا تھا باہر آ کر ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر لاہور چھاؤنی آگئے۔ سیدھے جناب مجید لاشاری صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی پر گئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ موصوف ملتان تشریف لے گئے ہوئے ہیں' چاروناچار وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ عدم صاحب مجھ سے کہنے گے۔

حضور رہائش کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ماڈل ٹاؤن میں میری بہن رہتی ہیں۔ ان کے پاس

چلے چلتے ہیں۔

جناب میں تو اب آپ کی ڈسپوزل پر ہوں۔ آپ جہاں کہیں گے وہاں چلے جائیں گے۔

"سوائے ہیرا منڈی کے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہاں سے ایک ٹیکسی پکڑی اور سیدھے ماڈل ٹاؤن جا پہنچے۔ مطلوبہ کوٹھی کے مین گیٹ پر عدم صاحب نے ٹیکسی رکوائی۔ عدم صاحب نے اسے پیسے دیئے اور وہ واپس چلا گیا۔ انہوں نے گیٹ پر جا کر کال بیل (Call Bell) دی۔ ایک ملازم نے آکر گیٹ کھولا اور ہماری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ عدم صاحب نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے اس کے قریب جا کر کہا۔

"میاں تمہاری میڈم گھر پر ہیں؟"

"جی ہیں" اس نوکر نے بڑے ہی مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

اچھا ان سے جا کر کہو۔ آپ کے بھائی سید عبدالحمید عدم آئے ہیں اور گیٹ پر کھڑے انتظار کر رہے ہیں"۔

میڈم عدم صاحب کی پذیرائی کے لئے خود گیٹ پر آئیں۔ بڑے اچھے طریقے اور خندہ پیشانی سے وہ عدم صاحب کو ملیں۔ میں بڑی ہی حیران کن نظروں سے اس خاتون کو دیکھے جا رہا تھا۔۔۔ یہ خاتون عدم صاحب کی بہن کیسے ہوئی؟ میں سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خاتون ہمیں ساتھ لے کر اپنی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔ میں ان کے پیچھے چلتا ہوا یہ سوچتا جا رہا تھا۔ عدم صاحب اور اس خاتون کا بہن بھائی کا رشتہ کیسے؟ یہ بات میرے لئے ایک معمہ بنتی جا رہی تھی۔۔۔ وہ ہمیں ایک بہت بڑے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ جو نہایت ہی قیمتی قالینوں' صوفوں' دبیز پردوں' عالی شان فانوسوں' چغتائی اور صادقین کے بنے ہوئے پورٹریٹس (Portraits) سے سجا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم میں کسی بہت ہی عمدہ قسم کے کولون (Cologne) کا سپرے (Spray) کیا ہوا تھا۔ چونکہ کمرے میں چاروں طرف نہایت اعلیٰ قسم کی ہلکی ہلکی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

ہمارے بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر کی خادمہ ایک ٹرالی میں بڑی ہی پر تکلف چائے لے کر آگئی۔ چائے پی رہے تھے اور عدم صاحب اور وہ محترمہ بڑی دلچسپ گفتگو کر رہے تھے۔ اس گفتگو سے بھی مجھے یہ اندازہ ہوا کہ یہ خاتون عدم صاحب کی بہن نہیں ہے۔ اس تمام وقت میں اس خاتون نے مجھ سے ایک آدھ مختصر سی بات کے علاوہ کوئی بات نہ کی۔ محترمہ نے چائے کی خالی پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے عدم صاحب سے پوچھا۔

"شاہ صاحب آج کل آپ کی پوسٹنگ کس سٹیشن پر ہے"۔

"میں پچھلے دو سال سے جہلم میں ہوں"۔

"لاہور کیسے تشریف آوری ہوئی"۔

"کل لاہور میں ایک مشاعرہ ہے۔ اس میں شرکت کے لئے ہم لوگ آئے ہیں"۔

"یہ آپ کے نوجوان ساتھی بھی شاعر ہیں؟"

"جی بہت اچھے"۔

"ان سے بھی کبھی مجھے کوئی غزل لے دیں"۔

"لے دیں گے"۔

"لاہور میں آپ کا قیام کہاں ہے؟"

ابھی تو سیدھے یہاں آئے ہیں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ کے ہاں ہی ٹھہر جائیں گے۔

بسرو چشم! یہ میری عزت افزائی ہو گی۔

وہ خاتون تھوڑی دیر اور بیٹھی اور پھر عدم صاحب سے اجازت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی۔

"شاہ صاحب یہ ساتھ کے بڑے کمرے میں ملازم آپ کی رہائش کا انتظام کر دے گا۔ آپ کو کھانا وغیرہ وہاں ہی کھلا دے گا۔ کھانے کے بعد آپ کا "راشن پانی" یہیں پہنچ جائے گا تاکہ آپ کو کہیں جانا نہ پڑے"۔

"آپ بھی کھانا ہمارے ساتھ کھائیں ناں" گپ شپ رہے گی"۔

"نہیں عدم صاحب میں نے آج رات ایک پروگرام کرنے کے لئے باہر جانا ہے"۔

عدم صاحب اور محترمہ کی باتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ ان کی بہن نہیں ہے بلکہ ایک پروفیشنل سنگر ہے۔ وہ خاتون چلی گئی تو میں نے عدم صاحب سے پوچھا۔

"حضور یہ خاتون آپ کی بہن کیسے بن گئی۔ میں انہیں جانتا ہوں یہ تو سنگر ہیں"۔

" خلش صاحب آپ کی بات ٹھیک ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ محترمہ میری غزلیں ریکارڈ کرواتی ہیں۔ انہوں نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ عدم صاحب آپ میرے بھائی ہیں۔ چنانچہ میں نے اس دن سے ان کو اپنی بہن بنا لیا ہے"۔

"چلو ٹھیک ہو گیا۔ میری الجھن اب دور ہو گئی۔

ابھی ہم ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھے تھے کہ محترمہ کا نوکر آگیا اور ہم سے کہنے لگا۔

چلئے میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ آؤں۔

بھئی یہ ساتھ والا کمرہ ہی تو ہے۔ کون سا دور جانا ہے ہم خود چلے جائیں گے۔

ہم دونوں اٹھ کر اس نئے کمرے میں چلے گئے۔ اچھا خاصا کشادہ کمرہ تھا۔ ایک طرف دو پلنگوں پر صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم کی طرح کے قالین' صوفے اور پردے

اس کمرے میں بھی تھے۔ عدم صاحب نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا وہی پہنے ہوئے رضائی لپیٹ کر لیٹ گئے۔ میں نے کپڑے بدلے۔ باتھ روم میں جا کر وضو کیا اور اس نوکر کو کہا۔

"میاں۔ مہربانی سے میرے لئے جانماز لے آؤ۔ آج دن بھر کی نمازیں قضا ہو گئی ہیں۔ سونے سے پہلے پڑھ لوں"۔

وہ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں واپس آگیا۔ کہنے لگا۔ "بی بی جی کہتی ہیں۔ کل جانماز منگوا لوں گی۔ کل ہی اکٹھی نمازیں پڑھ لینا"۔

میں ہنس پڑا۔ میں نے اس آدمی کو کہا کہ "جانماز نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک صاف دھلی ہوئی چادر ہی لے آؤ۔ اس سے ہی کام چلا لوں گا"۔

تھوڑی دیر میں وہ خاتون ایک دھلی ہوئی چادر اٹھائے ہنستی ہوئی ہمارے کمرے میں آ گئی اور عدم صاحب سے کہنے لگی۔

"بھائی جان! آپ کا ان کے ساتھ کیسے نباہ ہو گا۔ آپ نے رات کو پینا پلانا ہوا اور یہ برخوردار رات بھر قضا عمری پڑھیں گے"۔

"یہ جلد ہی فارغ ہو کر سو جائیگا۔ آپ اپنے نوکر کہ کہہ دیں کہ وہ میرا دارو اور اس کے لوازمات لے آئے۔ آپ بے شک پھر چلی جائیں"۔

"میں نے ڈرائیور کو بھیجا ہوا ہے۔ آپ کے لئے شیمپین کی بوتل' کباب اور مالٹے وغیرہ لے کر آتا ہی ہو گا۔ اگر مزید کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو مائی آپ کو تیار کر دی گی"۔

میں نے کمرے کے ایک کونے میں قضا نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ دوسری طرف عدم صاحب اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔ میں جلد ہی نماز سے فارغ ہو کر سونے کی تیاری میں لگ گیا کہ یکایک باہر کسی آدمی کی گالی گلوچ کی آوازیں آنے لگ گئیں۔ عدم صاحب نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ انہوں نے اپنا شغل جاری رکھا۔ گیٹ کا چوکیدار کسی آدمی کو اندر آنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس وجہ سے وہ آدمی برہم ہو کر نہ جانے کس کو گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر صورت حال سے آگاہی حاصل کرنا چاہی۔ چوکیدار نے مجھے دیکھ کر گیٹ پر کھڑے کھڑے مجھے آواز دی۔

"صاب آپ کو تکلیف تو ہو گی لیکن تھوڑی دیر کے لئے اگر آپ یہاں آ جائیں تو اس آدمی سے آکر مل لیں۔ یہ اپنے کسی دوست کا پوچھتا پھر رہا ہے"۔

میں نماز والی چادر اوڑھ کر گیٹ پر چلا گیا۔ اس اجنبی کا چہرہ مجھے صاف دکھائی نہ دے رہا تھا۔ کیونکہ گیٹ سے ملحقہ ایک درخت کا سایہ اس کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

کون آدمی ہے۔ کس سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے چوکیدار سے پوچھا۔

وہ آدمی میرے قریب آگیا۔ پھر چوکیدار سے کہنے لگا۔ پتہ نہیں تم نے یہ کس کو بلا لیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس آدمی سے پوچھا۔ جناب آپ کس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

بھائی بی بی کے ایک مہمان جہلم سے آئے ہیں۔ میں ان کو ملنے کے لئے آیا ہوں۔

کون ہیں وہ مہمان آپ مجھے بتائیں۔ میں بھی جہلم سے آیا ہوں۔

آپ عدم کے ساتھ آئے ہیں۔

جی ہاں۔

کہاں ہے عدم۔

وہ اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔

آپ اسے جا کر بتائیں۔ میرا نام سعادت حسن منٹو ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔

میں حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ دنیائے ادب کا اتنا بڑا افسانہ نگار میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ مجھے اپنے حواس مجتمع کرنے میں چار پانچ سیکنڈ لگے۔ میں آگے بڑھ کر احترام سے جھک کر ان کو ملا۔ پھر میں نے چوکیدار کو کہا۔

خان صاحب یہ ہمارے ملک کے بہت بڑے آدمی ہیں۔ آپ نے ان کو خواہ مخواہ روکے رکھا۔ انہیں آنے دیں۔ یہ ہم ہی سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔

میں منٹو صاحب کو لے کر اپنے کمرے میں پہنچا۔ جونہی عدم صاحب کی ان پر نظر پڑی وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عدم صاحب نے منٹو صاحب کو گلے لگایا ہوا تھا اور منٹو صاحب غصے میں گالیاں دے رہے تھے۔ نہ جانے گیٹ کے چوکیدار کو' عدم صاحب کو یا پھر میڈم کو۔ جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے تو پھر پاس پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔ عدم صاحب بھی اپنے پلنگ سے اٹھ کر شیمپئن کی بوتل اور گلاس ہاتھ میں پکڑے جس میں ابھی تک تھوڑی سی شراب باقی تھی منٹو صاحب کے پاس صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ اس گلاس میں انہوں نے مزید شراب ڈالی اور گلاس منٹو صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ایک ہی سانس میں پی گئے۔ خالی گلاس عدم صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے ایک پیگ کی مقدار شراب اس میں اور ڈالی۔ وہ پی کر منٹو صاحب نے سانس لینے کے لئے گلاس پاس پڑی ہوئی تپائی پر رکھ دیا۔ ان کی طبیعت کچھ مفرح ہوئی تو انہوں نے پلٹ کر میری جانب دیکھا اور کہنے لگے۔

"برخوردار آپ بھی ادھر آ جائیں" میں اٹھ کر ان کے پاس صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ عدم صاحب سے کہنے لگے۔

"برخوردار کو بھی ایک پیگ دو"۔ انہوں نے میری دستگیری کی ہے۔ اگر یہ گیٹ تک نہ آتے تو وہ اکھڑ چوکیدار آخر کار مجھے ڈنڈوں سے پیٹتا یا پولیس کے حوالے کر دیتا"۔

منٹو صاحب یہ نوجوان فوجی افسر ہے۔ شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ ابھی آپ کے آنے سے پہلے دن بھر کی قضا نمازیں پڑھ کر اب سونے ہی لگا تھا کہ آپ کی آواز اس کے کان پڑ گئی اور یہ گیٹ کی طرف چلا گیا۔

یہ تمہارے ہتھے کیسے چڑھ گیا۔ اگر اسے بھی تم نے پینے پلانے کی لت ڈال دی تو یہ بھی ہماری طرح نہ گھر کا رہے گا نہ گھاٹ کا۔ اس بے چارے کی جان بخشی کر دو۔ یہ کس چکر میں تمہارے پاس آ پھنسا ہے۔

کوئی چکر نہیں۔ اچھا شاعر ہے۔ میرا دوست ہے۔ بلکہ میرا باڈی گارڈ سمجھیں۔ بے چارہ روز رات کو مجھے تانگے پر بٹھا کر گھر چھوڑ کر پھر اپنے کیمپ جاتا ہے۔

جاؤ برخوردار سو جاؤ۔ ہم دونوں تو اس وقت تک پئیں گے کہ جب تک شراب ختم نہیں ہو جاتی یا ہم بے ہوش کر گر نہیں جاتے۔

میں اٹھ کر اپنے بستر پر جا کر سو گیا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ تھا۔ فوراً ہی نیند آ گئی۔ کسی کسی وقت ان دونوں کے بے ہنگم قہقہوں سے میری آنکھ کھل جاتی اور میں ایک نظر ان کو دیکھ کر پہلو بدل کر پھر سو جاتا۔

جب صبح کے وقت میری آنکھ کھلی اور میں نے وقت دیکھا تو نماز قضا ہونے والی تھی۔ میں نے جلدی جلدی اٹھ کر وضو کیا اور فوراً نماز ادا کی۔ ادائیگی نماز کے بعد جب میں نے قدرے فراغت محسوس کی۔ تو ساتھیوں کا ایک جائزہ لینے کے لئے میں اٹھ کر ان کے قریب آ گیا وہ دونوں قالین پر پڑے سو رہے تھے۔ ان دونوں کے پاس ایک ہی رضائی تھی۔ میں نے اپنی رضائی اٹھا کر ان پر لا کر ڈال دی۔ اور ان کے قریب انگیٹھی میں پڑے ہوئے الیکٹرک ہیٹر کو جلا دیا۔

سورج کافی اوپر آ گیا تھا۔ وہ رات والا ملازم یہ پوچھنے کے لئے آیا کہ میں ناشتہ لے آؤں۔

میں نے اس سے کہا۔ میاں ایسا کریں، مجھے ناشتہ لا دیں۔ یہ صاحب جب اٹھیں گے تو میں بیل بجا کر آپ کو بلا لوں گا۔ اور پھر آپ ان کے لئے ناشتہ لے آئیں۔

"جی بہت اچھا"۔

تمہاری بی بی جی کس وقت ناشتہ کرتی ہیں۔

جناب وہ تو رات کو دیر سے واپس آئی ہیں۔ اب کہیں بارہ ایک بجے سو کر اٹھیں گی۔

وہ کہاں گئی ہوئی تھیں۔

پروگرام کرنے۔

کیا پروگرام کرتی ہیں۔
سرکار۔ بس یہی گانے بجانے کا۔
اچھا ٹھیک ہے میرے لئے ناشتہ لے آؤ۔ اور پھر وہ ملازم میرے لئے ناشتہ لینے کے لئے چلا گیا اور میں اٹھ کر اپنی چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ملازم میرے لئے ناشتہ لے کر آگیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے کپڑے تبدیل کئے اور گھومنے کے لئے چلا گیا۔ زیادہ دور نہ گیا چونکہ مجھے عدم صاحب اور منٹو صاحب کا بھی خیال تھا کہ اگر وہ اٹھ گئے اور مجھے موجود نہ پایا تو پریشان ہوں گے۔ میں تقریباً ایک گھنٹے کے بعد واپس آگیا۔ کمرے میں آیا تو وہ دونوں ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ ملازم چکر لگا کر صورت حال سے آگاہی حاصل کر کے واپس چلا جاتا۔
گیارہ بجے کے قریب پہلے منٹو صاحب اٹھے۔ رضائی سے منہ نکال کر تھوڑی دیر تک وہ ٹکٹکی باندھے متلاشی نظروں سے دیکھتے رہے۔ انہیں شاید ملازم کا انتظار تھا۔ میں اٹھ کر ان کے پاس گیا اور بڑی عقیدت مندی سے انہیں سلام کیا۔ وہ ہلکا سا مسکرائے اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور پھر مجھ سے فوج کے متعلق باتیں کرنے لگ گئے۔ انہیں فوج کے متعلق قطعاً" کوئی معلومات نہ تھیں۔ مجھ سے کہنے لگے۔
بھئی آپ لوگ جوان آدمی ہوتے ہیں۔ کتنے عرصے کے بعد گھر اپنے بیوی بچوں کے پاس جاتے ہیں۔۔ میں مسکرا دیا۔
کہنے لگے۔ بھئی مسکراتے کیوں ہو۔ میں نے کوئی غلط بات پوچھ لی ہے۔
نہیں کوئی غلط بات نہیں پوچھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب آگے چل کر آپ اپنے سبجیکٹ (Subject) پر بات کرنا چاہیں گے۔
ہاں اس پر بھی کریں گے۔ پہلے میری بات کا جواب دیں۔ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔
یہی جناب چار چھ ماہ میں ایک آدھ دفعہ گھر کا چکر لگا لیتے ہیں۔
جب ہندوستان تقسیم نہیں ہوا تھا اور آپ لوگ دور کی چھاؤنیوں میں رہتے ہوں گے یا لڑائی کے میدان میں ہوں تو وہاں سے تو اتنا جلدی نہیں آ سکتے ہوں گے۔
جی نہیں۔
پھر کیا کرتے ہیں
آپ کو بھی پتہ ہے کہ کیا کرتے ہیں۔
میرے خیال میں تو جنسی بے راہروی اور ہم جنسیت کے مرتکب ہوتے ہوں گے۔ منٹو صاحب نے بڑے ہی تحسین آمیز لہجے میں یہ بات کی۔

"کسی حد تک آپ نے ٹھیک کہا۔ لیکن سب لوگ ان علتوں کا شکار نہیں ہوتے۔
وہ کیا کرتے ہیں"۔
گیمز (Games) کھیلتے ہیں۔ ورزشیں کرتے ہیں۔ مذہب کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس طرح سیکس (Sex) کو دوسری طرف ڈائی ورٹ (Divert) کر دیتے ہیں جو کہ ایک صحت مند رجحان ہے۔
لیکن میاں آپ سیکس (Sex) کو دبا تو نہیں سکتے۔
ہاں آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ لمبے عرصے کے لئے نہیں دبا سکتے۔ سال' چھ ماہ تک تو آسانی سے ایسا کیا جا سکتا ہے۔
آپ کیا کرتے ہیں۔
میں بھی انہی کے ساتھ کا ایک فوجی ہوں۔ میری لائف بھی انہی کی طرح کی ہے۔ میری بھی وہی ضرورتیں ہیں جو کہ ایک صحت مند آدمی کی ہوتی ہیں۔
تو آپ کا آؤٹ لیٹ (out-let) کیا ہے۔
میں اپنے آپ کو مطالعے میں اس قدر مشغول رکھتا ہوں کہ مجھے ان باتوں کی طرف دھیان دینے کا وقت ہی نہیں ملتا۔
عدم صاحب کی بھی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ رضائی میں منہ لپیٹے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ میری آخری بات پر وہ چونک اٹھے۔ انہوں نے رضائی سے منہ باہر نکال کر کہا۔
منٹو صاحب۔ آپ اس کی باتوں پر یقین نہ کریں۔ اگر کوئی خوبصورت عورت اس کے ہتھے چڑھ جائے تو یہ اسے ہرگز سپیر (Spare) نہیں کرے گا۔
وہ کیسے۔ منٹو صاحب نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
بھئی میں نے ایک دن ایک خوبرو حسینہ کو انگیج (Engage) کیا کہ وہ چاندنی رات میں مجھے کشتی کی سیر کرتے ہوئے زلفیں بکھرا کر شراب پلائے۔
ونڈر فل (Wonderful) کتنا اچھا آئیڈیا تھا۔ بہت اچھا کیا آپ نے۔ منٹو صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔
ارے میاں آئیڈیا تو اچھا تھا لیکن اس کم بخت نے سب مزا ہی کرکرا کر دیا۔ عدم صاحب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
کیوں بھائی کیا ہوا۔ کوئی انہونی بات ہو گئی۔
اس جاہل نے اس لڑکی کو پکڑ کر گرا لیا۔
یہ تو اس نے عین عقل والا کام کیا۔ میں بھی ہوتا تو بالکل ایسا ہی کرتا۔ منٹو صاحب نے

بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اچھا تو تم دونوں ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہو۔ بدقسمتی سے ایسے سب پرورٹ (Pervert) لوگ میرے ہی حلقہ احباب میں ہیں۔

ارے بھائی۔ چٹے بٹے کی بات نہیں۔ خلش صاحب کی جگہ کوئی بھی صحت مند آدمی ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔ تم مجھے جلدی سے یہ بتاؤ "پھر آخر ہوا کیا۔ کوئی بات بنی یا نہیں"۔

ارے صاحب میں اسے پکڑ کر کھینچنے لگا تو اس کم بخت نے پستول نکال لیا۔ سچ پوچھئے تو سب لطف ہی خاک میں مل گیا۔ میں آگے جا کر ماجھی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور خود ہی اکیلا بیٹھ کر پیتا رہا۔

تمہارے پینے سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میاں تم مجھے یہ بتاؤ۔ اس حسینہ کے ساتھ کیا بیتی۔ منٹو صاحب جیسے کہ اس حسینہ کے تعاقب میں دوڑ رہے ہوں۔

"منٹو یار۔ تم بھی مفت میں چسکے لے رہے ہو"۔ "عورت کے ساتھ جو بیتنی چاہئے تھی وہی بیتی"۔

ونڈر فل (Wonderful)۔ مارویلیس (Mmarvellous)۔ تو پھر تم نے یہ بغض کیوں دل میں رکھا ہوا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا عین فطرت کے مطابق کیا۔ ویل ڈن۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں آج ہی اسے ترقی دے کر میجر بنا دیتا۔ ونڈر فل۔

تم دونوں خبیث ہو۔ عدم صاحب نے اپنا آخری فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ عدم صاحب کی اس جھلاہٹ پر ہم دونوں ہنس پڑے۔

ملازم اندر آگیا اور اس دلچسپ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

صاحب۔ ناشتہ لے آؤں۔ اس نے عدم صاحب سے پوچھا۔

ہاں بھائی لے آؤ۔

وہ تین آدمیوں کے لئے ہیوی ناشتہ لے آیا۔ عدم صاحب اور منٹو صاحب نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ اور پھر ناشتہ کیا۔ منٹو صاحب نے چائے کا ایک کپ بنا کر میری طرف بڑھایا اور ازراہ تفنن طبع کہا "جام صحت" میں نے چائے کا وہ کپ شکریے کے ساتھ لے لیا۔ وہ دونوں ناشتہ بھی کرتے رہے اور دلچسپ گفتگو کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ ناشتہ ابھی ختم ہوا ہی تھا کہ وہ ملازم برتن لینے کے لئے آ گیا۔

بھئی ڈرائیور آگیا ہے یا نہیں۔ عدم صاحب نے اس ملازم سے پوچھا۔

جناب وہ تو صبح کا آیا ہوا ہے۔

اچھا تم ایسا کرو۔ اسے یہاں میرے پاس بھیج دو۔

جی بہت اچھا۔ وہ ملازم برتن اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

منٹو صاحب آپ یہاں کیسے پہنچے۔ عدم صاحب نے ان سے پوچھا۔

بھئی بات یہ ہے کہ میں شام کو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال گیا۔ وہاں ایک ادبی تقریب تھی۔ وہاں پتہ چلا کہ کل پنجاب یونیورسٹی ہال میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں عدم صاحب اور محترمہ زہرہ نگاہ صاحبہ بھی شرکت کریں گی۔ پاس ہی کھڑے ہوئے ایک دوست نے پھر یہ بھی بتایا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ریلوے اسٹیشن کسی کام سے گئے تھے تو انہوں نے عدم صاحب کو ریلوے اسٹیشن سے باہر آتے ہوئے دیکھا۔ تمہارے متعلق سن کر میں نے تمہاری متوقع جائے قیام کا سوچنا شروع کر دیا۔ میرے خیال میں تمہاری متوقع جگہیں تین ہو سکتی تھیں۔ پہلا میرا گھر۔ یہاں چونکہ تمہیں شراب ملنے کی کوئی امید نہ تھی اس لئے اسے میں نے ڈسکارڈ کر دیا۔ دوسری جگہ جناب مجید لاشاری کا گھر تھا۔ چنانچہ میں نے باہر نکل کر چا ئینز سے وہاں ٹیلی فون کیا۔ وہاں کوئی برخوردار تھا۔ اس نے بتایا کہ ابو تو ملتان گئے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا

بیٹے آپ کے ابو کے کوئی مہمان تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں۔

جی ہاں انکل آئے تھے۔ دو آدمی تھے۔ ایک انکل ایڈم (عدم) تھے۔ ان کے ساتھ ایک آدمی اور تھا۔

بیٹے کہاں ہیں وہ۔ ذرا عدم صاحب سے مجھے ملوا دو

انکل جب میں نے ان کو بتایا کہ ابو ملتان گئے ہوئے ہیں تو پھر وہ واپس چلے گئے۔

اب تمہاری تیسری آپشن (Option) محترمہ کا گھر تھا۔ جہاں تمہاری اچھی طرح سے دیکھ بھال ہونے کے امکانات ہیں۔ "گاڑی بھی مل سکتی ہے" اور بوتل کا بھی معقول بندوبست ہو سکتا ہے۔

سو میں فوراً ٹیکسی پر بیٹھا اور یہاں آ گیا۔ اس بے وقوف چوکیدار کو تمہاری آمد کی کوئی خبر نہ تھی۔ میں اس سے کہتا رہا کہ تم اندر جاؤ اور معلوم کر کے آؤ کہ "عدم صاحب جہلم سے آئے ہیں" وہ میری بات سننے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ میں نے اصرار کیا تو وہ لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ خدا بھلا کرے نلش صاحب کا کہ یہ شور سن کر گیٹ پر آئے اور پھر مجھے اپنے ساتھ اندر لے آئے۔ بھئی تم کم از کم اتنا تو کرتے مجھے اپنے آنے کی اطلاع تو کر دیتے۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ڈرائیور دروازہ کھول کر اندر آ گیا اور اس نے عدم صاحب کو سلام کیا۔ عدم صاحب نے ڈپلومیسی کا مظاہرہ کیا۔ اٹھ کر اس آدمی سے گلے ملے اور اس کی مزاج پرسی کی۔ پھر اسے ایک سگریٹ پیش کیا۔ وہ آدمی اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا۔

عدم صاحب نے اس سے اس کا نام پوچھا:

جناب میرا نام عبدالرشید ہے۔

رشید صاحب آپ کی بی بی جی کب اٹھیں گیں۔

جناب رات کو بارہ بجے آئی ہیں۔ ڈیڑھ بجے سوئی ہیں۔ کہیں ایک بجے کے لگ بھگ جا کر اٹھیں گیں۔

آپ مہربانی سے میرا ایک کام کر دیں۔

فرمائیں جناب۔

عدم صاحب نے کوٹ کی جیب سے کچھ پیسے نکال کر اسے دیئے اور کہا کہ ایک بوتل دارو کی جیسی کل رات لائے تھے ویسی۔ پانچ پلیرز سگریٹ کی ڈبیاں اور اپنے لئے بھی کچھ لانا چاہو تو لے لینا۔ ہاں بھئی آپ لوگ بھی کوئی چیز منگوانا چاہیں تو رشید صاحب کو بتا دیں۔ عدم صاحب نے مجھے اور منٹو صاحب کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

رشید تین درجن مالٹے اور دس روپے کے تکے کباب بھی لیتے آنا۔ منٹو صاحب نے اپنی ضرورت کی چیزیں بتا دیں۔

رشید پیسے لے کر کوٹھی کے پچھواڑے سے چلا گیا۔ وہاں سے گاڑی لی اور مطلوبہ چیزیں لینے کے لئے چلا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے میں وہ یہ سب چیزیں لے کر واپس آ گیا۔ عدم صاحب اور منٹو صاحب وہ سب سامان دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

وہ جس قالین پر بیٹھے تھے وہاں پر ہی انہوں نے پینے پلانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ دونو رضائیاں لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے ملازم سے کہہ کر ایک اور رضائی منگوا لی۔ میں ان کے ساتھ بیٹھا مالٹے چوستا رہا۔ منٹو صاحب نے ایک آدھ پیگ پی لینے کی مجھے بھی دعوت دی۔ لیکن میں نے معذرت کر لی۔

کوئی ایک بجے کے قریب بیگم شب خوابی کے لباس میں وہاں آ گئیں۔ اس لباس میں وہ پہلے سے بھی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ وہ ہمارے پاس قالین پر ہی آ کر بیٹھ گئیں۔ منٹو صاحب کی ان کی طرف پیٹھ تھی۔ جب انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ خاتون خوشی سے کہنے لگیں۔

سعادت بھائی آپ کب آئے ہیں۔

میں ان شریف آدمیوں کے تعاقب میں رات ہی کو یہاں پہنچ گیا تھا۔ آپ کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں۔

عدم صاحب کو میں بتا کر گئی تھی کہ آج رات میرا کلب میں گانے کا پروگرام ہے' اس لئے میں دیر سے آؤں گی۔

عدم صاحب اور منٹو صاحب پی رہے تھے۔ انہوں نے ایک پیگ اس خاتون کو بھی دیا۔ اس نے بغیر کسی جھجک کے لے لیا اور آہستہ آہستہ **سپ** (Sip) کرنے لگ گئیں۔ محترمہ میری طرف دیکھ کر عدم صاحب کو مخاطب ہو کر کہنے لگیں۔

ایک پیگ برخوردار کو بھی دو۔

یہ نہیں پیتے۔

فوجی آفیسر تو بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ میڈم نے کہا۔

انہیں کسی چیز کا شوق نہیں۔ عدم صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

انہیں کس چیز کا شوق ہے۔ میڈم نے کہا۔

آپ کو پتہ نہیں فوجی حضرات کو صرف عورتوں کا شوق ہوتا ہے۔ منٹو صاحب نے میڈم کو مخاطب ہو کر کہا۔

ہاں بے چارے کیا کریں۔ مہینوں اپنی بیویوں سے دور اکیلے فوجی چھاؤنیوں میں رہتے ہیں۔ عورت کی شکل تک دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔

کیوں خلش صاحب میڈم ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

میں شرما گیا اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔

وہ خاتون تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھی۔ اس نے وہی ایک ہی پیگ پیا۔ پھر معذرت کر لی۔ وہ عدم صاحب سے پوچھنے لگی۔

عدم صاحب آپ کا مشاعرہ کتنے بجے ہو گا۔

آٹھ بجے رات کو۔

کھانا کھا کر جائیں گے یا واپس آ کر کھائیں گے۔

کھانے کی آپ فکر نہ کریں۔ ہم ایک بجے کے لگ بھگ لوٹیں گے۔

تو بہتر ہے کھانا کھا کر جائیں۔

اچھا ٹھیک ہے۔ میڈم آپ ڈرائیور کو کہہ دیں ہمیں وہاں چھوڑ آئے۔

چھوڑ تو آئے گا لیکن آپ واپس کیسے آئیں گے۔

ٹیکسی سے آ جائیں گے۔

اگر اس وقت ٹیکسی نہ ملی تو آپ کو بہت تکلیف ہو گی۔ میں ڈرائیور کو کہہ دیتی ہوں وہ وہاں ہی ٹھہر کر آپ کا انتظار کرے گا۔

کھانا کھا کر ہم تینوں کوئی نو بجے کے لگ بھگ یونیورسٹی جا پہنچے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مشاعرہ شروع ہو چکا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ مشاعرے کی صدارت کون صاحب فرما رہے تھے۔ البتہ سٹیج سیکرٹری کے فرائض مشہور مزاح نگار شوکت تھانوی سرانجام دے رہے تھے۔ اس نے عدم صاحب کو دیکھا تو فوراً اعلان کیا۔ "سامعین کرام" "برصغیر کے نامور شاعر سید عبدالحمید عدم تشریف لے آئے ہیں"۔ ہال بہت دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ حاضرین اور سٹیج پر بیٹھے ہوئے شعرائے کرام سب عدم صاحب کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حاضرین نے عدم صاحب کے سٹیٹس کے مطابق ان کی پذیرائی کی۔

مبتدی شعرا آتے اور اپنا کلام جلدی جلدی سنا کر چلے جاتے۔ اب لاہور کے اساتذہ کا دور شروع ہوا۔ مجھے اس وقت سب شعراء کے نام یاد نہیں ہیں۔ جن حضرات سے میں متعارف تھا ان میں سے چند ایک اسمائے گرامی مجھے یاد ہیں۔ صوفی تبسم' احسان دانش' احمد ندیم قاسمی' یوسف ظفر' ن۔م۔ راشد' سیف الدین سیف' قیوم نظر' شہرت بخاری' پڑھ چکے تو شوکت تھانوی نے میرا نام پکارا میں نے معذرت کر لی۔ اس کے بعد سٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا۔

حضرات! برصغیر کی نامور شاعرہ محترمہ زہرہ نگاہ صاحبہ اب آپ کو اپنے کلام سے نوازیں گی۔

ہال بڑی دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ اسی دوران میں محترمہ سٹیج پر تشریف لے آئیں۔

محترمہ کا ترنم بہت ہی اچھا تھا۔ خاتون تھیں' جوان تھیں۔ انہوں نے جب غزل پڑھنی شروع کی تو سامعین پر ایک سکوت سا چھا گیا۔ ان کو ہر شعر پر بے پناہ داد ملی۔ انہوں نے غزل ختم کی اور لوٹنے لگیں تو سامعین نے یک زبان ہو کر اونچی آواز میں کہنا شروع کر دیا۔ "ایک غزل اور"۔ "ایک غزل اور" غرضیکہ سامعین نے ان سے تین غزلیں سنیں۔ اور انہیں اتنی داد دی کہ وہ خوش ہو گئیں۔ زہرہ نگاہ صاحبہ اپنا کلام سنا کر واپس ہو کر بیٹھنے لگیں تو سامعین نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ "محترمہ زہرہ نگاہ صاحبہ اپنا کلام سنائیں"۔ سٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا۔

سامعین کرام! آپ کی فرمائش پر تھوڑی ہی دیر میں زہرہ نگاہ صاحبہ کو پھر بلایا جائے گا۔ ابھی چند سینئر شعراء باقی ہیں پہلے آپ ان کا کلام سماعت فرمائیں اور پھر انہوں نے قیوم نظر کے نام کا اعلان کیا۔ وہ مائیک کے سامنے آئے لیکن ہال میں بے حد شور تھا۔ انہوں نے اپنا کلام پڑھنا شروع کیا۔ سامعین نے ہوٹنگ شروع کر دی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ سامعین بھی دم لینے کے لئے رک گئے۔ جونہی قیوم نظر نے پھر سے پڑھنا شروع کیا۔ ہوٹنگ کے ساتھ ہال سے بڑی عجیب و غریب آوازیں آنے لگ گئیں۔ قیوم نظر مائیک چھوڑ کر واپس اپنی

نشست پر آ کر بیٹھ گئے۔ شوکت صاحب نے پھر یوسف ظفر کو بلایا۔ ان کا سٹیج پر شعر پڑھنے کا انداز کچھ زیادہ متاثر کن نہ تھا۔ وہ بھی آتے ہی ہوٹ ہو گئے۔ خاموشی سے لوٹ کر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ سٹیج سیکرٹری نے سیف الدین سیف کے نام کا اعلان کیا۔ ان سے بھی وہی سلوک ہوا۔

یہ صورت حال دیکھ کر عدم صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ شوکت تھانوی صاحب سے جا کر میری طرف سے کہیں کہ اب مشاعرہ اکھڑ گیا ہے آپ میرے نام کا اعلان کریں۔ میں سنبھال لوں گا۔ چنانچہ شوکت صاحب نے اعلان کیا۔

سامعین کرام! اب آپ کے سامنے برصغیر کے ممتاز شاعر عبدالحمید عدم صاحب اپنا کلام پیش کریں گے۔ ایک لمحے کے لئے ہال میں مکمل سکوت چھا گیا اور پھر بڑی دیر تک تالیوں سے ہال گونجتا رہا۔ عدم صاحب نے بہت پی ہوئی تھی۔ اٹھے تو لڑکھڑانے لگ گئے۔ میں نے اٹھ کر ان کو سہارا دیا اور اسی حالت میں مائیک تک ان کو لے گیا۔ تالیوں کا شور کچھ کم ہوا تو عدم صاحب نے اپنے کلام کی ابتدا ایک قطعہ سے کی۔ سٹیج کے بالکل سامنے مائیک سے دو تین گز دور ایک حسین و جمیل خاتون جو غالباً" کسی V.I.P کی بیگم تھی، بیٹھی ہوئی تھی۔ عدم صاحب نے اس محترمہ کی طرف متوجہ ہو کر قطعہ پڑھنا شروع کیا۔

کون ہے جس نے مے نہیں چکھی
کون جھوٹی قسم اٹھاتا ہے

میکدے سے جو بچ نکلتا ہے
تیری آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے

آخری مصرعہ پڑھتے ہوئے انہوں نے اس خاتون کی طرف ہاتھ کا ایک ہلکا سا اشارہ بھی کیا۔ کچھ وہ خاتون حسین تھی کچھ عدم صاحب کا پڑھنے کا ڈھنگ دلنشین تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کلام بہت اعلیٰ پایہ کا تھا جو ہر آدمی کے دل میں گھر کر گیا۔ بڑی دیر تک سامعین تالیاں بجاتے رہے اور عدم صاحب سے انہوں نے کم از کم تین چار بار یہی قطعہ سنا۔

زہرہ نگاہ صاحبہ کے بعد کوئی مرد شاعر پڑھنے کے لئے آمادہ نظر نہ آتا تھا۔ ان کا یہ طلسم عدم صاحب نے توڑا۔ اور پھر بڑی دیر تک حاضرین نے عدم صاحب سے ان کی متعدد غزلیں سنیں۔ عدم صاحب کے بعد بقایا شعرائے کرام نے اپنے بلائے جانے پر جلدی جلدی چند اشعار سنا کر چھٹکارا حاصل کیا۔ اور پھر حاضرین کے بے حد اصرار پر زہرہ نگاہ اور عدم صاحب نے فرداً" فرداً" کم از کم تین چار غزلیں سامعین کو سنائیں اور ان سے بے پناہ داد وصول کی۔

مشاعرہ بارہ بجے رات کو ختم ہوا۔ ہم تینوں میڈم کی کار میں بیٹھ کر شیمپئن کی بوتلیں لے کر ماڈل ٹاؤن واپس آ گئے۔ گاڑی کا ہارن سن کر چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں لا کر کھڑی کی اور ہم تینوں اتر کر کمرے کے اندر چلے گئے۔ شاید میڈم ابھی تک جاگ رہی تھی۔ چونکہ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی گاؤن پہنے وہاں آگئیں۔ میں نے کپڑے بدل کر وضو کیا اور پھر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں اٹھا تو میں نے دیکھا وہ تینوں خم پر خم لنڈھا رہے تھے۔ اب میڈم بھی ان کے ساتھ ایک عادی شراب نوش کی طرح بیٹھی پی رہی تھی۔ میں نے جانماز لپیٹ کر ایک طرف کو رکھ دی۔ ان کے پاس آیا تو وہ خاتون مجھ سے کہنے لگی۔ "آپ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں"۔

میں نے شکریہ ادا کیا۔ مجھے اس خاتون کی آنکھوں میں بڑی تشنگی نظر آئی۔ میں اس کی آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر ڈر گیا۔ سوچنے لگا کہیں یہ شعلے ہم میں سے کسی کو جلا کر بھسم نہ کر دیں۔ میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر اپنے پلنگ پر آکر رضائی لپیٹ کر سو گیا۔ وہ خاتون نہ جانے کیوں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مجھے پلٹ کر دیکھ لیتی۔

میرے اندازے کے مطابق منٹو صاحب کی عمر اس وقت چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ پینے پلانے میں محو رہتے۔ چونکہ ان کی صحت اچھی نہ تھی اس لئے وہ صنف نازک کی طرف کم ہی مائل ہوتے تھے۔ عدم صاحب جوان اور وجیہہ آدمی تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی شراب نوشی اور شعر گوئی تھا۔ وہ عورت کو صرف دیکھنے کی حد تک پسند کرتے تھے۔ اس خاتون کی عمر اس وقت بتیس تینتیس کے لگ بھگ تھی۔ لیکن وہ لگتی اتنے کی نہ تھی۔ اس کے حسن میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ جنسی جذبے کی اذیت ناک آگ ہر وقت اس کی آنکھوں میں سلگتی رہتی۔ اگر اس رات میں تھوڑی سی پیش قدمی بھی کرتا تو میرا خیال ہے اس عورت کا جنسی خلفشار مجھے خس و خاشاک کی طرح بہا کر کہیں کا کہیں لے جاتا۔ اس موقع پر میری بزدلی میرے کام آئی اور میں نے پیش قدمی کرنے کی بجائے خلوت گزینی اختیار کی اور اس طرح اس سیلاب کے تند و تیز ریلے کی زد میں آنے سے بچ گیا۔

رات کو میری آنکھ کھلی تو وہ تینوں نشے میں بے سدھ فرش پر ہی سکون کی آغوش میں پڑے ہوئے تھے۔ جہاں تک اس تھوڑے سے وقت میں میں اس خاتون کی نفسیات کو سمجھ سکا ہوں وہ نشاط انگیز لمحوں کی تلاش میں کبھی نہ بجھنے والی جبلی ہوس کی تسکین کی خاطر دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ترغیب دیتی تھی۔ وہ ایک عام سی عورت نہ تھی بلکہ نمفومینا (Nymphomania) کی مستقل مریضہ تھی۔

Nymphomania– Un-controlled sexual desise in women

ایسی عورت جب اپنے مشن میں ناکام ہو جاتی ہے تو نارسائی کے اس کرب کو وہ شراب کی نذر کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اس وقت اس خاتون نے کیا تھا۔ وہ دو مردوں کے درمیان پڑی ہوئی تھی۔ شاید ان تینوں کو جنس کا کوئی احساس نہ تھا اور نہ ہی وہ اس دلدل میں ملوث ہوئے تھے۔

میڈم کا ملازم تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہلکا سا دروازہ کھول کر جھانک لیتا اور پھر واپس چلا جاتا۔ شاید ان دونوں کے مقابلے میں میڈم نے کچھ کم پی تھی کہ وہ ان سے پہلے ہوش میں آ گئی۔ آگے پیچھے سر کو گھما کر اس نے دیکھا۔ نہ جانے کس چیز کو وہ متلاشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک کھڑی وہ کچھ سوچتی رہی پھر آگے بڑھ کر میرے منہ سے رضائی سرکا کر اس نے ایک جائزہ لیا۔ میں جاگ رہ اتھا۔ اس کی تمام سکنات و حرکات کو چوری نظر سے دیکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی مجھے یوں لگا جیسے بہار مسکرا اٹھی ہو۔ میں نے اسے سلام کیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگی۔

کیا آپ مجھے میرے کمرے تک چھوڑ آئیں گے۔

جی بہت اچھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے چادر لپیٹ لی اور اس کو چلنے کے لئے کہا۔ وہ مجھ سے کہنے لگی۔

میں تمہارے دوستوں کے ساتھ رات کو بہت پی گئی ہوں۔ اب جسم میں بالکل طاقت نہیں۔ آپ مجھے سہارا دیں گے تو تب میں چل سکوں گی۔

ٹھہریئے میں آپ کے کسی سرونٹ کو بلا کر لے آتا ہوں۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میری حالت اتنی زیادہ خراب نہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہی چلی چلوں گی۔

اس نے میرے فرار کے سارے راستے مسدود کر دیئے۔ "اچھا چلئے میں ہی آپ کو چھوڑ آتا ہوں"۔ میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے میرے قریب آکر اپنا دایاں بازو میرے کندھوں پر رکھ دیا اور اپنے سارے جسم کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا۔ میں کسی نامعلوم جذبے کے تحت خائف ہو کر اس کو جھٹک کر الگ کھڑا ہو گیا۔ وہ گرتے گرتے بچی۔

مجھے یوں لگا جیسے مجھے کسی نہایت ہی زہریلی ناگن نے ڈس لیا ہو۔ وہ حیران کن نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

کیا ہوا ہے۔

کچھ بھی نہیں۔

تم نے یوں جھٹکا ہے اگر میں گر جاتی تو بری طرح زخمی ہو جاتی۔

میڈم یہ سب کچھ میرے بس میں نہ تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے مجھے کسی بہت ہی زہریلی ناگن نے ڈس لیا ہو۔

ارے میاں حسین عورت بھی تو ایک ناگن ہی ہوتی ہے۔ جس کو ڈس لے وہ پھر پانی بھی نہیں مانگتا۔

میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے۔

کیا تم زندگی کے ان حقائق سے آگاہ نہیں ہو۔

سب جانتا ہوں۔

تو کیا پھر تم برہمچاری ہو۔

نہیں تو۔ گھر گرہستی والا آدمی ہوں۔

تو عورتوں سے اتنا بدکتے کیوں ہو۔

مجھے بچپن سے یہی سکھایا گیا ہے۔

تم کافی دلچسپ آدمی ہو۔

جی نہیں میں ایک عام سا آدمی ہوں۔

منٹو صاحب تمہارے سب نجی حالات و واقعات سے آگاہی رکھتے ہیں۔

جی نہیں۔ ان سے تو میں زندگی میں پہلی دفعہ یہاں آپ کے گھر ملا ہوں۔

اگر اسے تمہاری ان ذہنی الجھنوں کا پتہ چل جائے تو وہ تمہیں اپنی تحریروں کا موضوع بنا لے گا۔

مجھے اس کا بھی شوق نہیں۔

عدم صاحب بھی عورتوں کے شوقین نہیں ہیں؟ اس نے سوالیہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔

قطعاً" نہیں۔

میں نے سنا ہے کہ وہ اس بات کے متمنی رہتے ہیں کہ کوئی حسین عورت کالا لباس زیب تن کر کے اور زلفیں بکھرا کر ان کو شراب پلائے۔

میڈم ان کا یہ تو ایک نہایت صحت مند رویہ ہے۔ وہ حسن کو اس کے صحیح روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

تمہاری عدم کے ساتھ کیا دلچسپی ہے۔ شراب تم نہیں پیتے۔ عورتوں کے رسیا تم نہیں۔ پھر اپنی زندگی ان شرابیوں کی صحبتوں میں کیوں خراب کر رہے ہو۔ نوجوان فوجی افسر ہو۔ دلجمعی سے اپنی ملازمت کرو۔ ابھی تم نے زندگی میں بہت آگے بڑھنا ہے۔ یہ تو سیدھی راہ سے بھٹکے

ہوئے لوگ ہیں۔ اس وقت اس خاتون کے اندر کی ماممتا بول رہی تھی۔

میڈم یہ میری کمزوری ہے۔ میں عدم اور منٹو کی تخلیقی صلاحیتوں کا عاشق ہوں۔ ان پر جان دیتا ہوں۔

تم بھی شاعری کرتے ہو۔

جی ہاں۔

چلئے میرے کمرے میں' جا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ میرے پلنگ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اب اس کے سانسوں کا توازن کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچ کر پلنگ سے اٹھانا چاہا۔

میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ آتا ہوں۔ پھر واپس آکر ان صاحبان کی دیکھ بھال کے لئے یہاں موجود رہنا چاہتا ہوں۔

میں اپنے ایک ملازم کو یہاں ان کی نگہداشت کے لئے چھوڑ دیتی ہوں۔

نہیں شکریہ۔ وہ مجھے نہ پا کر فکر مند ہوں گے۔

میرا نوکر ان کو بتا دے گا کہ میڈم ان کو ساتھ اپنے کمرے میں لے گئی ہے۔

یہ سن کر تو وہ اور بھی برہم ہوں گے۔

کیوں اس میں برہم ہونے کی کیا بات ہے۔

بات تو ہے۔

وہ میری طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دی۔ شاید وہ سمجھتی تھی کہ میں زندگی کی ان راہوں سے نا آشنا ہوں۔ کہنے لگی تم اپنے آپ کو اتنا پابند کیوں سمجھتے ہو۔ تم ان کے ماتحت تو نہیں۔

نہ سہی۔ لیکن میرے سینئر تو ہیں۔ عمر میں بھی مجھ سے بڑے ہیں۔ عدم صاحب تو مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ مجھے اپنا سگا بھائی سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔

آج کل کے فیشن میں اسے ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔

میڈم۔ لغزش چاہے بڑی ہو چاہے چھوٹی۔ قابل گرفت ضرور ہوتی ہے۔

وہ ہنس پڑی' پھر مجھ سے کہنے لگی۔

اچھا چلو۔ مجھے چھوڑ کر واپس آ جانا۔

اب تو آپ ٹھیک ہیں۔ اب تو آپ کو کسی اٹینڈنٹ (Attendant) کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے محترمہ سے کہا۔

نہیں ٹھیک نہیں ہوں۔ تم مجھے چھوڑ کر آ جانا۔

رہائی کی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ چارو ناچار میں نے اس کی بات مان لی۔ اس نے پہلے کی طرح اپنا دایاں بازو میرے کندھوں پر رکھتے ہوئے اپنے جسم کا سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا۔ یکایک اس کا تنفس تیز ہونا شروع ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس سطح مرتفع کے نیچے لاوے کا ایک پرجوش دریا بہہ رہا ہے جو نہ جانے کس آن ابل پڑے۔ اور مجھے تندو تیز لہروں میں بہا کر کہیں دور ان جانی وادیوں میں لے جائے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس کی بگولوں کی طرح کی دیوانگی مجھے اچھی لگی۔ لیکن یہ اس کی زندگی کا ایک روپ تھا دوسرا ایک زہریلی ناگن کا روپ تھا جو بہیمی قوت کے خلفشار سے پیدا ہوتا ہے۔

میں نے جوں توں کر کے اسے اس کے بیڈ روم میں پہنچایا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ ان میں آگ کا ایک سمندر پنہاں تھا۔ جس کی تپش میں ابھی سے محسوس کرنے لگ گیا تھا۔ میں اس سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ انسانیت کی اس حد تک تذلیل دیکھنے کی مجھ میں جرات نہ تھی۔ فطری شرمیلے پن کی وجہ سے پیش قدمی کی مجھ میں جرات نہ تھی۔ لہٰذا کسی غیبی طاقت نے میری راہنمائی کی اور میں اٹھ کر اس کے کمرے سے چلتا ہوا باہر آگیا۔

اپنے کمرے میں واپس آیا تو میرے محترم ساتھی ابھی تک حسب سابق بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ میں آ کر اپنے بستر میں چپکے سے سو گیا۔ عدم صاحب کی آواز پر میری آنکھ کھلی۔ وہ دونوں رضائیاں لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے۔ منٹو صاحب پاس پڑی ہوئی شیمپین کی خالی بوتلوں کو باری باری اٹھا اٹھا کر ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ جیسے اب بھی ان کی تشنگی باقی ہو۔ منٹو صاحب نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور جب اس نے محسوس کیا کہ میں ان کی حرکات و سکنات کو غور سے دیکھ رہا ہوں تو وہ ہلکا سا مسکرا دیئے اور بوتلوں کو دور پھینک دیا۔

میں اٹھ کر ان کے پاس آگیا اور انہیں منہ ہاتھ دھونے کے لئے کہا۔ اور خود ملازم کو بلانے کے لئے باہر نکل گیا۔ سب نوکر ایک گول دائرے میں بیٹھے ہوئے آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ مجھے انہوں نے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو خاموش ہو گئے۔ ایک نوکر اٹھ کر میرے قریب آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔

صاحب جی۔ ناشتہ لے آؤں۔

ہاں بھائی لے آؤ۔ میں تمہیں یہی بتانے کے لئے آ رہا تھا۔

بس۔ صاحب جی۔ دو منٹ میں لے کر آتا ہوں۔

میں کمرے میں واپس آیا تو ابھی تک وہ صاحبان اسی حالت میں بیٹھے سگریٹ پی رہے

تھے۔ ناشتہ آ گیا۔ میں نے دونوں صاحبان سے کہا کہ اٹھ کر واش (Wash) کر لیں۔ لیکن ان دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ارے میاں ایسے ہی ٹھیک ہے"۔ "شیروں کے منہ دھلے ہوئے ہوتے ہیں"۔ اور وہ دونوں کھکھلا کر ہنس دیئے۔ انہوں نے ٹرالی سے ناشتے کا سامان نیچے اتار لیا۔ اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ منٹو صاحب نے میرے لئے بھی چائے کا ایک کپ بنایا۔ میں بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ چائے پیتے رہے اور بڑی دیر تک خوش گپیاں کرتے رہے۔ ناشتے سے فارغ ہوئے تو میں نے عدم صاحب سے کہا۔

حضور اب ناشتہ آپ نے کر لیا ہے۔ اب جہلم واپس چلنے کی تیاری کی جائے۔

ارے نیک بخت آدمی آج تو تیسرا دن ہے۔ میں نے تمہیں پانچ دن کی چھٹی لے کر دی تھی۔ ابھی تو لاہور کی سیر کرنا باقی ہے چلے چلیں گے' کیا جلدی ہے۔

حضور' جس کام کے لئے آئے تھے وہ تو مکمل ہو گیا۔ اب سیر کی کیا ضرورت ہے۔ اب واپس چلیں۔

ارے بھئی! چلے جاؤ گے۔ منٹو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

میں نے ان کو گرم گرم چائے کا ایک اور کپ بنا کر دیا۔ اب انہوں نے گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر پاؤں پسار لئے اور بڑے شوق سے چسکیاں لے لے کر گرم چائے پینے میں منہمک ہو گئے۔ اس دوران میں ہلکی پھلکی گفتگو جاری رہی۔ منٹو صاحب رات والے مشاعرے پر تبصرہ کرتے رہے۔

چائے ختم ہوئی تو میں نے برتن سمیٹ کر ٹرالی میں رکھ دیئے۔ اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے گھڑی پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ حضور اب گیارہ بج رہے ہیں۔ جو بھی پروگرام بنانا ہے بنائیں۔ میرا تو خیال ہے بہتر ہوتا جہلم واپس چلے جاتے۔ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

یار خلش ہمدانی تھانیدار بن کر پیچھے مت لگ جایا کرو۔ اگر چلنا بھی ہوا تو آرام سے چلیں گے۔ منٹو صاحب ہم سے ملنے آئے ہیں۔ مجھے تو ان کی کمپنی بہت عزیز ہے۔ انہیں یوں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتے۔ آپ ایسا کریں ازراہ کرم میڈم کے ڈرائیور کو بلوا لیں۔

جی بہتر۔ میں نے باہر نکل کر ڈرائیور کو بلایا جو سامنے کھڑا گاڑی صاف کر رہا تھا۔

جی صاحب۔

آپ کو عدم صاحب بلا رہے ہیں۔ وہ اسی طرح اندر عدم صاحب کے پاس چلا گیا۔

رشید صاحب آپ کو تکلیف دی ہے۔ آپ ہمیں دارو کی ایک بوتل لا دیں۔

سرکار۔ ابھی لا دیتا ہوں۔

عدم صاحب نے کوٹ کی جیب سے پیسے نکالے۔ پیسے کم تھے۔ ان پیسوں سے بوتل نہ آ

سکتی تھی۔ وہ کبھی ایک جیب میں ہاتھ مارتے تو کبھی دوسری میں۔ اتنے ہی پیسے تھے اور کہاں سے آتے۔ انہوں نے ڈرائیور سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

رشید صاحب۔ نوٹوں کا بنڈل کل رات دکان سے بوتل لیتے وقت شاید کہیں گر گیا ہے۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ آپ جائیں"۔ ڈرائیور سلام کر کے واپس چلا گیا۔

عدم صاحب رونی صورت بنا کر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ کر سگریٹ پینے میں مشغول ہو گئے۔ سگریٹ پی چکے تو پھر ایک بار سب جیبوں کی اچھی طرح تلاشی لی۔ رقم ہوتی تو ملتی۔ جو تھوڑے سے پیسے ان کی جیب میں تھے وہ انہوں نے نکال کر گنے۔ کل تیرہ روپے تھے۔ عدم صاحب منٹو صاحب سے کہنے لگے۔

حضور ایک ادھا ہی منگوا لیتے ہیں۔

ہاں ٹھیک ہے۔ یہ کہتے ہوئے منٹو صاحب نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کر دیں۔ ان کی جیب سے کل پانچ روپے نکلے۔ ان کی یہ بے سروسامانی مجھ سے دیکھی نہ گئی۔ میری جیب میں تھوڑے سے پیسے تھے۔ وہ میں نے نکال کر ان کو دے دیئے۔ وہ خوشی سے اچھل پڑے۔ تھوڑی دیر تک وہ ان پیسوں کو کسی ان پڑھ دیہاتی کی طرح گنتے رہے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ اس رقم سے ایک بوتل آ جائے گی تو ان کا چہرہ ایک باطنی مسرت سے دمک اٹھا۔

بھئی سعادت اور کیا کیا منگوانا ہے۔ عدم صاحب نے منٹو صاحب کو مخاطب کر کے پوچھا۔

پانچ، چھو روپے کے تکے کباب ہوں۔ ایک دو درجن مالٹے ہوں اور چار پانچ ڈبیاں سگریٹ کی۔

ٹھیک ہے۔ عدم صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے اور ڈرائیور کو پیسے دے کر واپس آ گئے۔

ہم تینوں بیٹھے ادبی گفتگو کر رہے تھے کہ وہ محترمہ بھی تشریف لے آئیں۔ نہا دھو کر انہوں نے صاف ستھرا لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بڑی سمارٹ نظر آ رہی تھیں۔ وہ ہمارے پاس وہاں قالین پر ہی آ کر بیٹھ گئیں اور خوش گپیوں میں مشغول ہو گئیں۔ منٹو صاحب ان سے کہنے لگے۔

بی بی جی! آپ نے تو کبھی ہمیں گانا سنایا ہی نہیں۔

سعادت بھائی! آپ نے کب مجھ سے گانے کی فرمائش کی ہے اور میں نے انکار کیا ہے۔

چلئے اب فرمائش کر دیتا ہوں۔

تھوڑی دیر میں سازندے آ جاتے ہیں تو سنا دیتی ہوں۔

ٹھیک ہے آپ کا ڈرائیور جب تک ہمارا دارو بھی لے کر آجائے گا۔

رشید گیا ہوا ہے۔ بی بی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

بالکل گیا ہوا ہے۔ اب تو آنے والا ہو گا۔

سعادت بھائی! ایک دو پیگ پی کر گانے میں بڑا مزا آتا ہے۔
رشید ایک لفافے میں لپٹی ہوئی بوتل' مالٹے اور تکے کباب لے آیا اور عدم صاحب کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ عدم صاحب بہت اداس اور دل شکستگی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے۔
رشید کچن سے تین چھوٹے گلاس لے آؤ۔ بی بی نے ڈرائیور سے کہا۔
رشید جلدی سے گیا اور گلاس لے کر واپس آگیا۔
وہ تینوں پینے پلانے میں لگ گئے۔ بی بی نے مجھے ایک پلیٹ میں تھوڑے سے کباب اور مالٹے رکھ کر دیئے۔ ایک بوتل تھی۔ ان بلا نوشوں کے سامنے اس کی کیا حقیقت تھے۔ بوتل ختم ہوگئی۔ اب وہ تینوں گاو تکیوں سے ٹیک لگا krبیٹھے سگریٹ پی رہے تھے دو بج چکے تھے مجھے تو سخت بھوک لگ رہی تھی میں اٹھ کر باہر نکل گیا ملازم سے پوچھا۔
ارے بھائی صاحب کھانے کا کیا پروگرام ہے۔
کھانا تو تیار ہے بی بی جی حکم دیں گی تو لے آئیں گے۔
میں واپس اندر آگیا اور میڈم کو کہا۔
میڈم بڑی بھوک لگ رہی ہے اگر آپ کہیں تو میں آپکے ملازم کو کہوں وہ کھانا لے آئے۔
اگر کھانا تیار ہے تو اسے کہیں کہ سب کے لئے لے آئے۔
میں نے جا کر اس ملازم کو بتایا کہ میڈم کہہ رہی ہے کہ کھانا لے آئیں تھوڑی ہی دیر میں دو ملازمیں ایک ٹرالی میں کھانا رکھ کر لے آئے۔ اور ڈائینگ روم میں کھانا لگا دیا۔ سب نے اٹھ کر کھانا کھایا اور پھر واپس قالین پر آبیٹھ گئے میڈم نے ملازم سے کہہ کر کارڈ منگوائے اسے یہ گیم کھیلنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ گندرے بچوں کی طرح اکیلی بھی اپنے کمرے میں کھیلتی رہتی تھی۔ ملازم کارڈ لے آیا تو اس نے پتوں کو پھینٹنا شروع کر دیا اس کا خیال تھا کہ ہم سب اس کے ساتھ اس گیم میں شرکت کریں گے۔
اس نے سب کو کہا۔
بھئی آئیں ذرا دل بہلائیں۔
سب سے پہلے میں اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھا۔
کیپٹن صاحب آپ میرے ساتھی ہونگے۔
جی اچھا۔ اور میں اس کے پہلو سے اٹھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
بھئی مجھے تو کارڈ کھیلنا نہیں آتا۔ عدم صاحب نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

ارے بی بی چھوڑو یہ فضول گیم ہے منٹو صاحب نے بھی اظہار لاتعلق کرتے ہوئے کہا۔
ارے سعادت بھائی یہ فضول گیم ہے؟ اس سے تو زیادہ دلچسپ اور کوئی گیم دنیا میں ہے ہی نہیں۔
تو آپ اس لڑکے کے ساتھ کھیلیں۔ انہوں نے میرے طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
یہ تو مجھ سے ویسے ہی بھاگتا ہے
"کچا منڈا اے ناں" منٹو نے تماش بینوں کے سے لہجے میں کہا۔
میں انسانی نفسیات کے ان تین ماہرین کے درمیان بیٹھا۔ یہ بات سن کر جھینپ سا گیا۔ اور وہ تینوں قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ وہ محترمہ تھوڑی دیر تک تو کارڈز کو اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں مکس کرتی رہی۔ پھر مایوس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ آہستہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی منٹو صاحب رضائی لپیٹ کر سوگئے۔ گانے کا پروگرام بھی ملتوی ہو گیا۔
آج ہمیں جہلم سے آئے ہوئے چوتھا دن تھا۔ مجھے اپنے نوکری کی فکر تھی عدم صاحب تو بادشاہ تھے انہیں کوئی فکر نہ تھی مجھ سے کہنے لگے۔
حضور چلے جائینگے پانچ دن کی چھٹی ہے۔
آج پانچواں دن ہے ناں میں نے تیقن آمیز لہجے میں کہا تاکہ انہیں میری بات پر یقین آجائے۔
یار خلش تو بڑا چے باز ہے آج تیسرا دن ہوا ہے ہمیں جہلم سے آئے ہوئے۔
تو حضور ابھی دو روز مزید قیام فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
ہاں یار خلش ہمدانی۔ دفتر کے جھنجھٹوں سے چھٹی ملی ہوئی ہے۔ آرام سے بیٹھے ہیں کھاتے پیتے ہیں چلے جائینگے کیا جلدی ہے
میرا خیال ہے میڈم دھکے دے کر نکالے گی تو آپ تب رخت سفر باندھیں گے۔ بھئی شرافت سے چلے جائیں تو اچھا ہوگا۔
حضور میڈم میری بہن بنی ہوئی ہے میری بڑی دید کرتی ہے۔
بھئی عزت اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک آدمی کسی پر بوجھ نہ ہو جب دوسرا آدمی بوجھ سمجھنے لگے تو پھر رہنا ذلت کا رہنا ہے۔
حضور بی بی تو ہمیں سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے ..
ٹھیک ہے اب اس کو کہیں کہ ہمیں کرائے کے لئے پیسے دے۔
کرائے کے ئے پیسے نہیں ہیں۔
کہاں ہیں پیسے۔ آپ کے پاس جو تھے وہ پرسوں رات آپ شراب خریدتے وقت وہاں

اس دکان پر کہیں گرا آئے ہیں۔ میرے پاس جو تھوڑے سے پیسے ایمرجنسی کے لئے تھے اس کی آپ نے شراب پی لی ہے اب کرایہ بھی تو ایک مسئلہ ہے منٹو صاحب سے آپ بات کریں۔

اس بیچارے کے پاس پیسے کہاں ہونگے۔

اب اس کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے۔

وہ کیا۔

میں انار کلی چل اجاتا ہوں۔ چوک لوہاری میں چادر بچھا کر تھڑے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ مولا بیڑا پار لگا دے گا۔

خبیث آدمی ہے تو تو یہاں جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں مذاق کی سوجھ رہی ہے

مذاق کی بات نہیں اب آپ ہی بتائیں کیا کیا جائے۔

آپ میڈم کو سب صورت حال سے آگاہ کریں اور ان کو کہیں کہ ہمیں ایک سو روپے بطور ادھار دیں جہلم جاتے ہی آپ کو بھیج دیں گے۔

کون بھیجے گا آپ یا میں۔

ارے بھائی میں بھیج دونگا میں نے نہ بھیجے تو آپ بھیج دیجئے۔

بالکل غلط اور جھوٹی بات ہے ہم دونوں نہیں بھجیں گے۔

وہ کیوں۔

وہ اس لئے کہ آپ کو تنخواہ ملتی ہے تو آپ ان پیسوں سے شراب پی لیتے ہیں گھر جا کر جھوٹ موٹ کا بہانا بناتے ہیں کہ "جیب کٹ گئی ہے" گھر والے بیچارے دوسری مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میری قلیل تنخواہ ہے مجھے ہر ماہ باقاعدگی سے اپنے بچوں کو بھی خرچہ بھیجنا ہوتا ہے میرے پاس پیسے فالتو نہیں ہوتے میں تو قطعاً" نہیں بھیج سکتا۔

تو پھر واپس کیسے جائیں گے۔

آپ ہی کو کوئی سبیل کرنا پڑیگی۔

منٹو صاحب رضائی لپیٹے ہوئے بظاہر سوئے ہوئے تھے لیکن وہ ہماری یہ سب باتیں سن رہے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے مجھ سے کہنے لگے خلش صاحب بہتر ہے آپ میڈم کے پاس چلے جائیں تھوڑی دیر اس سے میٹھی میٹھی باتیں کریں پھر اسے اپنی ضرورت بتائیں۔

اور اگر میڈم نے اپنی کسی ضرورت کا اظہار مجھ سے کر دیا تو پھر؟

تو پھر کیا۔ بھئی جوان آدمی ہو تمہاری رگوں میں گرم گرم تازہ جوان خون دوڑ رہا ہے اس کی قیمت وصول کر لینا۔

بڑے افسوس کی بات ہے سعادت بھائی آپ اتنے سینئر آدمی ہوتے ہوئے مجھے ایک غلط

کام کے ارتکاب کی ترغیب دے رہے ہیں۔

ارے بھائی میں تو ایسے ہی ہنس رہا تھا۔ بھئی عدم خلش صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ فوج میں بڑا ڈسپلن ہوتا ہے اگر یہ غیر حاضر ہو گئے تو ان کو چارج شیٹ مل جائے گی۔

منٹو صاحب جانے کا خرچہ بھی تو ہو۔

خرچہ نہ ہوا تو یہاں پڑے رہو گے کسی آدمی پر برڈن (burden) نہیں بننا چاہئے۔

بات تو آپکی ٹھیک ہے کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

چلتے ہیں انارکلی اور لوہاری چوک کی کتابوں کی دکانوں سے تین تین چار چار کتابیں لے لیں گے اور پھر ان کتابوں کو بیچ کر تم دونوں کا جہلم کا کرایہ بن جائے گا۔

منٹو صاحب میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ اور خلش صاحب جائیں۔

○

میں اور منٹو صاحب چار بجے کے قریب انارکلی پہنچ گئے میں نے ان سے کہا کہ میرے ایک عزیز مزنگ میں رہتے ہیں میں ان کے پاس جاتا ہوں۔

خدا کرے ان سے اتنی رقم مل جائے کہ ہم خیریت سے جہلم پہنچ جائیں۔

ٹھیک ہے آپ کتنی دیر میں یہاں واپس آئیں گے۔

میں یہاں واپس آکر کیا کرونگا ادھر ہی سے واپس ماڈل ٹاون چلا جاوں گا۔

ٹھیک ہے میں مکتبہ جدید، گوشہ ادب اور نیا ادارہ جاؤں گا۔ وہاں سے جس قدر آسانی سے کتابیں ملیں۔ ان کو نیلا گنبد یا چوک کچہری روڈ پر کسی کباڑیئے کے پاس بیچ کر جس قدر رقم ملی لے کر آجاوں گا۔

میں نے منٹو سے جھوٹ بولا تھا۔ مزنگ میں میرا کوئی عزیز نہ رہتا تھا میں ان سے الگ ہو کر اپنی نئی نویلی گھڑی جو چند روز پہلے میں نے جہلم سے ڈیڑھ سو روپے میں خریدی تھی اسے بیچ کر زاد راہ کیلئے کچھ پیسے مہیا کرنا چاہتا تھا۔ منٹو صاحب چوک لوہاری کی طرف جاتے ہوئے انسانوں کے ایک انبوہ کثیر میں غائب ہو گئے میں تھوڑی دیر کے لئے انارکلی میں پھرتا رہا پھر دو تین گھڑیوں کی دکانوں پر جا کر اپنی وہ گھڑی ان کو دکھائی اور ایک نیا جھوٹ تراشا کہ جناب میرا بٹوا کہیں گر گیا ہے اس لئے یہ گھڑی "مجبوراً" بیچنی پڑ گئی ہے۔ ہمارے ہاں لوگ دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں پہلے دکاندار نے نوے روپے بتائے دوسرے نے اسی روپے تیسرے نے ایک سو روپے میں نے آو دیکھا نہ تاو گھڑی اس دکاندار کو دے دی اور ایک سو روپے اس

سے لے کر جیب میں رکھ لئے
جب کچھ تسلی ہوئی تو چائے پینے کا موڈ بن گیا۔ ایک روڈ کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں چائے پی۔ طبیعت کچھ بحال ہوئی تو واپسی کی ٹھانی۔ چھ بجے واپس ماڈل ٹاون پہنچ گیا عدم صاحب نے مجھ امید و بیم کے عالم میں دیکھا تو کہنے لگے۔

حضور کچھ کام بنا۔

تھوڑے سے پیسے میں اپنے ایک عزیز سے لایا ہوں۔

کتنے ملے ہیں بھلا۔

صرف بیس روپے ملے ہیں۔

کہاں ہیں ذرا مجھے دکھائیں۔

شاہ صاحب میں نے پہلے یہ بڑی منت سماجت کے بعد حاصل کئے ہیں اب آپ کو دکھاوں تو آپ نے پھر مجھے کوئی واپس کرنے ہیں۔

نہیں حضرت پیر کی قسم۔ لیتا نہیں ہوں صرف دیکھتا ہوں۔

میں نے جیب سے نکال کر ان کو دور سے لپیٹے ہوئے نوٹ دکھا دیئے۔

ذرا مجھے دکھاو تو میں گن لوں۔

گننے کہا ہیں بس بیس روپے ہیں میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔

یار خلش ہمدانی تو تو مجھے سود خور پٹھان نظر آتا ہے پیسوں سے تجھے اتنی محبت ہے مجھے دکھاتے ہی نہیں ہو۔

حضور آپ کو گننے کے لئے دوں تو پھر ان کی فاتحہ پڑھ لوں ناں۔

نہیں حضور گن کر آپ کو واپس کر دوں گا۔

میں نے پہلے پانچ پانچ روپے کے چار نوٹ الگ کر لئے ہوئے تھے وہ میں نے نکال کر ان کو گننے کے لئے دے دیئے وہ انہیں ہاتھ میں لے کر ہلکا سا مسکرائے پھر گن کر جیب میں رکھ لئے۔

حضور مجھے واپس کریں میں یہ کرائے کے لئے لے کر آیا ہوں۔

ارے بھائی کھا تو نہیں جاونگا۔ منٹو صاحب کو آلینے دیں۔ دیکھتے ہیں کتنے پیسے بنتے ہیں۔

وہ دو تین دکانوں سے کچھ کتابیں لے کر کباڑیے کے پاس بیچیں گے کتنے پیسے ملیں گے۔

کباڑی تو دس روپے کی چیز ایک روپے میں لیتا ہے۔

چلو جتنے بھی ہوئے انہیں آلینے دو۔

سورج ڈوب رہا تھا کہ منٹو صاحب آگئے۔ عدم صاحب نے ان سے پوچھا۔

حضور کچھ کام بنا۔

یار عدم بڑی مشکل سے ستائیس روپے کی کتابیں بنیں۔ دس روپے میں نے ٹیکسی والے کو دے دیئے سترہ روپے یہ ہیں۔ وہ انہوں نے نکال کر عدم صاحب کی طرف بڑھا دیئے۔ انہوں نے لے کر انہیں گننا شروع کر دیا۔ ان کے چہرے پر رونق آگئی اور کسی انجانی خوشی سے ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

میں نے ان سے گزارش کی حضور دیر ہو رہی ہے سات بجے کی گاڑی سے ہمیں واپس چلنا چاہئے۔

خلش صاحب اب بڑی دیر ہوگئی ہے رات کو مرتے کھپتے جائینگے۔ کل صبح آرام سے نہا دھوکر سیدھے جہلم کے لئے چل پڑیں گے۔

شاہ صاحب۔ آپ کیوں میرا کورٹ مارشل کروانے پر تلے ہوئے ہیں۔

ارے تم فکر مت کرو۔ میری موجودگی میں کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

یار خلش صاحب۔ میں بھی اب بڑا تھک گیا ہوں۔ اب پھر مرتا کھپتا گھر تک نہیں جا سکتا۔ رات یہاں اکٹھی گزار دیں گے۔ صبح سویرے آپ دونوں جہلم چلے جائیں۔ میں اپنے گھر چلا جاوں گا۔ منٹو صاحب نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

اچھا سر۔ آپکی بات مان لیتا ہوں لیکن ایک شرط کے ساتھ۔

شرط کیا ہے۔

پیسے جو میں مانگ کر لایا ہوں وہ عدم صاحب مجھے واپس دے دیں ورنہ کل صبح سویرے پھر کرائے کا قضیہ اٹھ کھڑا ہو گا۔

عدم صاحب بڑے پیار سے مجھے تسلی دینے لگے۔ یار خلش اتنی بے اعتباری ہے میری ذمہ داری ہے آپ کو جہلم پہنچانا۔

بس یار خلش صاحب چھوڑو بھی۔ اب یہ عدم کی ذمہ داری ہے تم فکر مت کرو۔ منٹو صاحب نے مجھے پیار سے کہا۔

سعادت بھائی۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہ ان پیسوں کی ایک بوتل منگا لینگے۔ کل صبح پھر آج کی سی کیفیت ہو گی۔

حضرت پیر کی قسم۔ بالکل نہیں ہو گا۔ تم خاطر جمع رکھو۔ انہوں نے ہلکا سے مسکراتے ہوئے مجھ گلے لگا لیا اور پھر میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

عدم صاحب خود ہی رشید کو بلا کر لے آئے اور اسے دروازے کے باہر کھڑے کھڑے کچھ پیسے دیئے اور پھر وہ چلا گیا۔ اندھیرا چھا چکا تھا لیکن ابھی تک رشید واپس نہیں آیا تھا عدم

صاحب بے قراری کے عالم میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دروازے سے باہر نکل کر مین گیٹ کی طرف بڑی مشتاق نظروں سے رشید کو دیکھنے لگ جاتے تھوڑی دیر کھڑے سگریٹ پیتے رہتے پھر مایوس ہو کر اندر آجاتے۔

رشید نے گاڑی ہمارے کمرے کے باہر ہی لا کر کھڑی کی۔ میرے معزز ساتھیوں کی جان میں جان آئی۔ گاڑی سے میڈم بھی اتر کر ہمارے ہی کمرے میں آگئی۔ اس کے پیچھے پیچھے رشید دو بنڈل اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے بڑے ہی فاتحانہ انداز میں وہ بنڈل عدم صاحب اور منٹو صاحب کے سامنے قالین پر رکھ دیا۔ عدم صاحب نے وہ کھولے تو اس میں دیسی شراب کی ایک بوتل اور پکوڑے اور مالٹے تھے۔ دوسرا کھولا تو اس سے دو وسکی کی بوتلیں اور دو فرائی ہوئے ہوئے مرغ مسلم۔ منٹو صاحب نے یہ راشن دیکھا تو غیر ارادی طور پر ایک نعرہ مستانہ انہوں نے لگایا۔ میڈم پاس بیٹھی ہوئی فاتحانہ انداز سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ وہ ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں۔ میں واش کر کے کپڑے بدل کر آتی ہوں۔ تب تک آپ تیاری کریں یہ میری طرف سے جہلم والوں کی الوداعی پارٹی ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

منٹو صاحب مجھ سے کہنے لگے' آج وسکی کا ایک پیگ آپ بھی پی کر دیکھیں آپ کی طبعیت کتنی ہشاش بشاش ہوتی ہے۔

نہیں سر مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں۔ میں ہوش میں رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔

منٹو صاحب اسے چھوڑیں یہ بڑا ضدی ہے۔ ہرگز نہ مانے گا۔ میں شروع شروع میں اس کے ساتھ مغز ماری کر چکا ہوں۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ انہوں نے ڈائننگ ٹیبل سے سفید چادر کھینچ کر نیچے بچھائی اور عدم صاحب سب لوازمات کو ایک ترتیب سے اس پر سجانے لگ گئے۔ میڈم شب خوابی کا کالا لباس پہنے اوپر گاؤن زیب تن کئے آ گئی۔ اس لباس میں وہ مجھے بھی اچھی لگی۔ لیکن صرف دیکھنے کی حد تک۔ عورت کے معاملے میں ہم تینوں بالکل بے ضرر تھے۔ لیکن شاید ہمارا یہ منفی رویہ میڈم کو پسند نہ تھا ـــــ فوراً ہی کھانا آگیا۔ اور ہم سب نے حسب ضرورت کھانا کھایا۔ ملازم جب برتن اٹھا کر ٹرالی میں ڈال کر لے گیا تو ان تینوں نے پینی شروع کر دی۔ میں ان کے پاس بیٹھا سگریٹ پیتا رہا اور آہستہ آہستہ مالٹے چوستا رہا۔

○

رات بارہ بجے محفل اپنے جوبن پر تھی۔ وسکی کی ایک بوتل خالی ہو چکی تھی۔ میڈم

میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے نشے کی لہر میں میری ران پر بڑے ہی عامیانہ اور بازاری انداز میں ہاتھ مارتے ہوئے مجھے کہا۔

"کی حال اے تیرا منڈیا"

ٹھیک ہوں میڈم۔

تم تو گرفتار پرندے کی طرح ڈرتے بہت ہو۔ عورت ہوں۔ کوئی ڈائین تو نہیں۔

چھوڑو میڈم اسے یہ اپنی طرز کا ایک واحد آدمی ہے۔

اور پھر انہوں نے میری طرف سے توجہ ہٹا لی اور اپنے شغل میں لگ گئے۔

سب سے پہلے میڈم فینٹ (Faint) ہو کر لیٹ گئی۔ دوسری بوتل منٹو اور عدم نے ختم کی لیکن اس وقت تک ان کے ہوش و حواس بھی جواب دے چکے تھے۔ وہ بھی ٹانگیں پسارے بے ہوش ہو گئے۔ میں نے اٹھ کر ان پر رضائیاں ڈال دیں اور کمرے کو اندر سے بولٹ کر دیا۔ اور پھر اپنے بستر پر جا کر سو گیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو روشن دان سے سورج کی سنہری کرنیں سامنے والی دیوار پر پڑ رہی تھیں۔ میں نے سوچا۔ نماز تو قضا ہو گئی ہے۔ تھوڑا اور سو لوں چنانچہ پھر نئے سرے سے رضائی لپیٹ کر سو گیا۔ جب میں سو کر اٹھا تو میں نے سامنے دیوار پر لگے کلاک پر ٹائم دیکھا۔ دن کے دس بج رہے تھے۔ میں سوچنے لگا نہ جانے میرے یہ ساتھی کب خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہیں۔ میں نے عدم صاحب کو جا کر جگایا۔

شاہ صاحب اب وقت بہت کم ہے۔ اگر آپ نے جہلم آنا ہے میرے ساتھ ۔۔۔ اٹھیں اور چلنے کی تیاری کریں۔ ورنہ میں پھر اکیلا جانے کی تیاری کرتا ہوں۔

حضور چلے جائیں گے۔ ابھی تو سونے دیں۔

میں بادل ناخواستہ چلنے کی تیاری میں لگ گیا۔ چلنے سے پہلے میں نے مناسب سمجھا کہ سب کو بتا کر جاؤں۔ میں نے منٹو صاحب اور عدم صاحب کو جگایا۔ میڈم کو بھی کافی دیر تک جھنجھوڑتا رہا۔ وہ تینوں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ میں نے ان سے کہا۔

جناب میں تو اب جا رہا ہوں۔ عدم صاحب نہ جانے کب آئیں گے۔ آئیں گے بھی یا نہیں۔

حضور میں نے جہلم ہی جانا ہے۔ آپ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ عدم صاحب نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔

میڈم کے سمجھانے بجھانے پر عدم صاحب بھی جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ناشتہ آ گیا۔ ہم سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ میڈم رشید کو بلانے کے لئے چلی گئیں۔ اور ہم تینوں تیار ہو کر باہر برآمدے میں نکل آئے۔ ہم نے باہر نکل کر دیکھا' رشید گاڑی صاف کر رہا تھا۔ میڈم اس کو

گاڑی کا کہہ کر پھر ہمارے پاس آ گئیں۔ اور کھڑی سگریٹ پیتی رہی۔ پھر مجھ سے کہنے لگی۔

کپتان صاحب کبھی پشاور یا پنڈی کی طرف میرا آنا ہوا تو ایک دن کے لئے آپ کے پاس بریک جرنی (Break-Journey) کروں گی۔

میڈم ہم لوگ تو ایمرجنسی میں جہلم آئے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اکٹھے فوجی کیمپ میں ٹینٹوں میں رہتے ہیں۔ وہاں آنے میں آپ کو بڑی زحمت ہو گی۔

چلئے وہاں کیمپ میں نہیں آؤں گی۔ کسی ہوٹل میں ٹھہر جاؤں گی۔ آپ ہوٹل ہی میں مجھ سے ملنے آ جائیں۔

آپ ہوٹل میں کیوں ٹھہریں گی۔ عدم صاحب کا گھر جو ہے۔ آپ وہاں ٹھہر جائیں۔

تم عدم کے بیوی بچوں سے مجھے پٹواؤ گے۔

وہ تو آپ کے بھائی ہیں۔

کپتان صاحب عورتیں بڑی شکی مزاج ہوتی ہیں۔

اچھا ٹھیک ہے آپ مجھے مطلع کر دیں۔ میں کسی ہوٹل میں آپ کے ٹھہرنے کا انتظام کر دوں گا۔

اپنا پتہ لکھ کر چھوڑ جایئے۔

جی بہت اچھا۔

اور پھر میں نے ایک کاغذ پر اپنا پتہ لکھ کر میڈم کو دے دیا۔

رشید گاڑی لے کر آ گیا اور ہم تینوں اس میں بیٹھ گئے۔ میڈم نے ہمیں بڑی گرمجوشی سے الوداع کہا۔ راستے میں منٹو صاحب کہنے لگے رشید میاں۔ مجھے بیڈن روڈ پر اتار دینا۔

جی بہت اچھا۔

رشید ریگل چوک سے بیڈن روڈ کی طرف مڑ گیا۔ منٹو صاحب نے گاڑی روکنے کے لئے کہا۔ گاڑی رکی تو ہم تینوں باہر آ گئے اور ایک دوسرے سے گلے ملے۔ عدم صاحب منٹو صاحب سے پوچھنے لگے۔

حضور یہاں نزدیک کوئی دکان ہے۔ ان کا اشارہ شراب کے ٹھیکے کی دکان کی طرف تھا۔

ہاں ہے۔

خلش صاحب از راہ بندہ پروری میرے لئے ایک بوتل لے آئیں۔ بدن ٹوٹ رہا ہے۔ اس کے بغیر اتنی طویل مسافت کیونکر طے ہو گی۔

شاہ صاحب ـــــ دارو مفت ملے گا۔ یا منٹو صاحب لے کر دیں گے۔

یار خلش تو بھی سود خور پٹھان ہے۔ پیسے خرچ نہیں کرتا۔

نہیں شاہ صاحب۔ سود خوری کی بات نہیں۔ پیسے ہی نہیں۔
وہ بیس روپے کہاں گئے ہیں جو تم نے رات کو ہنگامہ آرائی کے بعد واپس لے لئے تھے۔
کرائے کے لئے ہیں وہ تو۔
حضور۔ بغیر ٹکٹ کے چلے جائیں گے۔
ریلوے پولیس والوں کے جوتے کون کھائے گا۔
ارے کچھ نہیں ہوتا۔ جب ان کو پتہ چلے گا کہ یہ دونو شاعر ہیں تو وہ چھوڑ دیں گے۔
شاہ صاحب قبلہ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ دونوں شاعر ہیں اور بے ٹکٹے ہیں تو وہ کہیں گے کہ یہ عادی مجرم ہیں۔
منٹو صاحب مجھ سے کہنے لگے۔ خلش صاحب چلیں ان کے لئے دیسی شراب کا ایک ادھا ہی لے لیں۔
کتنے میں آئے گا۔
چھ روپے میں۔
میں منٹو صاحب کے ساتھ گیا انہوں نے ٹھیکے سے مجھے ایک ادھا لے دیا۔ میں نے دکاندار کو ایک اور دینے کے لئے کہا۔ اس نے دیا تو وہ میں نے منٹو صاحب کو دے دیا اور دکاندار کو بارہ روپے ادا کر کے ہم واپس آ گئے۔ میری اس خدمت سے منٹو صاحب بہت خوش ہوئے ان سے یہ میری آخری ملاقات تھی۔ ان سے مل کر ہم ریلوے سٹیشن کی طرف چلے گئے۔ گھڑی والی رقم میرے پاس تھی۔ میں نے دو انٹر کلاس کے ٹکٹ لئے اور عدم صاحب کو لے کر پل کی دوسری طرف گاڑی کھڑی تھی اس میں جا کر بیٹھ گئے۔ ابھی گاڑی کے چلنے میں چند منٹ باقی تھے کہ عدم صاحب نے اپنی بوتل نکال لی۔
شاہ صاحب! گاڑی چلنے دیں۔ احتیاط کریں۔ چھپا کر پئیں۔
یار خلش۔ مصلحت اندیش آدمیوں سے میری بالکل نہیں بنتی۔ یہ لوگ قدم قدم پر ٹوکتے ہیں۔ جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔
عدم صاحب حضور۔ مصلحت اندیش آدمیوں کی وجہ سے تو آپ زندہ ہیں۔ اگر ایسے لوگ آپ کے ساتھ نہ ہوں تو ایک ہی دن میں شراب پیتے پیتے آپ مر جائیں۔
وہ بوتل لے کر باتھ روم میں چلے گئے۔ واپس آئے تو بوتل آدھی ہو چکی تھی۔ سوڈا میسر نہ ہوتا تو وہ نیٹ (Neat) ہی پی لیتے۔ میں نے انہیں کئی بار زنجی بیرس نیٹ (Neat) پیتے ہوئے دیکھا۔ گاڑی چل پڑی۔ اس ڈبے میں زیادہ آدمی نہ تھے۔ تین ڈیفنس سروسز کے آدمی تھے اور دو کوئی بزنس مین تھے۔ جو شروع سے لے کر آخر تک منڈیوں کے بھاؤ اور ان کے اتار

چڑھاؤ سے متعلق ہی باتیں کرتے رہے۔

عدم صاحب نے اپنے دارو کی بوتل نکال لی۔ اور آہستہ آہستہ چسکی لے لے کر ایک آدھ گھونٹ پی لیتے۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا بابو جی یہ کیا پی رہ رہے ہیں۔

بھائی مجھے کھانسی ہے۔ یہ اس کی دوا ہے۔ اگر آپ کو بھی کھانسی ہو تو دوا پی لیں۔

جی نہیں شکریہ۔ اور پھر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ مہنگائی کا رونا رونے لگ گیا۔

ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ہم جہلم پہنچ گئے۔ ریلوے سٹیشن سے باہر آئے ایک تانگہ پکڑا۔ جب تانگہ مین چوک پر پہنچا تو عدم صاحب کہنے لگے۔

حضور ذرا اپنے اڈے سے چکر لگاتے جائیں۔

وہاں کیا کریں گے۔

دوستوں سے ملیں گے۔ ان کا حال پوچھ کر پھر گھر چلے جائیں گے۔

ابھی آپ کا دوستوں سے دل نہیں بھرا۔

یار خلش تمہیں تو فوجی افسر ہونے کی بجائے قصائی ہونا چاہیئے تھا۔

وہ کیوں۔

تم اتنے سنگدل ہو۔ تمہارے دل میں دوستوں کی محبت کا جذبہ قطعاً نہیں ہے۔

ٹھیک ہے میں آپ کو اڈے پر ڈراپ کر کے واپس کیمپ چلا جاؤں گا۔

چلو ایسا کر لینا۔

اڈے پر پہنچے بڑی دیر ہو چکی تھی لیکن نہ جانے ابھی تک محفل کیوں نہ جمی تھی صرف دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عدم صاحب کو دیکھا تو ان کی پذیرائی کے لئے باہر نکل آئے۔ عدم صاحب تانگے سے اتر گئے۔ مجھے بھی اترنے پر مجبور کرنے لگ گئے۔ کہیں میں نہ مانا اور تانگہ لے کر اپنے کیمپ کی طرف چلا گیا۔ کیمپ پہنچا تو ساڑھے نو کا وقت تھا اللہ یار خان میرے ٹینٹ کے اندر لیٹا ہوا تھا اور اپنی پرانی عادت کے مطابق حقہ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو میری پیشوائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ لپک کر میرے ہاتھ سے میرا اٹیچی کیس لے لیا۔ اور میں سانس لینے کے لئے پاس ہی پڑی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

بڑی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اللہ یار خان نے آ کر بتایا کہ میس بند ہو گیا ہے میں نے اسے کھانا بازار سے لانے کے لئے کہا۔ وہ کھانا لے آیا۔ میں کھا کر سونے کی تیاری کرنے لگا تو اس نے مجھے بتایا کہ میجر ملک کا پروموشن ہو گیا ہے اور ساتھ ہی ان کا ارجنٹ پوسٹنگ آرڈر بھی آ گیا ہے۔ ان کی بدلی کرنے کے لئے میجر افضل نام کے ایک صاحب آئے ہیں۔ کل سے انہوں نے یونٹ کا چارج بھی لے لیا ہے اور ملک صاحب کور ہیڈ کوارٹر میں چلے گئے ہیں۔ نئے میجر صاحب

کے شاید سینئر سردار نے کان بھرے ہیں کہ اس نے مجھے کل ہی دفتر میں بلایا اور آپ کے متعلق مجھ سے بہت سی باتیں پوچھیں۔

مثلاً کیا کیا پوچھا۔

یہی کہ میں نے سنا ہے تمہارا صاحب بہت آوارہ گرد قسم کا آدمی ہے۔ اس کی شہر کے سارے شرابی کبابی آدمیوں سے دوستی ہے۔ ساری ساری رات یہ یونٹ سے غائب رہتا ہے۔

تم نے کیا کہا۔

میں نے کہا۔ سر مجھے اس کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ مجھے اپنے کام سے کام ہے۔

تم بھی مجھے اس سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

سر میں نے کیا ملنا ہے۔ غریب آدمی ہوں۔ اپنے بال بچے کی روٹی پیدا کر رہا ہوں۔

تم مجھے بڑے چالاک آدمی نظر آتے ہو۔ تم کو میں اردلی سے ہٹا کر یونٹ میں سخت ڈیوٹی پر لگاؤں گا۔

سر میں اب تک یونٹ ہی میں کام کرتا رہا ہوں۔ ہمدانی صاحب کے پاس تو آئے ہوئے مجھے صرف دو ماہ ہی ہوئے ہیں۔

تم گستاخ آدمی ہو۔ باتیں بہت بناتے ہو۔ جاؤ اور اپنے پٹھو پہن کر آؤ۔ میں آر پی حوالدار کو کہتا ہوں تمہیں ایک گھنٹہ ٹہلائے۔

پھر تم نے پٹھو لگایا۔ میں نے غصے میں آتے ہوئے اس سے پوچھا۔

لگایا صاحب۔ اس ظالم حوالدار نے میرے ہیورسیک میں اینٹیں بھر دیں اور پھر مجھے ایک گھنٹہ گراؤنڈ میں ڈبل مارچ (دوڑاتا) کراتا رہا۔

اللہ یار خان۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا ہے کہ میری عدم موجودگی میں تمہارے ساتھ انہوں نے زیادتی کی۔

صاحب! کمانڈنگ صاحب کہہ رہے تھے کہ میں تمہارے صاحب کا بھی بندوبست کروں گا۔

دیکھا جائے گا۔

صاحب جی۔ سینئر سردار نے ان کو عدم صاحب کے متعلق بتایا ہے۔ کہ صاحب یہ ایک شرابی کبابی آدمی ہے۔ یہاں آڈٹ آفیسر ہے۔ ہمدانی صاحب کو ملنے کے بہانے یہاں آتا ہے تو یونٹ کے کمزور پوائنٹ نوٹ کر کے لے جاتا ہے۔ پھر آڈٹ آبجیکشن (Audit Objections) کر دیتا ہے۔

پھر میجر صاحب نے کیا کہا۔

اس کا میں یونٹ میں آنا بند کر دوں گا۔

اچھا اللہ یار خان اب تم جا کر سو جاؤ۔

○

دوسرے دن دفتر میں میری میجر افضل سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونو نے اپنی اپنی حدود میں رہ کر ایک دوسرے سے ڈیل کیا۔ تقریبا دو ہفتے اسی طرح گذر گئے۔ نہ اس نے مجھ سے کوئی باز پرس کی اور نہ ہی میرے اردلی کو تبدیل کیا۔ میرا خیال ہے اس عرصے میں وہ مجھے واچ کرتا رہا۔

ایک دن ہم سب باہر دھوپ میں بیٹھے کام کر رہے تھے کہ چیف سگنل آفیسر ہماری یونٹ میں راؤنڈ پر آیا۔ وہ پہلے میجر افضل کے پاس ان کے دفتر کے ٹینٹ کے اندر بیٹھے رہے۔ وہاں چائے وغیرہ پی۔ پھر نکل کر باہر دھوپ میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں عدم صاحب اپنے مخصوص انداز میں سگریٹ پیتے ہوئے وہاں آ گئے۔ جب چیف سگنل آفیسر نے ان کو دیکھا تو آگے بڑھ کر ان کی پذیرائی کی۔ چیف صاحب ان کو میجر افضل کے دفتر میں بٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن عدم صاحب نے معذرت کر لی۔

کیوں شاہ صاحب بیٹھتے کیوں نہیں۔ چیف صاحب نے عدم صاحب سے پوچھا۔

چیف صاحب میں خلش ہمدانی کے پاس بیٹھوں گا۔

شاہ صاحب! وہ آپ کے سٹیٹس (Status) کا نہیں ہے۔

سر۔ دوستی میں سٹیٹس نہیں دیکھے جاتے۔ دوست سب ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب خلش ہمدانی بالکل معمولی سا آدمی ہے۔ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ نیچے والے فوجیوں کے ساتھ مکس اپ ہوں۔

آپ کی نظر میں خلش ہمدانی معمولی آدمی ہو گا۔ میری نظر میں وہ بڑا آدمی ہے۔ عدم صاحب نے تیقن آمیز لہجے میں کہا۔

کس لحاظ سے۔

وہ ایک اچھا آدمی اور ایک اچھا شاعر ہے۔

شاعر ہونا کیا کوالیفیکیشن (Qualification) ہوئی۔ کوئی بھی آدمی تک بندی کر سکتا ہے۔ ایسے لوگ خواہ مخواہ وقت ضائع کرتے ہیں۔ ملک اور قوم پر برڈن (Burden) ہیں۔

صاحب آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ اس طرح کے نازیبا ریمارکس سب شاعروں کے متعلق دیں۔

نہیں عدم صاحب میں آپ کو اس زمرے میں شامل نہیں کر رہا۔ آپ تو پاکستان کے

چوٹی کے شاعر ہیں۔ میں خلش ہمدانی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔
کبھی آپ نے اس سے پہلے اس سے یہ بات کی ہے۔ عدم صاحب نے چیف سے پوچھا۔
نہیں۔ وہ بہت چھوٹا آدمی ہے۔ میں ایسے آدمی سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔
کس لحاظ سے چھوٹا ہے۔ آپ کی تعلیم اس سے زیادہ ہے۔ یا آپ اس سے زیادہ خوبصورت آدمی ہیں۔

عدم صاحب۔ میں سینئر آفیسر ہوں۔ وہ ایک جے سی او ہے۔ اس کا میرے ساتھ کیا مقابلہ۔

صاحب یہ رینکس کام کی نوعیت کے حساب سے ملتے ہیں۔ آپ کا اپنا کام ہے۔ ان کا اپنا کام۔ آپ اور آپ کی پوری یونٹ لگی رہی تو ایک شعر موزوں نہیں کر سکتے۔
ہمارے ہاں دیہاتوں میں تو کلانوت بازی' بھانڈ اور مراثی کرتے ہیں۔ خاندانی لوگ بھلا یہ کام کرتے ہیں۔

صاحب نہایت افسوس کی بات ہے۔ آپ نے کتنی گری ہوئی بات کی ہے۔ میں آپ جیسے لوگوں سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اور عدم صاحب ان سے ناراض ہو کر میرے پاس آ گئیں۔
میں ان کے سامنے اپنے دفتر کے ٹینٹ کے باہر بیٹھا ہوا تھا اور یہ سب باتیں نہایت واضح طور پر سن رہا تھا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ عدم صاحب میرے پاس ایک سٹول پر آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ تو میجر افضل تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میرے پاس آ گیا اور عدم صاحب سے کہنے لگا۔
شاہ صاحب! آپ کا ہماری یونٹ میں کوئی کام نہیں ہے۔ آپ چلے جائیں۔ یہاں سے اس جے سی او کو کام کرنے دیں۔ یہ پہلے بھی بڑا آوارہ گرد تھا۔ یہاں آ کر اس کی آوارہ گردی اور بڑھ گئی ہے۔ عدم صاحب غصے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں آج تک کبھی اس قدر غصے میں نہ دیکھا تھا جتنا وہ اس وقت تھے۔ میں ان کو روکتا رہا۔ لیکن وہ کرب و اذیت کے عالم میں جلدی جلدی ہماری یونٹ سے نکل کر چلے گئے۔ یہ جو کچھ ہوا تھا بہت برا ہوا تھا مجھے اپنی جگہ پر غصہ اور ندامت تھی۔ میری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ سوچتا آج ہی ریزائین (Resign) لکھ دوں۔ میں ابھی خیالات کے اسی تانے بانے میں الجھا ہوا تھا کہ دفتر کا اردلی مجھے بلانے کے لئے آ گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چیف صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔
میں نے بیلٹ باندھا اور سروس کیپ پہن کر میجر افضل کے دفتر والے ٹینٹ میں گیا۔ وہ دونوں بیٹھے آہستہ آہستہ کوئی سازش کر رہے تھے۔ میں نے فوجی انداز میں سلوٹ کیا اور اٹن شن ہو کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک یوں دیکھا جیسے کوئی ماہر قصائی

کسی بکرے کو دیکھتا ہے۔ اس نے بڑے معنی خیز انداز سے ایک لمبی "ہوں کی اور مجھے یہ تاثر دینے کے لئے کہ معاملہ بہت ہی سیریس نوعیت کا ہے۔ سر کو ہلانا شروع کر دیا۔ میں اس کی اس ایکٹنگ سے قطعاً" متاثر نہ ہوا۔ میں محترم کو اس وقت سے جانتا تھا جب میں ان کی کمپنی میں کلرک تھا اور وہ پانچ روپے پر بوائے بھرتی ہو کر اس کمپنی میں انڈر ٹریننگ تھے۔ میں ان کے سب فیملی بیک گراؤنڈ کو بھی جانتا تھا۔

مجھ سے کہنے لگے۔ صاحب اس آدمی سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ ان کا اشارہ عدم صاحب کی طرف تھا۔

میرے دوست ہیں۔

صاحب یہ تو شرابی' کبابی آدمی ہے۔ آپ فوجی خاندان کے فرد ہیں۔ فوج میں نوکری کرنی ہے تو ایسے آدمیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے آپ کو سراسر نقصان ہو گا۔

سر شاید آپ کو یہ پتہ نہ ہو گا کہ موصوف ہندوستان پاکستان کے ایک نامور شاعر ہیں۔ میں تو ان سے مراسم بڑھانے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔

آپ نے نوکری کرنی ہے یا نہیں۔

جب تک گورنمنٹ کو میری خدمات کی ضرورت ہوئی' کروں گا۔ ورنہ گھر چلا جاؤں گا۔

صاحب! اس فضول آدمی سے آپ اپنے تعلقات منقطع کر لیں۔ نہ آپ اس سے ملیں اور نہ اسے اپنے پاس یہاں یونٹ میں آنے دیں۔

سر میں یہ ذلت آمیز رویہ نہیں اپنا سکتا۔ تمام ادبی حلقوں میں میری اس کمینگی کی وجہ سے لوگ مجھے قابل نفریں سمجھیں گے۔

تم کتنے بڑے آدمی ہو۔

کوئی بڑا نہیں۔ معمولی آدمی ہوں۔ لیکن جس قدر بھی ہوں۔ اپنے قد و قامت سے آگاہ ہوں۔

میں آپ کو آخری بار یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب اگر یہ بدتمیز آدمی آپ کے پاس آیا یا آپ نے اس سے میل جول رکھا تو میں آپ کو ان ڈیزائرایبل (Une-desirable) کر کے گھر بھیج دوں گا۔

سر اگر میں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کی ہے تو آپ مجھے بتائیں۔ عدم صاحب سے تعلقات میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں ان میں مداخلت نہیں برداشت کروں گا۔ گھر چلا جاؤں گا تو بھوک سے تو نہیں مر جاؤں گا۔

تو تم جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

بالکل تیار ہوں۔ آج ہی بھیج دیں۔

ٹھیک ہے آپ اپنے ٹینٹ میں جا کر آرام کریں۔ آپ اپنے کام سے فارغ ہیں۔ کہیں آئیں جائیں نہیں وہاں ہی رہیں۔

میں سیلوٹ کر کے واپس اپنے ٹینٹ میں آکر لیٹ گیا۔ جلد ہی مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا۔ نہ جانے میں کب تک سوتا رہتا کہ اللہ یار خان نے مجھے جگا کر بتایا کہ ٹینٹ کے باہر سینئر سردار کھڑا ہوا آپ کو باہر بلا رہا ہے۔

اسکو کہو' اندر آ جائے۔

اللہ یار خان چلا گیا اور پھر فوراً ہی واپس آ کر کہنے لگا کہ وہ کہتے ہیں کہ باہر آ کر ایک منٹ کے لئے میری بات سن لیں۔

اس کے پاؤں سے مہندی تو نہیں اتر جائے گی۔ اسے کہہ دو میں باہر نہیں آ سکتا۔ مجھے لباس تبدیل کرنا پڑے گا۔ وہ یہ باتیں سن رہا تھا۔ بے شرمی کے انداز میں ہنستا ہوا ٹینٹ کے اندر آگیا۔ میں نے اٹھ کر اس کی پذیرائی کی۔ پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

صاحب آپ کو میجر افضل صاحب بلا رہے ہیں۔

مجھے چیف سگنل آفیسر ڈیوٹی سے ریلیو (Releive) کر گیا ہے۔ اب وہی مجھے آرڈر دے گا تو تب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں۔

ہمدانی صاحب چھوڑیں اس قصے کو۔ میجر صاحب اچھے آدمی ہیں۔ آپ پیچ اپ (Patch-up) کر لیں۔

نہیں صاحب میں نہیں آ سکتا۔ آپ اس کو بے شک جا کر بتا دیں۔

سینئر سردار واپس چلا گیا۔ دو منٹ کے بعد وہ میجر افضل کو ساتھ لے کر پھر میرے ٹینٹ میں آ گیا۔ میجر افضل مجھ سے کہنے لگے صاحب آپ کو پتہ ہے کہ میں اس یونٹ میں تین چار روز پہلے ہی آیا ہوں۔ آتے ہی یہ مصیبت میرے گلے پڑ گئی ہے۔ اب مجھے کور ہیڈ کواٹر سے A.Q. کا ٹیلی فون آیا ہے کہ میں آپ کو لے کر کور ہیڈ کواٹر میں فوراً رپورٹ کروں۔ چونکہ کور کمانڈر صاحب آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

سر' مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کے ساتھ نہیں آ سکتا۔ چیف صاحب مجھے ریلیو (Relieve) کر گئے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ میں اب اریسٹ (arrest) ہوں۔ انہی کو کہیں کہ مجھ سے آ کر بات کریں یا کور کمانڈر کا A.Q. میرے ساتھ آ کر بات کرے۔

چھوڑیں صاحب۔ معمولی سی بات کو آپ اتنا نہ بڑھائیں۔

نہیں صاحب' ساری (Sorry) میں نہیں آ سکتا۔

صاحب آپ کا نقصان ہو جائے گا۔

میجر صاحب اس معاملے کے جملہ پہلوؤں پر میں نے غور کر لیا ہے۔ مجھے افسوس ہے میں نہیں آ سکتا۔

میجر افضل نے چیف سگنل آفیسر کو ٹیلی فون کر کے سب صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس نے میجر افضل کو بتایا کہ میں ابھی دو منٹ میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ آپ ہمدانی صاحب کو میرا پیغام دے دیں کہ آپ یونیفارم پہن کر تیار ہو جائیں۔ میں پانچ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ میجر افضل ذاتی طور پر مجھے یہ پیغام دینے کے لئے آیا۔ وہ مجھ سے مل کر جونہی واپس اپنے دفتر پہنچا چیف سگنل آفیسر اپنی جیپ پر وہاں آ گیا۔ بمشکل پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ دونوں میرے ٹینٹ کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ چیف کے آنے کی اطلاع مجھے میجر افضل نے دی۔ میں نے یونیفارم پہن لی تھی۔ ان کی باتوں کی آواز سنی تو ٹینٹ سے باہر آ گیا۔ چیف کو سیلوٹ کیا۔ اس نے بڑی خندہ پیشانی سے مجھ سے مصافحہ کیا۔

کیا حال ہے صاحب۔

ٹھیک ہوں سر۔

اب کچھ آپ کا غصہ کم ہوا ہے۔

سر میرا غصہ کیا معنی رکھتا ہے۔ میں گندی نالی میں رینگنے والا ایک حقیر کیڑا ہوں۔ آپ کا یا میجر صاحب کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔ الٹا اپنا ہی نقصان کروں گا۔ اس نے آگے بڑھ کر میری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بڑے ہی نرم لہجے میں مجھ سے کہا۔

صاحب جو جو باتیں آپ کے اور میرے درمیان صبح ہوئی ہیں۔ مجھے افسوس ہے وہ نہیں ہونی چاہئے تھیں۔ آپ میرے آج سے نہیں دس بارہ سال پہلے کے دوست ہیں۔ عدم صاحب نیک بخت کی وجہ سے یہ سب تلخی پیدا ہوئی ہے۔ آپ گزری باتوں کو دل میں جگہ نہ دیں۔

میں حیران و پریشان کھڑا اس کی یہ باتیں سن رہا تھا۔ سوچنے لگا یہ یکایک حالات نے کیوں کر پلٹا کھایا ہے' یا تو یہ صاحب مجھے گھر بھیجنے کی تیاریوں میں مصروف تھے یا اب بڑی میٹھی میٹھی پیار و محبت کی باتیں مجھ سے کرنے لگ گئے ہیں۔

وہ دونوں صاحبان میرے پاس اب وہاں ہی کھڑے تھے کہ میرے دفتر کا ایک کلرک دوڑتا ہوا آیا اور اس نے میجر افضل کو آ کر بتایا کہ .A.Q صاحب ٹیلی فون پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ دونوں مجھے ساتھ لے کر دفتر کی طرف چلے گئے۔ جاتے ہی چیف نے .A.Q سے ٹیلی فون پر بات کی اور پھر ٹیلی فون بند کر دیا۔ جیپ ڈرائیور کو گاڑی لانے کا اس نے اشارہ کیا۔ گاڑی آ گئی تو میجر افضل کو اور مجھے اس میں بیٹھنے کے لئے کہا۔

سر میں بھی چلوں' میں نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

ہاں صاحب' کور کمانڈر صاحب آپ کو ملنا چاہتے ہیں۔ ہم تو ویسے آپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔

سر' مجھے اپنی حیثیت پتہ ہے۔ آپ مجھے اصل بات بتا دیتے تاکہ میں بھی ذہنی طور پر تیار ہو جاتا۔

کوئی خاص بات نہیں' گھبرائیے نہیں۔ بیٹھئے گاڑی میں۔

میں اور میجر افضل جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ چیف فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی۔ کور ہیڈ کواٹر ہماری یونٹ سے زیادہ سے زیادہ دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔ گاڑی دو منٹ میں وہاں پہنچ گئی۔ ہم سب وہاں جا کر گاڑی سے اتر گئے۔ چیف ہم دونوں کو لے کر A.Q. کے دفتر میں چلے گئے۔ A.Q ایک فل کرنل تھا۔ اٹھ کر بڑے تپاک سے چیف کو ملا۔ میجر افضل نے سیلوٹ کیا تو اس نے اس سے بھی مصافحہ کیا۔ میں نے بھی سیلوٹ کیا۔ لیکن میں کسی شمار و قطار میں نہ تھا۔ اس نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ میں نے عدم صاحب کو وہاں اپنے مخصوص انداز میں سگریٹ پیتے ہوئے بیٹھا دیکھا۔ ان کو دیکھ کر میری سمجھ میں بات آ گئی تھی۔ عدم صاحب چپ چاپ بیٹھے سگریٹ پیتے رہے۔ ہم میں سے کسی کے ساتھ بھی انہوں نے کوئی بات نہ کی۔

کرنل نے میرے ساتھ آئے ہوئے دونوں آفیسرز کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کرنل کو میرا یوں بے باکی سے بیٹھنا پسند نہ آیا۔ اس نے مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور پھر اٹھ کر جنرل صاحب کے پاس چلا گیا۔ جب چیف اور میجر افضل نے عدم صاحب کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان دونوں کا رنگ فق ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں کرنل نے واپس آ کر ہم سب کو اندر جنرل صاحب کے پاس چلنے کے لئے کہا۔ چیف میجر افضل اور عدم صاحب چل پڑے تو کرنل نے مجھے بھی کہا۔ "صاحب آپ بھی اندر جائیں" چنانچہ ہم چاروں درواز کھول کر اندر چلے گئے۔ عدم صاحب نے اندر جاتے ہی جنرل صاحب کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ جبکہ ہم تینوں نے فوجی انداز میں ان کو سیلوٹ کیا۔ جنرل صاحب اٹھ کر عدم صاحب کو ملے اور ان کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد جنرل صاحب نے ہم تینوں کو بھی بیٹھنے کے لئے کہا۔

جب سب بیٹھ گئے تو جنرل صاحب نے عدم صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

عدم صاحب آج صبح جب آپ ہمدانی صاحب کو ملنے کے لئے آئے۔ اس کے بعد آپ کے اور چیف صاحب اور میجر افضل کے درمیان جتنی ناخوشگوار اور تلخ باتیں ہوئی ہیں آپ پوری تفصیل سے وہ باتیں میرے سامنے بیان کریں۔

عدم صاحب نے مکمل تفصیل سے سب باتیں جنرل صاحب کے سامنے بیان کیں۔ جوں جوں عدم صاحب ان کی کہی ہوئی باتوں کو ایک ماہر داستان گو کی طرح ایک تسلسل کے ساتھ بیان کرتے جا رہے تھے ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا۔ جب عدم صاحب اپنے بیانات ختم کر چکے تو جنرل صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

صاحب عدم صاحب کے بیانات آپ نے سنے ہیں۔ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔

سر، عدم صاحب نے حرف بحرف وہی باتیں دہرائی ہیں جو چیف صاحب نے اور میجر افضل نے ان کے ساتھ کی ہیں۔

انہوں نے عدم صاحب کی اور آپ کی بے عزتی کی ہے۔

جی سر، عدم صاحب کو یونٹ سے نکال دینے کے بعد مجھے چیف صاحب نے دفتر سے ریلیو کر کے اریسٹ (arrest) کر دیا اور اپنے ٹینٹ میں رہنے کے لئے کہا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ اپنے ٹینٹ سے باہر کہیں آ جا نہیں سکتے۔

اب آپ کو یہ ٹینٹ سے لے کر آئے ہیں۔

جی سر۔

عدم صاحب کے ساتھ آپ کا کیا تعلق ہے۔

جناب عالی! میں ان کا نیاز مند ہوں۔

کیوں عدم صاحب یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ جنرل صاحب نے ان سے پوچھا۔

حضور! خلش صاحب کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ یہ میرے جگری دوست ہیں۔

اب آپ دونوں بتائیں۔ عدم صاحب اور ہمدانی صاحب کی ایلیگیشن (Allegation) درست ہیں۔

سر ہم نے جو کچھ کیا اپنے اس جے۔ سی۔ او کی بہتری میں اور گڈ فیتھ (Good Faith) میں کیا۔

آپ دونوں ان صاحبان سے معافی مانگیں۔ ورنہ میں آپ کے خلاف ڈسپلنری ایکشن لوں گا۔

ان دونوں صاحبان نے عدم صاحب سے اور مجھ جیسے ایک کمتر آدمی سے معافی مانگی۔ اور اس طرح وہ اکڑی ہوئی گردنیں خم ہوئیں اور یوں یہ قضیہ طے ہوا۔ پھر چیف اور میجر افضل کو مجھ میں کوئی خامی نظر نہ آئی۔ A.Q. نے ان کو میرے سامنے بتا دیا تھا کہ اب سے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہمارے جنرل صاحب کو جنرل ہیڈ کوارٹر سے چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل ناصر علی خان صاحب کا ٹیلی فون آیا تھا۔ عدم صاحب ان کے بڑے عزیز دوست ہیں۔ انہوں نے جنرل

صاحب کو پنڈی فون کر کے ان سب باتوں سے آگاہ کیا تھا چنانچہ انہوں نے ہمارے جنرل صاحب سے استدعا کی کہ ان دونوں افسروں کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

جنرل صاحب نے ان کو بڑی سختی سے یہ بات کہی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ اب آپ دونوں اس رنجش کے باعث اس جے۔ سی۔ او کو تنگ کریں یا اس کا نوکری کرنا مشکل بنا دیں۔ آپ سب لوگ آپس میں ہاتھ ملائیں اور آئندہ کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ بے چارہ جے۔ سی۔ او تمہارے انتقام کا نشانہ بن جائے۔

نہیں سر' ایسا نہیں ہو گا۔ ان دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

صاحب اگر آپ کو ان دونوں صاحبان کی طرف سے کبھی کوئی بے جا تکلیف پہنچے تو آپ سیدھے میرے پاس آ کر مجھے بتائیں۔

بہت اچھا سر' آپ کی بڑی مہربانی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو گا۔

اس کے بعد جنرل صاحب نے ہم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کرنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد جنرل صاحب نے ہم سب کو چائے پلائی اور پھر ہم ان کے دفتر سے باہر آ گئے۔ وہ دونوں آ کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ میں عدم صاحب کے ساتھ آ رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ دونوں چلے جائیں تو ہم پیدل چلتے ہوئے آ جائیں گے۔ لیکن وہ دونوں ہمارا انتظار کرتے رہے۔ جب ہم دونوں ان کے قریب آ گئے تو وہ کہنے لگے۔

صاحب آپ دونوں بھی جیپ میں بیٹھ جائیں۔

شکریہ چیف صاحب' میں تو اپنے دفتر جاؤں گا۔ البتہ آپ نلش صاحب کو ساتھ لیتے جائیں۔

نہیں شاہ صاحب۔ آپ پہلے تو چلئے ہمارے ساتھ۔ پھر میرا ڈرائیور آپ کو دفتر جا کر چھوڑ آئے گا۔

نہیں صاحب آپ کا شکریہ۔ مجھے دفتر جلدی جانا ہے۔

چیف نے نیچے اتر کر عدم صاحب کو بازو سے پکڑ کر جیپ میں لا بٹھایا۔ ڈرائیور نے جیپ میجر افضل کے دفتر کے سامنے لا کھڑی کی۔ چیف عدم صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے دفتر کے مینٹ کے اندر چلے گئے۔ میں اپنے دفتر میں آ گیا۔ ابھی اپنی سیٹ پر بیٹھا بھی نہ تھا کہ چیف اٹھ کر میرے پاس آ کر کہنے لگا۔

صاحب آپ بھی تو ادھر آیئے۔ بیٹھتے ہیں چائے پیتے ہیں۔

سر بہت شکریہ آپ کا۔ چائے ابھی آپ کے ساتھ ہی پی ہے۔

نہیں میاں چلو۔ ورنہ عدم صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ کیوں ہماری نوکری خراب کرتے ہو۔

میں اٹھ کر ٹوپی پہننے لگا تو وہ مجھ سے کہنے گے۔ ارے بھئی چھوڑو ٹوپی کو۔ اور وہ مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ میجر افضل کے دفتر میں لے گئے۔

عدم صاحب اور میجر افضل ہماری پذیرائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چیف میجر افضل سے کہنے لگے۔

بھئی افضل۔ مزیدار سی چائے منگواؤ اور ساتھ گرم گرم سموسے بھی ہوں۔

بہتر سر۔۔۔ انہوں نے آفس اردلی کو بھیجا اور وہ کینٹین سے تھوڑی ہی دیر میں یہ چیزیں لے کر آ گیا۔ اور سب لوگ مزے مزے سے چائے اور گرم گرم سموسے کھانے میں مشغول ہو گئے۔

○

جب چیف اور میجر افضل مجھے جیپ میں بٹھا کر کور ہیڈ کوارٹر لے جا رہے تھے تو سینئر سردار اور میرے مخالفین کا گروپ بڑا خوش دکھائی دیتا تھا۔ اب جب انہوں نے یہ موجودہ صورت حال دیکھی تو ان کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔ سب کا خیال تھا کہ آج مجھے نوکری سے نکالے جانے کا فیصلہ ہو جائے گا اور میری چودہ سال کی سروس ضائع ہو جائے گی اور میں ناکام و نامراد اپنے گاؤں کو واپس بھیج دیا جاؤں گا۔ موجودہ صورت حال کو دیکھ کر ان سب کو بے حد پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا۔

چائے پینے کے بعد چیف بڑی دیر تک میجر افضل اور عدم صاحب کو میرے ساتھ اپنی پرانی آشنائی کے قصے سناتے رہے۔ آخر کار لنچ ٹائم پر یہ محفل ختم ہوئی۔ چیف نے عدم صاحب کو لنچ کے لئے ساتھ لے جانا چاہا۔

نہیں سر بہت شکریہ آپ کا۔ اب میں لنچ نلش صاحب کے ساتھ کروں گا۔

جناب میں دو آدمیوں کا کھانا آفیسرز میس سے آپ کو یہاں ہی بھجوا دیتا ہوں۔ آج آپ دونوں میرے مہمان ہیں۔

نہیں۔ حضور بہت شکریہ آپ کا۔

نلش صاحب کے میس میں دال بڑی عمدہ پکتی ہے۔ میں نے اتنی اچھی دال کبھی نہیں کھائی۔ مجھے کہاں پتہ تھی یہ بات۔ ایک دن جناب احسان دانش صاحب پنڈی اپنے کسی کام سے

آئے۔ میرے دفتر میں مجھ سے ملنے چلے آئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو میں نے ان کو کہا کہ چلئے میں آپکو فلیش مین میں لنچ کروا دوں۔ مجھ سے کہنے لگے۔

ارے میاں چھوڑو فلش مین کو۔ تانگے میں بیٹھ کر چلتے ہیں خلش ہمدانی کے پاس وہاں جا کر فوجی لنگر کی دال کھائیں گے۔ میں حالانکہ ڈیفنس فورسز سے متعلق ہوں لیکن میں نے آج تک کبھی فوجی لنگر کی دال نہیں کھائی تھی۔ میں نے ان سے کہا۔

حضور آپ چھوڑیئے فوجی لنگر کی دال کو۔ وہاں لنچ کریں گے۔ آپ کو فرائیڈ چکن کھلاؤں گا۔

ارے بھائی تم آؤ فرائیڈ چکن کو بھول جاؤ گے۔

چنانچہ میں اور دانش صاحب خلش صاحب کی یونٹ میں جا پہنچے۔ چونکہ کھانے کا وقت تھا۔ اس لئے دانش صاحب نے ان سے کہا۔ یہاں ہم دونوں تمہارے لنگر کی دال کھانے آئے ہیں۔

حضور ابھی آ جاتی ہے دال۔ آپ تشریف رکھئے۔

انہوں نے اپنے اردلی کو بلا کر کہا کہ تین آدمیوں کا کھانا سپاہیوں کے لنگر سے لے کر آؤ اور انہوں نے اس اردلی کو تین روپے دیئے کہ یہ وہاں پے منٹ کر دینا۔ اتنی مزیدار ماش کی دال اور گرم گرم تنوری روٹیاں۔ بڑا مزا آیا کھانے میں چنانچہ اب بھی جب کبھی مجھے ان کے ہاں کھانا پڑ جائے تو لنگر سے منگوا کر کھاتے ہیں۔ آپ کی مہربانی۔ یہ جو ناخوشگوار واقعہ ہوا ہے اور اس کے لئے آپ حضرات کو جو کوفت ہوئی ہے۔ میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ وہ ان دونوں صاحبان سے باری باری گلے ملے اور پھر مجھے پکڑ کر میرے ٹینٹ میں لے آئے۔ انہوں نے خود ہی میرے اردلی اللہ یار خان کو لنگر سے گرم گرم تنوری روٹیاں اور دال لانے کے لئے بھیجا۔

عدم صاحب کا نہ جانے کیا کمپلیکس تھا کہ وہ ٹینٹ کے اندر نہ آتے تھے۔ کہتے تھے۔

"میاں میں جیتے جی قبر میں نہیں اتر سکتا"

فیلڈ ایریا میں ہم لوگ جو ٹینٹ لگاتے ہیں اس کے لئے تقریباً تین چار فٹ زمین گہری کھود کر اس گڑھے پر ٹینٹ لگاتے ہیں۔ کھودنے سے ٹینٹ کے اندر سہولت زیادہ میسر آتی ہے۔ اور جگہ بھی زیادہ مہیا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ یار خان نے ٹینٹ سے باہر میز کرسیاں لگائیں اور ہم دونوں نے مل کر دوپہر کا کھانا وہاں اکٹھا کھایا۔

اسی دوران میں میرے پوچھنے پر انہوں نے مجھے بتایا کہ صبح جب یہ واقعہ ہوا اور چیف نے میری بے عزتی کر کے مجھے یونٹ سے نکال دیا تو میں نے دفتر میں جا کر پنڈی اپنے دوست جنرل ناصر علی خان کو ٹیلی فون کیا اور سب صورت حال سے ان کو آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ

کسی قسم کا کوئی فکر نہ کرو میں ابھی کور کمانڈر کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔ وہ ان دونو کو بلا کر سمجھا دے گا۔ چنانچہ آپ کے کور ہیڈ کوانز میں آنے سے پہلے کور والوں نے مجھے بھی اسی انکوائری کے لئے ٹیلی فون کر کے بلوایا تھا۔ میرا خیال ہے اب یہ سب لوگ تمہارے ساتھ اچھی طرح ڈیل (Deal) کریں گے۔

اچھی طرح نہ بھی کریں گے تو میرا کیا کریں گے۔

بے وقوفی کی باتیں نہیں کرتے۔ جب تک نوکری کرنی ہے۔ سینئر افسروں سے بگاڑ نہ پیدا کیا کریں۔

عدم صاحب۔ میجر ظہور الحق ملک بھی تھے۔ کبھی انہوں نے میری شکایت کی۔

حضور سب لوگ میجر ظہور الحق ملک تو نہیں ہیں۔ وہ بڑے اچھے خاندان کے فرد تھے اور پھر میرے گرائیں تھے۔

آپ بھی گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں میں نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

جی ہاں۔ گوجرانوالہ میں ایک گاؤں ہے تلونڈی موسیٰ خان' میرے آباؤ اجداد وہاں کے رہنے والے ہیں۔

آپ وہاں نہیں رہتے۔

نہیں میں چھوٹا تھا کہ میرے والد صاحب لاہور شفٹ ہو کر آ گئے تھے۔ میں نے اپنی تعلیم وہاں ہی مکمل کی۔

کہاں تک آپ پڑھے تھے۔

میں نے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد ملٹری اکاؤنٹس میں سروس جائین کر لی۔

شاعری آپ نے کب شروع کی۔

میٹرک کے زمانے سے شعر کہہ رہا ہوں۔

شروع میں آپ نے کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔

جی! تھوڑا عرصہ میں نے اختر شیرانی صاحب کو اپنا کلام دکھایا۔

میں نے سنا ہے آپ بھی اس وقت اختر تخلص کرتے تھے۔

جی ہاں تھوڑے عرصے تک اختر بھی تخلص کیا ہے۔ لیکن پھر جلد ہی بدل کر میں نے عدم تخلص رکھ لیا۔

آپ نے اختر شیرانی صاحب کے بعد کسی کو اپنا کلام نہیں دکھایا۔

اختر صاحب کے کہنے پر کچھ عرصے کے لئے علامہ تاجور نجیب آبادی کو اپنا کلام دکھاتا رہا ہوں۔

پنجاب میں علامہ صاحب کے شاگرد بہت ہوئے ہیں۔ چند مشہور نام بتایئے۔

مجھ سے پہلے اختر شیرانی صاحب تھے۔ میرے بعد جن نامور شعرا نے اپنے ابتدائی ایام میں علامہ صاحب سے مشورہ سخن کیا ہے۔ ان میں ن۔ م۔ راشد' احمد ندیم قاسمی' مرزا ادیب ادا بدایونی اور کنیز فاطمہ حیا صاحبہ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

سنا تھا کہ جنگ عظیم دوم میں جب آپ ہندوستانی افواج کے ساتھ سمندر پار گئے تھے تو آپ عراق سے وہاں کی ایک خاتون کے ساتھ شادی کر کے اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

جی ہاں۔ یہ صحیح ہے' لیکن وہ محترمہ اپنے آپ کو یہاں کے ماحول میں ایڈ جسٹ نہیں کر سکیں اور پھر واپس چلی گئیں۔

سنا تھا آپ کے استاد محترم علامہ تاجور صاحب نے آپ کا دیوان چھاپنے کے چکر میں آپ سے آپ کی بیگم کا زیور فروخت کروایا۔ کتاب تو چھپ گئی۔ لیکن علامہ صاحب نے منافع کی ادائیگی تو کجا' اصل رقم بھی آپ کو واپس نہ کی۔

چھوڑیئے خلش صاحب اس قصے کو۔ ان کی کوئی مجبوری ہو گی۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ میجر افضل کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ عدم صاحب اٹھ کھڑے ہوئے کیوں حضور' تشریف رکھئے۔ ابھی چائے آ رہی ہے۔

نہیں یار خلش۔ وہ تمہارا میجر آ رہا ہے۔ خواہ مخواہ ڈسٹرب کرے گا۔ یہ کہتے ہوئے وہ سڑک کی طرف چل دیئے۔

میجر افضل نے انہیں اٹھتا ہوا دیکھا تو جلدی جلدی چلتا ہوا آ پہنچا اور ان کو روک کر کہنے لگا۔

شاہ صاحب۔ میں تو آپ کے پاس آ رہا تھا۔

میجر صاحب۔ دفتر میں کام ویسے ہی پڑا ہو گا۔ ذرا جا کر اسے دیکھوں۔

عدم صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے ان سے کھڑے کھڑے باتیں کیں اور پھر اپنے دفتر کی طرف چلے گئے۔

○

جہلم میں میرے ایک عزیز کنگ جارج ملٹری کالج (سرائے عالمگیر) میں پڑھتے تھے۔ میں ہفتے دس دن کے بعد شام کو ان کو دیکھنے کے لئے سرائے عالمگیر جاتا تھا۔ جہلم اور سرائے عالمگیر کے

درمیان دریائے جہلم بہتا ہے۔ مشرقی کنارے پر سرائے عالمگیر ہے جب کہ مغربی کنارے پر لب دریا جہلم شہر واقع ہے۔ دونو کے درمیان ریلوے کا ایک پل رابطے کا کام دیتا ہے۔ جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اس زمانے میں یہی پل رابطے کا واحد ذریعہ تھا۔

ایک دن میں سائیکل پر سرائے عالمگیر کی طرف جا رہا تھا۔ جب پل کے درمیان میں پہنچا تو سامنے سے تین خواتین کالے برقعہ اوڑھے جہلم کی طرف آتی ہوئی دیکھائی دیں۔ وہ جب میرے قریب آئیں تو سڑک کی دوسری جانب آ گئیں اور ان میں سے ایک نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا میں رک گیا۔ تو وہ تینوں برقعے کا نقاب اٹھا کر میرے سائیکل کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے سائیکل کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ تینوں بہت خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ میں حیران و پریشان انکے سامنے کھڑا یہ سوچ جا رہا تھا کہ نہ جانے انہوں نے مجھے کیوں روکا ہے ان میں سے ایک لڑکی نے میرے قریب آتے ہوئے مجھ سے کہا۔

کپتان صاحب۔ آپ ہم تینوں کو جانتے ہیں۔

نہیں محترمہ میں تو آپ کو نہیں جانتا۔

آپ اگلے دن سیٹھ احسان کی فیکٹری میں رات کے کھانے پر آئے تھے ناں۔

جی ہاں آیا تھا ---- میں نے اس حوالے سے جب ان کو غور سے دیکھا تو چہرے شناسا نظر آئے۔

وہ لڑکی رونے لگ گئی۔

میں حیران و پریشان کہ آخر معاملہ کیا ہے ---- کیوں بی بی آپ روتی کیوں ہیں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے۔

نہیں آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ آپ کے ساتھیوں سے شکایت ہے۔

بی بی۔ میرے ساتھی تو عدم صاحب تھے۔ ان سے کوئی شکایت ہو تو بتایئے۔

آپ شاہ صاحب کی بات کر رہے ہیں۔

جی ہاں' شاہ صاحب کی۔

کپتان صاحب وہ تو بڑے بھلے مانس ہیں۔ وہ عورتوں کی بے حرمتی نہیں کرتے۔

آپ ان کو جانتی ہیں۔

جی ہاں۔ ہم سب باری باری ان کے پاس آ چکی ہیں۔ وہ عورت سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کو زلفیں بکھرا کر شراب پلائے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

انہوں نے کبھی آپ میں سے کسی کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی۔

جی نہیں۔ وہ عورتوں کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ شراب کو عورت پر ترجیح دیتے ہیں۔

تو پھر آپ کی بے حرمتی کس نے کی۔

وہ بڑی مونچھوں والا۔ جس نے لال رنگ کا بلیزر کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس نے۔

لیکن بی بی جی۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھ سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جو آپ نے مجھے پکڑ لیا ہے۔

آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ آپ فوج کے کپتان ہیں۔ اتنے بڑے افسر ہیں۔ آپ ہماری داد رسی کریں۔

محترمہ یہ لوگ میرے دائرہ اختیار میں تو نہیں ہیں۔

آپ پولیس کو کہہ کر اسے گرفتار کروا سکتے ہیں۔

بی بی آپ خود پولیس کے پاس چلی جائیں۔

جناب ہمارے کہنے پر وہ کوئی کارروائی بھی نہ کریں گے۔ الٹا ہم تینوں کو کئی روز تک اپنے پاس رکھ کر اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہیں گے۔

بی بی۔ میں کس حیثیت سے رپورٹ درج کروا سکتا ہوں۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ اپنے کسی وارث مرد کو ساتھ لا کر رپٹ درج کروا دیں۔

توبہ۔ توبہ۔ ایسا بھلا کیسے کر سکتی ہیں۔ ہم گھر والوں سے تو چوری چھپے یہ کام کرتی ہیں۔

رات رات بھر گھروں سے غائب رہتی ہو۔ پھر چوری چھپے کیسے ہوا۔

اگر آپ نہیں کر سکتے تو پھر ہم شاہ جی کے پاس چلی جاتی ہیں۔

وہ بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

کیوں نہیں کر سکتے۔ اتنے بڑے افسر ہیں۔ پولیس کپتان تو ان کی مٹھی میں ہے۔

تو ٹھیک ہے ان سے جا کر کہو۔

وہ جہلم شہر کی طرف چلی گئیں۔ میں کالج احمد خان کے پاس چلا گیا۔ اس کی خیریت دریافت کی اور پھر واپس اپنے کیمپ آ گیا۔ اچھا ہوا کہ میں بروقت آ گیا ---- عدم صاحب ابھی ابھی پہنچے تھے اور اللہ یار خان سے میرے متعلق پوچھ رہے تھے۔ میری بروقت واپسی پر بہت خوش ہوئے۔ مجھے کپڑے بھی نہ بدلنے دیئے ویسے ہی ساتھ لے کر اڈے پر چلے گئے۔ ہم وہاں پہنچے تو کمرہ کھلا تھا۔ اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ ہم سمجھے کہ آج کچھ دوست ہم سے پہلے آ گئے ہیں۔ عدم صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ عدم صاحب ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں اندر تین برقعہ پوش خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے کہنے لگے۔

خلش صاحب ذرا ان سے پوچھیں۔ یہ کون ہیں۔ یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں۔

عدم صاحب نے ابھی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ وہ تینوں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے اپنے چہروں سے نقاب الٹ دیئے۔ یہ تو وہی تینوں خواتین تھیں جو تھوڑی دیر پہلے مجھے ملی تھیں۔ میں ان سے بات کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ان میں سے ایک نے کہا۔ کپتان صاحب آپ پیچھے ہو جائیں۔ آپ کو تو عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔ ہم شاہ صاحب سے خود بات کریں گی۔

عدم صاحب نے آگے بڑھ کر ایک ایک کا نام لیا۔ ان کی خیریت دریافت کی۔ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ اور پھر ان کو بیٹھنے کو کہا۔ وہ تینوں صوفے پر بیٹھ گئیں تو عدم صاحب نے پوچھا۔

کیوں شاہدہ خیریت تو ہے۔ کیسے آئی ہو۔

شاہدہ نے پھر رونا شروع کر دیا اور وہ سب باتیں پوری تفصیل کے ساتھ اس کی ساتھی عورتوں نے عدم صاحب کو بتائیں۔ وہ بڑے غور اور ہمدردی سے سنتے رہے۔ اور بڑے رنجیدہ خاطر ہو کر بولے۔

محترمہ یہ تو بہت برا ہوا ہے۔ میں تو احسان صاحب کے سوا باقی ان آدمیوں کو جانتا بھی نہیں۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ میرا رقعہ لے کر ایس پی کے پاس چلی جاؤ۔ سب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔

بڑی مہربانی آپ کی۔

عدم صاحب نے مجھے قلم اور کاغذ لانے کے لئے کہا۔ میں راجہ اکرم صاحب کے دفتر سے کاغذ اور قلم لینے چلا گیا۔ جب ان کے دفتر میں داخل ہونے لگا تو راجہ صاحب نے مجھے آواز دی۔ اس وقت وہ ورکشاپ میں ایک کھلی ہوئی گاڑی کے پاس کھڑے مستریوں کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ میں پلٹ کر ان کے پاس چلا گیا۔

کپتان صاحب۔ دفتر سے کوئی چیز لینا ہے یا مجھے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔

عدم صاحب نے کاغذ اور قلم منگوایا ہے۔

کیوں۔ کاغذ اور قلم کو کیا کرتے ہیں۔

وہ لڑکیاں جو اندر بیٹھی ہوئی ہیں ان کو ایس پی صاحب کے لئے رقعہ لکھ کر دیتے ہیں۔

کس کام کے لئے رقعہ لکھ کر دینا ہے۔

اگلے دن ہم احسان کی فیکٹری میں رات کا کھانا کھانے گئے تھے۔ میرے اور عدم صاحب کے علاوہ تین مہمان اور بھی تھے۔ وہ لوگ ان لڑکیوں کو رات کے لئے کہیں سے ہائر (Hire) کر کے لائے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے ان لڑکیوں میں ایک کے ساتھ غیر فطری فعل کا ارتکاب کیا ہے۔

تو عدم صاحب اس سلسلے میں کیا کارروائی کریں گے۔

ان لڑکیوں کو رقعہ لکھ کر ایس۔ پی صاحب کے پاس بھیجیں گے۔ تم اور عدم دونوں بے وقوف آدمی ہو۔ ایس۔ پی۔ اس میں کیا کرے گا۔ آؤ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

میں اور راجہ صاحب جب اڈے والے کمرے کے اندر آئے تو ہم نے دیکھا کہ شاہدہ عدم ر صاحب کی گردن میں اپنے دونوں بازو حمائل کئے ان کی گود میں بیٹھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ان سے پیار و محبت کی باتیں کر رہی ہے۔ ہم دونوں کے وہاں آنے سے وہ قطعاً" ڈسٹرب نہ ہوئی۔ راجہ صاحب ایک لمحے کے لئے اسے پریشان کن نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر آگے بڑھ کر اس لڑکی کو بازو سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں عدم صاحب کی گود سے اٹھا لیا۔ اور بڑے غصے سے کہنے لگے۔

تم لوگوں نے یہاں کیا کنجر خانہ بنایا ہوا ہے۔

راجہ صاحب حضور! معصوم لڑکیاں ہیں۔ بے چاری پریشان حال ہیں۔ مجھ سے چھٹی لینے آئی ہیں۔ ابھی چلی جائیں گی۔

کس غرض کے لئے چھٹی لینے آئی ہیں۔

حضور۔ یہ شاہدہ ہے۔ کتنی بھولی اور معصوم لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ اگلے دن کسی آدمی نے برا سلوک کیا ہے۔

شاہ صاحب۔ پولیس والے جب تفتیش کریں گے تو اس قصے میں آپ کا اور کپتان صاحب کا نام بھی آئے گا۔ بڑی عزت ہوگی پھر آپ دونو کی۔

تو پھر آپ ہی بتائیں کیا کریں۔ یہ بے چاری کتنی امیدیں لے کر میرے پاس آئی ہے۔

مہربانی سے ان کو یہاں سے نکالیں۔ یہ بدنام لڑکیاں ہیں۔ ہم سب کو بدنام کریں گی۔

حضور راجہ صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ اس سے پہلے شاہدہ کئی دفعہ رات کو یہاں آپکی موجودگی میں آچکی ہے۔ اس وقت تو آپ نے کبھی کچھ نہیں کہا۔

شاہ صاحب رات کی بات دوسری ہے۔ اس وقت کون دیکھتا ہے۔ آج تو یہ دن دیہاڑے بغیر کسی روک ٹوک کے تینوں آکر بیٹھ گئیں۔

راجہ صاحب بے چاری ضرورت مند ہیں۔ انہیں اس وقت میری مدد کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے میں ان کے ساتھ ایس۔ پی کے پاس چلا جاتا ہوں۔

اگر آپ کو اپنی پتلون پولیس والوں کے ہاتھوں اتروانی ہے تو ضرور جائیے۔ اس لڑکے کو بھی ساتھ لے جائیے تاکہ اس کی فوجی ملازمت کا ننھا بھی ساتھ ہی ختم ہو اور یہ بھی کوکلوں کی دلالی کا مزا چکھ لے۔

راجہ صاحب نے اسی برہمی کی حالت میں ان لڑکیوں کو وہاں سے چلے جانے کے لئے کہا۔ وہ ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہیں۔ عدم صاحب کی جیب میں جس قدر نقدی تھی۔ باہر نکال کر ان تینوں میں برابر تقسیم کر دی۔ وہ لڑکیاں خوش وہ گئیں راجہ صاحب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

تم لوگوں کو گھر والے رات رات بھر کیلئے گھر سے غیر حاضر رہنے کی کس طرح اجازت دیتے ہیں۔

راجہ صاحب ہمارے گھریلو حالات ہی ایسے ہیں ورنہ کسی عورت کو کیا پڑی ہے کہ یوں اپنا جسم بیچتی پھرے۔

ہمارے اس خطہ زمین میں تو آدمی بھوک سے مر جاتے ہیں لیکن اپنی عورتوں کو گھر سے باہر قدم نہیں رکھنے دیتے۔

راجہ صاحب میں اپنے ماں باپ کی سب سے بڑی اولاد ہوں۔ میرے پانچ مجھ سے چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ تین سال پہلے باپ پر فالج کا حملہ ہوا اس وقت سے وہ چارپائی پر پڑا ہے۔ بہن بھائیوں کے لئے روٹی کپڑا چاہئے۔ باپ کے ئے دوا کے لئے پیسے چاہیں۔ ماں نمبردار کے گھر میں کام کرتی ہے۔ وہاں سے کچھ بچا کھچا کھانا اور پرانے کپڑے مل جاتے ہیں۔ مجھے تو اپنے چاروں طرف مایوسیوں کے اندھیرے دکھائی دیتے ہیں۔ شاہدہ کی آج سے سات سال پہلے اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ شادی کے چوتھے دن وہ واپس اپنی فوجی نوکری پر چلا گیا۔ جاتے ہی اسے برما کے محاذ جنگ پر بھیج دیا گیا اور پھر ایک مہینے کے بعد اس کی سرکاری طور پر اطلاع آگئی کہ وہ محاذ جنگ پر بہادری سے لڑتا ہوا کام آیا۔ میرے ساتھ نسیمہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کی شادی ہوئی۔ اس کے خاوند کو جوا کھیلنے کی بری عادت تھی۔ شادی کے ایک ماہ کے بعد اس نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ روز نسیمہ کو بری طرح زدو کوب کرتا اور اس طرح ڈرا دھمکا اس کا سارا زیور ہتھیا لیا اور اسے بیچ کر جوئے میں ہار دیا۔ پھر اسے مارنے پیٹنے لگا کہ جاؤ پیسے کما کر لاؤ۔ اس طرح یہ اس برے دھندے میں آ پہنچی۔ اب ہم تینوں کو اس جال سے باہر نکلنے کی کوئی تدبیر نہیں سجھائی دیتی۔

راجہ صاحب۔ عدم صاحب اور میں، ہم تینوں ان کے ان افسوسناک حالات سے واقف نہ تھے۔ یہ درد بھری داستانیں سن کر راجہ صاحب غمگین ہوگئے۔ عدم صاحب کی آنکھوں میں اندوہناک واقعات سن کر آنسو آگئے۔ ہم سب تھوڑی دیر تک یاس و حسرت کی تصویر بنے سر جھکائے اپنے غموں میں الجھے رہے۔ راجہ صاحب نے اس کیفیت سے کچھ چھٹکارا پایا تو ان لڑکیوں سے کہنے لگے۔

اب تو تم کو پیسے مل گئے ہیں۔ اب سیدھی گھر چلی جاو۔ میں تمہارے متعلق کچھ سوچتا ہوں کہ ہم لوگ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ وہ لڑکیاں جانے لگیں تو میں نے اور راجہ صاحب نے ان کی حسب استطاعت مدد کی اور پھر وہ وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہمارے دوست آنے شروع ہو گئے۔

راجہ صاحب کو اس بات کا علم تھا کہ آج عدم صاحب کی جیب خالی ہے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب ان کی جیب میں پیسے ہوتے وہ کسی دوسرے آدمی کا انتظار نہ کرتے۔ راجہ صاحب کے نوکر کو دارو کے لئے پیسے نکال کر دیتے اور وہ رام دین بازار سے بوتل اور بازار سے واپسی پر متعلقہ چیزیں لے آتا۔ چنانچہ جب سب ساتھی آگئے تو راجہ صاحب نے نوکر کو پیسے دیئے اور جلدی لوٹنے کی تاکید کی۔

وہ آدمی دیسی وسکی کی بوتل۔ کباب اور مالٹے وغیرہ لے کر جلد ہی پہنچ گیا۔ خان غلام محمد خان نے اس کے ہاتھ سے بوتل اور دوسری چیزیں اچک لیں۔ بوتل اپنے پاس رکھ لی اور دوسری چیزیں میرے حوالے کر دیں۔ اتنی دیر میں راجہ صاحب کا ملازم گلاس دھو کر لے آیا۔ اور ایک بڑا سا شیشے کا جگ پانی سے بھر کر میز پر لا کر رکھ دیا۔ خان صاحب نے بوتل کھول کر تھوڑی شراب اپنے سامنے پڑے ہوئے گلاسوں میں ڈالی اور پھر جگ سے ان میں پانی ڈالنے لگ گئے۔ عدم صاحب نے اپنے گلاس میں پانی کی آمیزش نہ کرنے دی۔ وہ ہمیشہ نیٹ (neat) ہی پیا کرتے تھے۔ دوستوں میں بیٹھ کر وہ ہمیشہ بڑے تحمل اور شرافت سے پیتے۔ شرابیوں کی طرح غل غپاڑہ یا بے صبری کا قطعاً اظہار نہ کرتے۔

○

محفل اپنے پورے جوبن پر تھی۔ سب دوستوں کے سامنے گلاسوں میں شراب پڑی ہوئی تھی۔ کہ پولیس کے دو کنسٹیبل اور ایک حوالدار ایک دم اندر آگئے۔ جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے ایک مکمل سکوت طاری رہا۔ پھر حوالدار نے راجہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

راجہ صاحب آپ کے ان دوستوں میں عدم صاحب اور کپتان صاحب کون ہیں

کیوں خیریت تو ہے۔

ان کو تھانے لے جانا ہے۔

کیوں کیا بات ہو گئی ہے۔ انہوں نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

جی نہیں۔ اعجاز صاحب ان دونوں صاحبان کو بلا رہے ہیں۔

اعجاز صاحب کو ان کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔

گشت پارٹی والے تین جوان سی مشتبہ عورتوں کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔ صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ اس وقت کہاں سے آرہی ہو۔ تو انہوں نے عدم صاحب کا اور کپتان صاحب کا نام لیا ہے۔

اعجاز صاحب سٹیشن ہاؤس آفیسر تھے۔ راجہ صاحب۔ عدم صاحب اور میرے ہم تینوں کے بڑے اچھے دوست تھے۔ راجہ صاحب نے حوالدار سے کہا اب آپ جائیں میں اعجاز صاحب کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کرتا ہوں۔

حوالدار اور اس کے ساتھی دونو سپاہی واپس چلے گئے۔ راجہ صاحب اپنے دفتر کی طرف ٹیلی فون کرنے کے لئے جانے لگے تو عدم صاحب ان سے کہنے لگے۔

راجہ صاحب۔ آپ اعجاز صاحب سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ بات بڑی صاف ہے۔ یہ وہ لڑکیاں ہونگی جو شام کو ادھر آئی تھیں۔ بے چاری مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہونگی۔ اب ان کو اس حالت میں تو نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔

تو پھر کیا کریں گے۔ راجہ صاحب نے پوچھا۔

میں اور خلش صاحب جاتے ہیں ابھی ان کی ضمانت دے کر ان کو نکلوا لیتے ہیں۔

حضور آپ جائیں۔ اس گندگی میں مجھے نہ گھسیٹئے۔ میں نے عدم صاحب سے کہا۔

پیارے خلش ہمدانی تم نے میرے ساتھ آنا ہے۔ اب میں جہاں جاونگا تمہیں بھی میرے ساتھ آنا ہوگا۔

نہیں شاہ صاحب یہ میرے پیشے کے منافی ہے۔

اچھا چلو تینوں چلتے ہیں۔ راجہ صاحب نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

نہیں راجہ صاحب میں نہیں چلونگا۔

راجہ صاحب کے سمجھانے بجھانے اور عدم صاحب کی منت سماجت کرنے پر میں بھی ان کے ساتھ پولیس سٹیشن جانے پر راضی ہو گیا۔ راجہ صاحب نے اپنے نوکر کو باہر نکل کر آواز دی۔ وہ آیا تو اسے تانگہ لانے کے لئے کہا۔

راجہ صاحب تانگے تو باہر تین چار کھڑے ہوئے ہیں۔

ہم تینوں اپنا لباس درست کرنے کے بعد باہر سڑک پر آگئے اور ایک تانگے میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں تانگہ پولیس سٹیشن پہنچ گیا اعجاز صاحب نے ہم تینوں کو اندر آتے ہوئے دیکھا تو اٹھ کر ہمارے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ ہم تینوں سے مصافحہ کیا جب بیٹھ گئے تو

راجہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے اعجاز صاحب نے کہا۔

راجہ صاحب آپ ان دونوں صاحبان کے ضمانتی ہیں۔

جی ہاں۔ آپ نے بلایا تو عدم صاحب تو فوراً" ہی آنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کپتان صاحب نہ آتے تھے۔

تو آپ کپتان صاحب کے ضامن ہیں یا عدم صاحب کے۔

جس کے آپ بنا لیں۔

جس کی آپ حاضر ضمانت دیتے ہیں اس کو ساتھ واپس لے جائیں۔

دوسرے صاحب میرے مہمان ہونگے۔

چائے آگئی۔ چائے سے فارغ ہوئے تو اعجاز صاحب نے حوالدار کو کہا۔ ایس۔پی صاحب نے جن لڑکیوں کو بند کرایا ہے۔ ان کو نکال کر لے آو۔

بہت بہتر جناب عالی! حوالدار ان تینوں لڑکیوں کو حوالات سے نکال کر لے آیا۔ وہ تینوں رو رہی تھیں۔ اعجاز صاحب نے ہماری موجودگی میں ان سے پوچھا۔ اب بات کرو۔ تم کو کس نے بلایا تھا۔ وہ رونی صورت بنائے خاموش کھڑی تھیں۔ ان کے پوچھنے پر ان کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکیں انہوں نے مجھے ٹیلی فون کیا۔ میں نے گارڈ بھیجی جو ان کو یہاں لے آئی۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ تینوں عدم صاحب (شاہ صاحب) اور کپتان صاحب کے پاس آئی تھیں اب فارغ ہو کر واپس جا رہی تھیں کہ دھرلی گئیں میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ ان کی باتوں کو کنفرم کر لوں۔

آپ کا کیا خیال ہے یہ لڑکیاں صحیح بات بتا رہی ہیں۔ آپ ہم سب لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ ہمارے گروپ میں کوئی بھی عورتوں کا شوقین نہیں ہے۔

راجہ صاحب مجھے پتہ ہے۔ کپتان صاحب تو عورتوں سے گھبراتے ہیں۔ البتہ عدم صاحب یہ ضرور چاہتے ہیں کہ کوئی حسینہ ان کو زلفیں بکھرا کر شراب پلائے۔

اور پھر اعجاز صاحب تین عورتیں تو کوئی تماش بینوں کا گروہ ہی اکٹھی بلا سکتا ہے۔ ہم لوگوں نے انہیں کیا کرنا ہے۔ ان دونوں نے شام کو ایک غلطی کی ہے اس کی سزا انہیں مل رہی ہے۔

کیا غلطی کی ہے۔

وہ تینوں لڑکیاں بغیر کسی کے بلانے کے سر شام ہی ہمارے اڈے پر شاہ صاحب سے ملنے کے لئے آئی تھیں۔ جب وہ آئیں اس وقت کپتان صاحب اور عدم صاحب دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ بیٹھک کھلی پڑی تھی وہ آکر بیٹھ گئیں۔ جب عدم صاحب اور کپتان -

صاحب آئے تو ان لڑکیوں نے اپنی پریشانی ان سے بیان کی۔ عدم صاحب بے چارہ سادہ اور بھلے مانس آدمی ہیں۔ ان کے پاس جتنے پیسے تھے۔ وہ انہوں نے نکال کر ان تینوں میں برابر برابر تقسیم کر دیئے اور پھر میرے کہنے پر یہ لڑکیاں وہاں سے چلی آئیں۔ اب یہ پریشان کن صورت حال سامنے آئی ہے۔

عدم صاحب بڑے اطمینان سے بیٹھے سگریٹ پئے جا رہے تھے۔ اور کبھی کبھی ان لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیتے۔ البتہ میں اس صورت حال سے خاصا پریشان تھا۔ میں نے دل میں سوچا کیوں نہ اپنے عزیز ڈی۔ایس۔پی صاحب کو ٹیلی فون کر کے ان سے امداد چاہوں اگرچہ اعجاز صاحب ہم تینوں کا گہرا دوست تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ بے چارہ بھی اب مجبور ہے۔ لڑکیوں کو ایس۔پی نے پکڑا ہے۔ اعجاز صاحب اس سارے قصے کو تو ہش اپ (hish up) تو نہیں کر سکتے۔

شاہ صاحب آپ ایس۔ پی صاحب سے خود بات کریں۔ میں نے ان سے ملتجیانہ اندازمیں کہا۔

وہ تو میں کر لوں گا۔ میں اس انتظار میں ہوں کہ تم لوگوں کے حواس ٹھکانے آئیں تو میں ان سے بات کروں۔

حضور ہمارے حواس ٹھکانے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ پولیس کو کچھ نہ کچھ تو کاروائی کرنا ہی پڑی گی۔

ہاں شاہ صاحب کپتان صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ ویسے ایک بات ہے اب ایس۔ پی صاحب کا ٹیلی فون پر ملنا مشکل ہے۔

عدم صاحب نے سگریٹ نیچے پھینک کر اسے پاؤں سے مسل دیا اور اٹھ کر اعجاز کی میز پر پڑا ہوا ٹیلی فون اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر وہ نمبر گھماتے رہے آخر کوئی آدمی دوسری طرف سے بولا۔ شاید عدم صاحب ایس۔پی کے اس ٹیلی فون اٹنڈنٹ کو جانتے تھے۔ چونکہ وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

ہاشم خان میں سید عبدالحمید عدم بول رہا ہوں۔ تمہارے صاحب کہاں ہیں۔

جنابؐ وہ اپنے کمرے میں ہیں۔

جاگ رہے ہیں یا سو گئے ہیں۔

ابھی دو منٹ پہلے انہوں نے لاہور ٹیلی فون کیا ہے۔ میں رنگ کر کے چیک کر لیتا ہوں۔

اگر وہ لائن پر آجائیں تو انہیں کہیں میرے ساتھ ٹیلی فون پر بات کریں۔

جی بہتر۔

عدم صاحب ہینڈ سیٹ کان کے ساتھ لگا کر اعجاز کی میز کے پاس کھڑے رہے۔ وہ لڑکیاں بدستور روئے جا رہی تھیں۔ میں اور راجہ صاحب پریشانی کے عالم میں خاموش بیٹھے صورت حال پر غور کر رہے تھے۔ البتہ عدم صاحب کافی مطمئن تھے۔ وہ کبھی کبھی میرے طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیتے۔ مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ میں جب اٹھ کر ان کے قریب گیا تو میرے کان کے ساتھ منہ لگا کر کہنے لگے۔

"بچو آج پھنسا ہے ناں۔ اب پتہ چلے گا" میں ہلکا سا زیر لب مسکرا دیا۔

ہیلو! کون چودہری صاحب بول رہے ہیں۔

جی ہاں۔

چودھری صاحب۔ میں عدم بول رہا ہوں۔

شاہ صاحب کنسٹیبل نے مجھے آپ کا بتایا ہے حکم فرمائیں۔ خیریت تو ہے۔

حضور آج رات کو دس بج کے لگ بھگ آپ نے تین لڑکیوں کو آوارہ گردی میں پکڑا ہے وہ اب سٹی تھانے میں بند ہیں۔

شاہ صاحب وہ تو جرائم پیشہ لڑکیاں ہیں۔ آپ ان سے بچیں۔ وہ تو آدمیوں کو لوٹ کر لے جاتی ہیں۔

حضور مجھ سے کیا لے جائیں گی۔ بے چاری کبھی کبھی ساقی گری کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ میں ان کی خدمت کر دیتا ہوں۔

شام کو آپ نے ان کو بلوایا تھا۔

حضور! میں نے ان کو نہیں بلوایا تھا۔ یہ تینوں شام کو مجھے ملیں۔ اپنا رونا رونے لگیں۔ میرے پاس جس قدر رقم تھی میں نے ان کو دے دی۔ پھر یہ چلی گئیں۔

تو اب کیا حکم ہے۔

سرکار بے چاری غریب گھرانے کی لڑکیاں ہیں۔ انہیں معاف کر دیں۔ میں ان کو سمجھا دونگا۔

شاہ صاحب قبلہ۔ آپ بادشاہ آدمی ہیں۔ یہ آپ سے چکنی چپڑی باتیں کریں گی اور آپ موم ہو جائیں گے۔

بس حضور اب جانے دیں۔ بے چاری زار و قطار روئے جا رہی ہیں۔

اچھا آپ کہتے ہیں تو انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن آپ انہیں وارن (warn) کر دیں۔ اگر پھر میں نے انہیں اس طرح آوارہ گردی کرتے ہوئے دیکھا لیا تو جیل پہنچا کر چھوڑوں گا۔

نہیں حضور اب ایسا نہیں کریں گی۔ آپ کا بہت شکریہ۔

اچھا آپ ٹیلی فون ایس۔ایچ۔او کو دیں۔

جی بہتر۔ اور عدم صاحب نے ٹیلی فون اعجاز صاحب کو دے دیا۔

اعجاز صاحب ۔ ان لڑکیوں کی کوئی کاروائی وغیرہ تو ابھی تک نہیں کی۔

نہیں سر۔ ابھی تک نہیں کی۔

ایسا کریں ان لڑکیوں کو سمجھا بجھا کر چھوڑ دیں۔ اور انہیں وارن (warn) کر دیں کہ آپ کو عدم صاحب کی ضمانت پر چھوڑا جا رہا ہے اگر دوبارہ ایسی حرکت کی تو تمہارے خلاف سخت کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔

اعجاز صاحب نے انہیں نیک چلنی پر اچھا خاصا لیکچر دیا اور پھر انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ پولیس کپتان صاحب کے پاس شاہ صاحب نے تمہاری نیک چلنی کی ضمانت دی ہے۔ اب اگر کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو بچ کر نہ جا سکو گی۔

ان لڑکیوں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے تائب ہونے کا پختہ ارادہ کیا۔

رات کو ساڑھے بارہ بجے کے لگ بھگ ہم تھانے سے فارغ ہوئے۔ راستے میں عدم صاحب نے ان لڑکیوں سے پوچھا۔

اب تم اپنے اپنے گھروں کو کیسے واپس جاؤ گی۔

شاہ صاحب! اب تو آدھی رات ہے۔ ہمارا گاؤں یہاں سے کافی دور ہے۔ اس وقت جانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔

تو پھر کہاں رات بسر کرو گی۔

راجہ صاحب کی اسی بیٹھک میں رات گزار لیں گی۔ ان کا اشارہ ہمارے اڈے کی طرف تھا۔

ہرگز نہیں۔ راجہ صاحب نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

راجہ صاحب۔ یہ بیچاری اس تاریک اور یخ بستہ رات میں کہاں جائیں گی۔ عدم صاحب نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

جہاں بھی جائیں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔

عدم صاحب کی منت سماجت کرنے پر راجہ صاحب اس بات پر راضی ہو گئے کہ یہ آج کی رات یہاں گزار لیں لیکن ایک شرط پر کہ آج کے بعد یہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں گی۔

حضور نہیں آئیں گی۔

ہم اپنے اڈے پر پہنچ گئے۔ ہمارے ساتھی جا چکے تھے۔ ورکشاپ کا چوکیدار انگیٹھی جلا کر مین گیٹ سے ملحقہ اپنی کوٹھڑی کے کھلے دروازے میں بیٹھا ہوا آگ تاپ رہا تھا۔ ہمیں آتے

ہوئے دیکھا تو اپنی لاٹھی سنبھالتے ہوئے ہمارے پاس آ گیا- عدم صاحب راجہ صاحب سے کہنے لگے-

راجہ صاحب اس ہنگامہ میں سارا موڈ ہی خراب ہو گیا ہے-

کیا کیا جا سکتا ہے-

آپ مجھے تیس روپے ادھار دیں- میں چوکیدار کو بھیج کر ٹھرے کی دو بوتلیں منگواتا ہوں-

پیسے لے لیں- ادھار کی کیا بات ہے- اور پھر راجہ صاحب نے تیس روپے جیب سے نکال کر عدم صاحب کو دے دیئے-

راجہ صاحب نے چوکیدار کو سٹور میں مہمانوں کے لئے پڑے ہوئے بستر لانے کے لئے کہا- صرف دو بستر تھے- چوکیدار نے صوفہ سیٹ پر لا کر وہ بستر رکھ دیئے- رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے- شراب کی دکان کے بند ہونے کا امکان تھا- عدم صاحب نے مجھے کہا کہ آپ میرے واپس آنے تک یہاں ہی رہیں- میں دارو لے کر آتا ہوں- تھوڑی ہی دیر میں عدم صاحب واپس آ گئے- شراب کی دکان بند پڑی تھی- وہ کہیں سے دو بوتلیں زنجی بیرس کی لے آئے- جانتے ہوئے بھی کہ یہ بہت مضر صحت ہے- یہ زہر ہی عدم صاحب پی لیا کرتے تھے- شراب کی نسبت اس میں الکوحل کی مقدار زیادہ ہوتی ہے- اس لئے ایک بوتل ہی کئی آدمیوں پر کافی ہو جاتی ہے- وہ آ گئے تو میں واپس اپنے کیمپ آنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا- وہ مجھ سے کہنے لگے-

حضور تھوڑی دیر تو بیٹھیں-

عدم صاحب میں نے صبح دفتر اپنے کام پر بھی جانا ہے-

ارے میاں چلے جاؤ گے- یہ لمحے پھر کب میسر آئیں گے-

عدم صاحب عورتوں کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے- میں حیران تھا- آج وہ ان کی کمپنی کو انجائے کر رہے تھے- مجھے تجسس ہوا- میں تھوڑی دیر کے لئے رک گیا- عدم صاحب کے کہنے پر ان لڑکیوں نے وہ بستر نیچے دری پر بچھا دیئے- عدم صاحب صوفہ سے اٹھ کر ایک بستر پر جا کر بیٹھ گئے اور رضائی لپیٹ لی- شاہدہ جو عدم صاحب سے زیادہ مانوس تھی- اٹھ کر عدم صاحب کے ساتھ رضائی میں آ کر بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ سے بوتل لے کر اس کا کاک کھول دیا- دوسری دو لڑکیاں دوسرے بستر میں رضائی لپیٹ کر بیٹھ گئیں- خالی گلاس پاس ہی ایک میز پر پڑے ہوئے تھے- شاہدہ نے وہ گلاس اٹھا کر ان میں نیٹ زنجی ایک ایک پیگ کی مقدار میں انڈیل دی- انہوں نے اٹھا کر پینی شروع کر دی- شاید وہ لڑکیاں زنجی بیرس سے واقف نہ تھیں چونکہ وہ اسے سپ کرتے ہوئے عجیب سا منہ بنا لیتیں اس کے باوجود وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پیتی رہیں-

زنجی میں چونکہ الکوحل کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور پھر ان سب نے پی بھی نیٹ- اس لئے وہ سب جلد ہی مختل الحواس ہو گئیں- پہلے تو شاہدہ اور نسمہ اٹھ کر گانے لگ گئیں- پھر تھوڑی دیر کے بعد کپڑے اتار کر رقص کرنا شروع کر دیا-

میں نے ان لڑکیوں کو یوں حالت برہنگی میں دیکھا تو میں ذہنی طور پر اپ سٹ ہو گیا- اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی عورت کو یوں برہنہ نہ دیکھا تھا- میں شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا- مجھ سے انسانیت کی یہ تذلیل برداشت نہ ہو سکی- میں اٹھ کھڑا ہوا- عدم صاحب کے پیہم اصرار کے باوجود میں وہاں مزید نہ ٹھہر سکا- اور جلدی جلدی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا- تازہ ہوا لگی تو کچھ فرحت محسوس کی- میں تقریباً دس منٹ کے بعد اپنے کیمپ میں پہنچ گیا- لباس تبدیل کر کے سونے لگا تو وقت دیکھا' رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا- میں جلدی ہی سو گیا-

○

کسی نے میرے ٹینٹ کے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھے آواز دی-

خلش صاحب- خلش صاحب-

کون ہے بھائی-

سر میں ڈیوٹی کلرک ہوں-

کیوں- حسن خیریت تو ہے-

سر' خیریت ہے- آپ کے لئے ایک بڑا ہی ارجنٹ ٹیلی فون آیا ہے-

کہاں سے-

شہر سے-

کیا وقت ہے اب-

سر' تین بجے ہیں-

آپ جائیں ان کو ہولڈ آن کرائیں- میں آتا ہوں-

راجہ صاحب کی ورکشاپ سے ان کے چوکیدار نے ٹیلی فون کیا تھا کہ عدم صاحب کمرے سے باہر نکلے ہیں اور گر پڑے ہیں- اب اس سردی میں وہاں ہی پڑے ہوئے ہیں- اٹھتے نہیں- جب کوئی آدمی ان کو اٹھنے کے لئے کہے تو صرف ایک ہی بات پوچھتے ہیں-

"خلش ہمدانی کہاں ہے-" جناب آپ جب تک نہ آئیں گے وہ اٹھیں گے نہیں- سخت سردی ہے' ٹھٹھر کر مر جائیں گے-

وہ لڑکیاں کہاں ہیں جن کو میں اور راجہ صاحب رات کو وہاں چھوڑ کر آئے تھے۔
جناب ان کے پاس اندر پولیس والے گھسے ہوئے ہیں۔
پولیس والے وہاں کیا کر رہے ہیں۔
حرام کاری کر رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔
تمہیں کیسے پتہ ہے۔
جناب میں نے دروازے کے سوراخ سے خود دیکھا ہے۔
پولیس والے کتنے آدمی ہیں۔
ایک حوالدار اور تین سپاہی ہیں۔
کتنی دیر سے وہ یہ حرام زدگی کر رہے ہیں۔
"تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے"۔
"اچھا تم عدم صاحب پر کوئی کمبل وغیرہ ڈال کر ان کے پاس رہو۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں"۔
"جی بہت اچھا!"

میں نے اپنے ساتھ یونٹ کے دو سپاہیوں کو لیا اور تقریباً دس منٹ کے بعد راجہ صاحب کی ورکشاپ میں پہنچ گئے۔ چوکیدار نے عدم صاحب پر اپنی رضائی ڈالی ہوئی تھی اور خود ان کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے جب اس کے ساتھ جا کر بات چیت کی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ کمرے کے اندر موجود آدمیوں کا اضطراب کچھ بڑھ گیا ہے۔ میں نے باہر والا دروازہ دھکیلا تو اسے اندر سے بند پایا۔ میں نے بڑے ہی تحکمانہ انداز میں اندر کے آدمیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"دروازہ کھولو"۔

تھوڑی دیر کے لئے اندر ایک پراسرار سناٹا چھا گیا۔ میں نے پھر زور سے درواز کھٹکھٹایا۔ "دروازہ کھولو" دوسری طرف کا دروازہ کھلنے کی مجھے آواز آئی۔ اور پھر وہ چاروں پولیس والے اپنی بندوقیں اٹھائے مین گیٹ سے باہر نکل آئے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کو روکنا چاہا۔ حوالدار مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔
"کپتان صاحب ہٹ جائیں ہماری راہ سے"۔

میرا خیال ہے وہ اپنی جنسی ناآسودگی کے کرب کی وجہ سے پریشان خیال تھا۔ میں نے اس سے الجھنا مناسب نہ سمجھا اور وہ چاروں شرمندگی کے عالم میں بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں وہاں عدم صاحب کے پاس ہی کھڑا رہا۔ اور چوکیدار کو کہا کہ وہ دوسری طرف سے آ کر یہ باہر والا دروازہ کھول دے۔ چوکیدار نے دروازہ کھولا تو میں یہ

دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ تینوں لڑکیاں ننگی نشاط انگیز لمحوں سے گزر کر آنکھیں بند کئے سکون کی آغوش میں لیٹی ہوئی ہیں۔ ان کا تلاطم خیز جنسی خلفشار ایک ابدی آسودگی سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے ان دو ساتھیوں کی مدد سے عدم صاحب کو اٹھا کر اندر صوفہ پر لا کر لٹا دیا۔ انہوں نے جب مجھے دیکھا تو ہلکا سا مسکرائے۔

عدم صاحب کیا حال ہے۔ میں نے ان کی مزاج پرسی کی۔

ٹھیک ہوں۔ آپ تو چلے گئے تھے۔

ہاں چلا گیا تھا۔ مجھے چوکیدار نے ٹیلی فون کیا اور مطلع کیا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس لئے پھر واپس آ گیا ہوں۔

باہر پیشاب کرنے کے لئے نکلا تھا۔ شاید گر گیا ہوں۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔ عدم صاحب نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

میں ان عورتوں کے پاس گیا۔ وہ ابھی تک ننگی پڑی ہوئی تھیں۔ ہوش و حواس ان کے ٹھیک تھے۔ شاید قوا مضمحل ہونے کے باعث انہیں اپنی برہنگی کا صحیح معنوں میں احساس نہ تھا۔ میں نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اٹھو اور کپڑے پہنو" ان پر میری بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے ان کو ہلکی ہلکی پاؤں کی ٹھوکریں ماریں اور سختی سے کپڑے پہننے کی تاکید کی۔ میں نے آج تک کسی عورت کو یوں برہنہ نہ دیکھا تھا۔ میری نظر ان کی طرف اگر کبھی غیر ارادی طور پر اٹھ جاتی تو مجھے بہت ندامت محسوس ہوتی۔ میرے سامنے عورت کے ماں' بہن' بیوی اور بیٹی کے روپ تھے۔ عورت کا یہ روپ میرے لئے نیا تھا جس سے میں واقف نہ تھا۔ میرے ساتھ جو دو سپاہی آئے تھے وہ بھی ان ننگی عورتوں کو بڑی ہی حریصانہ نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔ جب ان کی نظریں مجھ سے ملتیں تو وہ شرما کر آنکھیں جھکا لیتے اور دوسری طرف دیکھنے لگ جاتے۔

میرے ہاتھ میں جو بید کی سٹک تھی اس سے میں نے ان عورتوں کو بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ جلد ہی اچھل کر کھڑی ہو گئیں اور ان کا نشہ ہرن ہو گیا۔ میں نے ان کی خوب اچھی طرح سے پٹائی کی تاکہ ان کی ساری مستی دور ہو جائے۔ عدم صاحب زور زور سے چلا رہے تھے۔

خلش صاحب یہ کیا جاہلانہ حرکت کر رہے ہو۔ دیکھتے نہیں ہو ان حسیناؤں کے پھول سے جسم ہیں تم ان پر بید برسا رہے ہو۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔

عدم صاحب یہ پھول سے جسم قدرت کا ایک عطیہ ہیں لیکن یہ تو قرون اولیٰ کی عورتوں کی طرح اپنے جسموں کی نمائش کر رہی ہیں۔

ایک عورت کو چھاتی پر بری طرح بید لگا تھا اس کے ایک پستان سے خون بہہ رہا تھا۔ اس

نے اپنا وہ پستان ہاتھ میں لے کر عدم صاحب کو آکر دکھایا۔

• دیکھئے نا شاہ صاحب۔ کپتان صاحب نے میرے ساتھ کتنا ظلم کیا ہے۔

شاہدہ بی بی مجھے افسوس ہے۔ عدم صاحب نے لیٹے لیٹے ہاتھ اس کے سر پر پھیرنے کے لئے آگے بڑھایا۔ وہ بغیر کسی جھجک کے اسی طرح برہنہ حالت میں عدم صاحب کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی چھاتی سے لہو ابھی تک رس رہا تھا۔ عدم صاحب نے اپنا میلا کچیلا رومال نکال کر شاہدہ کی چھاتی سے بہنے والے خون کو پونچھ ڈالا۔ وہ اس معمولی سی بات سے اس قدر ممنون ہو گئی کہ اپنا سر عدم صاحب کی چھاتی پر رکھ کر زاروقطار رونے لگ گئی۔ عدم صاحب اس کے سر پر بدستور ہاتھ پھیرتے رہے۔ مجھے عدم صاحب کے اس رویئے پر بڑا تاؤ آ رہا تھا لیکن میں چپ رہا۔ میں نے لڑکیوں کو تحکمانہ انداز میں ڈانٹتے ہوئے کہا۔ تم لوگ فوراً کپڑے پہنو۔ ورنہ میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔

کپتان صاحب اتنا ظلم تو نہ کریں۔ نسیمہ نے روتے ہوئے مجھ سے بڑے التجا بھرے انداز میں کہا۔

تمہیں اپنی عزت کا تو کچھ خیال نہیں۔ مفت میں ہمیں بھی بدنام کرو گی۔ جلدی کپڑے پہنو۔ وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ کپڑے پہننے لگ گئی۔ عدم صاحب بدستور مجھ پر غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ شاہدہ ان کے پاس سے کپڑے پہننے کے لئے اٹھنے لگی تو انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ خوشی سے ان کی چھاتی پر لیٹ گئی۔ انہوں نے اس قربت کو طول دینے کے لئے اس سے بات چھیڑ دی۔

شاہدہ بی بی! یہ پولیس والے کم بخت کہاں سے آ گئے۔ ہم اتنے عرصے سے یہاں بیٹھتے ہیں۔ پولیس والوں نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔

شاہ صاحب دراصل بات یہ ہے کہ رات کو آپ نے جو شراب ہمیں پلائی ہے۔ وہ اتنی تیز اور زود اثر تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں اس نے ہمارے ہوش و حواس مختل کر دیئے اور جسم کو آگ لگا دی۔ ہم سمجھتی تھیں کہ کسی دہکتے ہوئے جہنم میں ہمیں جھونک دیا گیا ہے۔ پہلے تو ہلکے ہلکے سرور میں ہم ناچنے لگ گئیں۔ پھر آہستہ آہستہ جنسی اشتہا بڑھنے لگی اور آخر کار اس نے ہمیں اپنی مکمل گرفت میں لے لیا۔ شاہ صاحب جنس کا یہ اذیت ناک کرب ہم سے برداشت نہ ہو سکتا تھا۔ آپ تو اپنے پینے میں لگے ہوئے تھے۔ ہم تینوں نے لاکھ جتن کئے' الٹی سیدھی ترکیبیں آزمائیں۔ ایک دوسرے کے جسموں سے بھی کھیلتی رہیں۔ لیکن یہ جنسی خلفشار کسی صورت کم ہونے میں نہ آتا تھا۔ اس وقت ہم تینوں کو تندرست و توانا مردوں کی قربت درکار تھی۔

ایسے میں مجھے پیشاب کرنے کے لئے باہر نکلنا پڑا۔ اتفاق سے اسی وقت یہ پولیس والے یہاں سے گزر رہے تھے۔ وہ ایک ننگی عورت کو دیکھ کر ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ میں فارغ ہوئی تو وہ سب کے سب چلتے ہوئے میرے قریب آ گئے۔ حوالدار نے اپنے مخصوص طرز پر اپنی آواز میں گھن گرج پیدا کرتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کون ہو تم "اس حالت میں یہاں کیا کر رہی ہوں"

میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ان کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر انہیں اپنے ساتھ اندر آنے کے لئے کہا۔ اس طرح وہ چاروں اندر آگئے۔ آپ اس وقت تک بے ہوش ہو چکے تھے۔ پولیس والے اندر آئے تو وہ سب صورت حال سمجھ گئے۔ میں نے حوالدار کے گلے میں بانہیں ڈال دیں لیکن وہ ڈرپوک آدمی تھا۔ بدک کر الگ ہو گیا۔ مجھ سے کہنے لگا۔

بی بی! میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔ اور پھر اس نے سب سپاہیوں کو باہر چلنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ باہر چلنے پر آمادہ نہ ہو رہے تھے۔ اس سے کہنے لگے۔

حوالدار ایسے سنہری موقعے روز روز بھلا تھوڑی ملتے ہیں۔ آج تو جشن منانے دیں۔

تمہارا باپ شاہ صاحب پڑا ہوا ہے۔ ابھی اسے ہوش آ جائے گا۔ اگر انہوں نے ایس۔ پی صاحب سے کہہ دیا تو سب کے بستر گول ہو جائیں گے۔

جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اس سنہری موقعہ سے تو ہم ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔

دو نوجوان سپاہیوں نے نسیمہ اور اس کی ساتھی لڑکی کو آگے بڑھ کر اپنے ساتھ لٹا لیا۔ تیسرے سپاہی کے حصے میں میں آئی۔ حوالدار نے دونوں دروازوں کی کنڈی اندر سے لگا دی اور خود صوفے پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بڑی بیقراری کے عالم میں بھوکی نظروں سے ہم تینوں جوڑوں کی کارکردگی کو بڑی اشتیاق بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر دل پر جبر کرتے ہوئے اس نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی۔ نہ جانے پھر آپ کو کب ہوش آئی کہ آپ نے اٹھ کر بتی جلائی اور پھر دروازے سے باہر نکل گئے۔ شاید پیشاب کرنے کے لئے آپ نکلے ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ آپ نالی میں گر گئے ہیں۔

کپتان صاحب اور ان کے ساتھی آئے تو پولیس والے دوسرے دروازے سے نکل کر گشت کرنے کے لئے چلے گئے۔ شاہ صاحب اگر وہ پولیس والے نہ آتے تو شاید ہم اپنے باطنی اضطراب سے ایک بم کی طرح پھٹ جاتیں۔ میری اس وقت یہ حالت تھی کہ مجھے اپنے ہی کھولتے لہو کا بے پناہ شور سنائی دے رہا تھا۔ ہم نے شکر کیا کہ یہ پولیس والے آئے اور ہمیں اس اذیت ناک کرب سے چھٹکارا ملا اور ایک گونہ آسودگی میسر آئی۔

میں نے اپنے ساتھی ایک سپاہی کو کہا کہ "جاؤ اور ایک تانگہ لے آؤ" اگر اس ایریا میں

تانگہ نہ ملا تو پھر ریلوے اسٹیشن چلے جانا وہاں سے لے آنا۔

بہتر سر۔ اور نور خان نیازی تانگہ لینے چلا گیا۔

میں نے چلنے سے پہلے چوکیدار کو بلا کر کہا کہ جب اندھیرا چھٹ جائے تو ان عورتوں کو پچھلی گلی سے نکال دینا اور کمرے کی صفائی وغیرہ صاحب کے آنے سے پہلے اچھی طرح سے کر دینا۔ یہ یقین کر لینا کہ یہ عورتیں صبح سویرے یہاں سے چلی جائیں۔ یہ اگر کرائے وغیرہ کے لئے پیسے مانگیں تو انہیں پیسے نہیں دینا۔ انہوں نے کل عدم صاحب سے اچھی خاصی رقم بٹوری ہوئی ہے۔

جی بہت اچھا۔

نور خان نیازی تھوڑی دیر میں تانگہ لے کر آگیا۔ میں نے اور نور خان نے عدم صاحب کو تھام کر تانگے میں لا بٹھایا۔ اب وہ مکمل طور پر ہوش میں آ چکے تھے۔ البتہ کمزوری کے باعث چل نہ سکتے تھے۔ پندرہ منٹ میں تانگہ ان کی کوٹھی پر جا پہنچا۔ ہم دونو نے ان کو پھر تھام کر آرام سے نیچے اتارا۔ دور سرونٹ کوارٹرز کی طرف سے ان کی پالتو کتوں کی جوڑی دوڑتی ہوئی ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑی سرعت سے ہماری جانب بڑھی میں نے آگے بڑھ کر ان کا نام لے کر ان کو پچکارا۔ کتے دم ہلانے لگ گئے۔ نور خان نیازی اور شفقت کو سونگھنے لگے۔ میرے منع کرنے پر ان کے پاس سے ہٹ کر پھر میرے پاس آ گئے۔ میں نے ان دونوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ مجھ سے کھیلنے لگ گئے۔

عدم صاحب کے سونے کا کمرہ بالکل سامنے کی طرف تھا جو ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اس میں ایک پلنگ' بستر اور چند کتابوں کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا۔ میں نے ان دونو ساتھیوں کو کہا کہ آپ لوگ عدم صاحب کو تھام کر آہستہ آہستہ میرے پیچھے پیچھے لے آئیں۔ میں نے برآمدے میں آ کر لائٹ جلائی اور پھر دروازہ دھکیل کر ان کے کمرے میں آگیا۔ میرے ان ساتھیوں نے انہیں ان کے پلنگ پر لا کر بٹھا دیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کے بوٹ نکالے اور پھر ان کو چارپائی پر لٹا کر ان کے اوپر رضائی ڈال دی۔ لائٹ آف کر کے دروازہ بند کر دیا اور ہم سب باہر آ گئے۔ کتوں کی جوڑی اس عرصے میں ہمارے ساتھ ساتھ رہی۔ ہم تانگے میں بیٹھنے لگے تو وہ دونو پھر میرے پاس آئے۔ میں نے ان کی پیٹھ تھپتھپائی۔ وہ دونو مجھ سے کھیلنے کی کوشش میں لگ گئے۔ تانگہ چل پڑا تو وہ مین گیٹ تک ہمارے پیچھے پیچھے آئے۔ جب تانگہ باہر سڑک پر آگیا تو وہ وہاں گیٹ پر ہی کھڑے دم ہلاتے رہے۔

جب ہم کیمپ میں واپس پہنچے تو کوارٹر گارڈ میں ساڑھے چار کا گھنٹہ بجا۔ سپاہی اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے اپنی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ سپاہیوں کے لنگر پر غالباً" چائے

میجر نذیر۔

کون میجر نذیر۔

میں نے میجر صاحب کی یوں گت بنتی دیکھی تو بوجھل قدموں سے واپس چل پڑا۔ نواب صاحب کو میری یہ بات ناگوار گذری۔ مجھے پیچھے سے آواز دی۔

برخوردار میری بات سنو۔

جی جناب۔ میں نے واپس آ کر بڑی ہی بے اعتنائی سے ان کو جواب دیا۔

برخوار دار نہ دعا نہ سلام۔ واپس چل دیئے۔

جناب میں نے میجر صاحب کا حشر دیکھا ہے۔ تو اپنے آپ میں اتنی ہمت نہیں پاتا کہ مزید ایک لمحے کے لئے بھی رکوں۔

میجر صاحب کو میں نے ابھی تک پہچانا نہیں ہے۔ آپ اپنا تعارف کروا دیں۔

ضرور۔ ضرور۔ یہ فرض ان کو خود انجام دینا چاہئے تھا۔ چلئے آپ ہی کرا دیں۔

حضور والا۔ یہ آپ کے بڑے پرانے اور ہر دل عزیز دوست میجر نذیر احمد ہیں۔ یہ حج پر آپ کے ساتھ تھے۔

حج والے میجر نذیر کو تو میں بڑی اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ اور یہ دوسرے صاحب۔ انہوں نے عدم صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حضور۔ انہیں آپ کی دوستی پر بڑا ناز ہے۔ ہر وقت آپ کی پارسائی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

ان کا نام بھی تو کچھ ہو گا۔

حضور والا! یہ پاکستان کے بڑے نامور شاعر سید عبدالحمید عدم ہیں۔

کہاں ہے عدم۔ انہوں نے بھونچکا ہو کر ہم سب کو باری باری دیکھنا شروع کر دیا۔

برخور دار کیا کہا تم نے۔ عبدالحمید عدم۔ پاکستان کا نامور شاعر۔ شاعر تو دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ یہ عدم ہے جو سامنے کھڑا ہوا ہے؟ یہ بے چارا تو بھلے مانس اور مسکین صورت ہے۔ میں نے جس عدم کے متعلق سنا ہے۔ کہتے ہیں وہ تو ہر وقت شراب میں ڈوبا رہتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا ایسے لوگ ہی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ یہ تو بیچارہ مسکین آدمی ہے۔ کیوں میاں آپ ہی وہ بڑے شاعر ہیں۔ جس کے بڑے چرچے ہیں۔

نواب صاحب حضور آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کا حافظہ اتنا کمزور ہے کہ آپ اپنے نیاز مندوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔

بھئی میں تو جس سے بھی ملتا ہوں۔ اللہ کے واسطے ملتا ہوں۔ میری کوئی ذاتی غرض و غائیت

پک چکی تھی۔ چونکہ میں نے اکا دکا سپاہیوں کو اپنے مگوں میں چائے لئے آتا جاتا دیکھا میں ابھی کپڑے تبدیل کر ہی رہا تھا کہ نور خان نیازی از راہ کرم میرے لئے بھی چائے کا ایک گرم گرم مگ بھروا کر لے آیا۔ میں نے رضائی لپیٹ لی اور بڑے مزے مزے سے چسکیاں لے لے کر مزیدار چائے پی۔ اور پھر فوراً ہی سو گیا۔

○

میرے جہلم کے قیام کے زمانے میں وہاں ڈپٹی کمشنر نواب فتح اللہ خان صاحب تھے۔ جو ڈیرہ اسماعیل خان کی نواب فیملی سے تھے۔ آپ بڑے متشرع آدمی تھے۔ نماز روزے کے پابند تھے۔ باریش بزرگ تھے۔ پاکستانی لباس پہنتے تھے ورنہ اس زمانے میں تو چھوٹے سے چھوٹا افسر بھی یوروپین ڈریس زیب تن کرتا تھا۔ موصوف کے ساتھ عدم صاحب کے اچھے مراسم تھے۔ ایک دن عدم صاحب کے ایک ملنے والے فوجی افسر میجر نذیر راولپنڈی سے ان کے پاس آئے۔ میں بھی اس وقت عدم صاحب کے پاس ان کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ عدم صاحب ان سے بڑے تپاک سے ملے۔ چائے پی چکے تو میجر صاحب نے اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ وہ اپنے کسی نجی کام کے سلسلے میں ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنا چاہتے تھے۔ عدم صاحب فوراً کہنے لگے۔ میجر صاحب یہ تو معمولی بات ہے۔ ابھی چلے چلتے ہیں۔ میجر صاحب خوش ہو گئے۔

ہم تینوں میجر صاحب کی کار میں بیٹھ کر نواب صاحب سے ملنے کے لئے ڈپٹی کمشنر ہاؤس پہنچ گئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو نواب صاحب تمام شاگرد پیشہ افراد کے ہمراہ وہاں کی ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز ظہر ادا کر رہے تھے۔ جس کی امامت کے فرائض بھی نواب صاحب نے ہی ادا کئے تھے۔ ہم تینوں اس مسجد کے باہر کھڑے ان کا انتظار کرتے رہے۔ نماز ختم ہوئی تو تمام شاگرد پیشہ افراد منتشر ہو کر اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں لگ گئے۔ تھوڑی دیر نواب صاحب اوراد و وظائف میں مشغول رہے۔ جب فارغ ہو کر مسجد سے باہر آئے تو ہم تینوں نے ان کی طرف پیش قدمی کی۔ انہیں سلام کیا تو وہ رک گئے۔ ہم تینوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

ہاں بھئی آپ لوگ بتائیں۔ کیا کام ہے آپ کا۔

نواب صاحب میں میجر نذیر ہوں۔ آپ سے ملنے آیا ہوں۔

بھائی بتاؤ کیا کام ہے۔

نواب صاحب میں میجر نذیر ہوں۔ راولپنڈی سے آیا ہوں' آپ سے ملنے کے لئے۔

کام بتایئے۔ کیا نام بتایا آپ نے۔

نہیں ہوتی۔ ویسے شاعراور شراب پینے والے لوگ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔
عدم صاحب اور میجر نذیر کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ دونو خاموش کھڑے تھے۔ میں اس قصے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے جرات رندانہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
نواب صاحب بہتر ہے۔ میجر نذیر کو آپ اپنے ساتھ لے جائیں اور ان کی دستگیری کریں۔ عدم صاحب اور میں تو شاعر ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ روزے کھاتے ہیں۔ ہم سے یہاں آنے کی غلطی ہو گئی ہے۔ توبہ ہماری۔ پھر بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کریں گے۔ آپ ہمیں واپس جانے کی اجازت بخشیں۔
ہاں بھائی شرابی تو لعنتی ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ تو کھانا پینا بھی حرام ہے۔ اچھا کیا آپ نے جو بتا دیا۔ ٹھیک ہے آپ دونوں بے شک چلے جائیں۔
میں نے عدم صاحب کو بازو سے پکڑ کر چلنے کے لئے کہا۔ کہنے لگے۔
میاں بری بات ہے۔ نواب صاحب بزرگ آدمی ہیں۔ ان کی باتوں کا برا نہ مناؤ۔
ارے یار چھوڑو۔ ایسے آدمی سے مل کر کیا حاصل کریں گے۔
میں جس لب و لہجہ میں باتیں کر رہا تھا وہ نواب صاحب نے اچھی طرح سن لیں۔ میجر نذیر سے پوچھنے لگے۔
یہ بد تمیز آدمی کون ہے۔
آرمی آفیسر ہے۔ عدم صاحب کا دوست ہے اور شاعر ہے۔
خدا کی لعنت ان دونوں پر۔ دونوں اللہ اور رسولؐ کے باغی ہیں۔ نماز کا وقت تھا۔ جماعت ہو رہی تھی۔ یہ باہر کھڑے سگریٹ پی رہے تھے۔
آپ کی وجہ سے مجھے بھی اس پاگل آدمی سے جلی کٹی سننی پڑی ہیں۔ میں نے عدم صاحب کو بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔
نواب صاحب۔ میجر نذیر کو اپنے ساتھ لے کر بنگلے کی طرف چلے گئے۔ اور ہم دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کی کوٹھی سے باہر آ گئے۔ عدم صاحب بہت مغموم دیکھائی دیتے تھے۔ وہ اپنے مخصوص انداز سے سگریٹ پیتے ہوئے جھومتے جھامتے چلے آ رہے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے۔
حضور اب میجر نذیر کا انتظار کرنا پڑے گا۔ چلو میرے گھر چلتے ہیں۔
ان کا کام ہو گیا ہے۔ انہیں اب آپ سے مل کر کیا لینا ہے۔
کچھ نہیں لینا۔
دوزخیوں میں نام لکھوانا ہے تو بے شک آئے۔

خلش صاحب۔ نواب صاحب اچھے آدمی ہیں۔ آپ نے مفت میں انہیں ایجی ٹیٹ (Agitate) کر دیا ہے۔

دفعہ کرو یار ایسے آدمی کو۔ میں بد اخلاق آدمی سے ہر گز نہیں ملتا۔

یہی باتیں کرتے کرتے ہم اپنے اڈے پر پہنچ گئے۔ ابھی تک وہاں کوئی آدمی نہ آیا تھا۔ کیا وقت ہوا ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

حضور ابھی تو چار بھی نہیں بجے۔ آئیں بازار کا چکر لگائیں۔

لا حول ولا۔ تمہاری بچوں والی عادتیں ابھی تک نہیں گئیں۔ شریف آدمی بازاروں میں یوں آوارہ گردی کرتے ہیں۔

تو پھر یہاں ہی بیٹھیں اور دعائے قنوت یاد کر کے کل نواب صاحب کو سنا کر دوزخیوں کی فہرست سے اپنا نام کٹوالیں۔

دوزخیوں میں تو تمہارا نام ہو گا۔ میں تو مسکین اور بے ضرر آدمی ہوں۔

مسکین نہیں گربہ مسکین ہیں۔

وہ ہنس دیئے۔ تو بڑا شیطان ہے۔ نواب صاحب کی جج منٹ تمہارے متعلق ٹھیک ہے۔

ارے چھوڑو یار اس پاگل آدمی کا پھر کہاں نام لے لیا۔ موڈ ہی خراب کر دیا اس نے۔

خلش صاحب۔ چائے کا کوئی انتظام کریں۔ لیکن اچھی چائے ہو۔

ابھی کرتا ہوں۔ ساتھ کوئی چیز کھانا پسند کریں گے۔

نمکین بسکٹ ہو جائیں تو اچھا ہو گا۔

قریب ہی ایک اچھا کیفے ٹیریا تھا۔ میں وہاں آرڈر دے آیا۔ فوراً ہی چائے آ گئی۔ اور ہم دونوں مزے مزے سے چسکیاں لے لے کر چائے پیتے رہے۔ عدم صاحب کا موڈ کچھ ٹھیک ہوا۔ تو انہوں نے مجھے اپنی ایک تازہ غزل سنائی۔ ہم دونوں غروب آفتاب تک وہاں اکیلے بیٹھے رہے۔ مغرب کی نماز کے بعد آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے دوست آنے شروع ہو گئے۔ خان غلام محمد خان دیسی شراب کی ایک بڑی بوتل لے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے تھیلے سے نکال کر میز پر رکھ دی۔ سب دوست راجہ صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ احسان نے ورکشاپ والی سائیڈ کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہ ابھی تک اپنے کام میں مصروف تھے۔ احسان کو یوں منتظر پایا تو کہنے لگے۔

شیخ صاحب آپ لوگ شروع کریں۔ میں تھوڑی دیر میں فارغ ہو کر آ رہا ہوں۔

جلدی آیئے۔ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔

احسان نے ادھر کا دروازہ بند کر دیا اور آ کر بیٹھ گئے۔ دوست خوش گپیاں کرتے رہے۔

جلدی ہی راجہ صاحب بھی آ گئے۔ اور محفل شروع ہو گئی۔ یہ پینے پلانے کا سلسلہ کوئی بارہ بجے رات تک جاری رہا۔ اس دوران میں راجہ صاحب نے عدم صاحب کو اور مجھے سرزنش کے انداز میں کہا۔

آپ دونو کی گذشتہ رات کی کارکردگی کا مجھے پتہ چلا ہے۔ تم دونوں بہت بُرے آدمی ہو۔ ان بدبخت لڑکیوں کے پاس رات بسر کرنے کی کوئی اور جگہ نہ تھی میں نے رحم کھاتے ہوئے انہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ تو شاہ صاحب قبلہ! رات بھر ان کو زنجی بیرس پلاتے رہے۔ بھئی جب تم عورتوں کے ساتھ کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تو انہیں شراب پلانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ ان کے پاس یہاں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کپتان صاحب حضور کی بے وقوفی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ نے ان بے چاری غریب لڑکیوں کو بری طرح بید سے زد و کوب کیا۔

راجہ صاحب اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے آپ نے مجھ سے بھی پوچھا ہوتا۔

کیا خاک پوچھا ہوتا۔ بے چاریوں کو ننگے بدن پر بید مار مار کر ان کے پھول سے جسم لہولہان کر دیئے۔

عدم صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ میں بولنے لگا تو مجھے بھی جھڑک دیا۔ پھر راجہ صاحب نے کوئی بات نہ کی اور سب لوگ گردش جام میں منہمک ہو گئے۔ جلد ہی محفل اختتام پذیر ہوئی اور میں نے حسب سابق عدم صاحب کو تانگہ پر بٹھا کر انہیں گھر چھوڑا اور اس کے بعد اپنے کیمپ میں واپس آیا۔

○

ملٹری کالج سرائے عالمگیر کی سالانہ تقریبات کے سلسلے میں اس رات کالج کے ہال میں ایک ورائٹی شو ہو رہا تھا۔ عدم صاحب کو اور مجھے بھی اس میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا۔ میں اور عدم صاحب جب وہاں پہنچے تو ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شو شروع ہونے میں چند ہی منٹ باقی تھے کالج کے پروفیسر مہمانوں کو ریسیو کرتے اور مخصوص نشستوں پر لا کر بٹھاتے۔ عدم صاحب کو اور مجھے انہوں نے پہلی لائن میں صوفوں پر لا بٹھایا۔ میں نے وہاں بیٹھتے وقت دیکھا کہ محترم نواب صاحب ڈپٹی کمشنر جہلم بھی وہاں تشریف فرما ہیں۔ دیسی کپڑے پہننا کوئی جرم نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔ موصوف اگرچہ پاکستانی لباس زیب تن فرماتے تھے لیکن سلیقے سے نہ پہنتے تھے۔ وہ سر پر جو لنگی باندھتے وہ اگرچہ اچھی خاصی قیمتی ہوتی لیکن موصوف اسے یونہی بغیر کسی ترتیب اور نفاست

کے کلاہ پر پلیٹ لیتے جو بجائے اس کے کہ خوبصورت نظر آئے بہت ہی بھدی لگتی۔ کوٹ یا شیروانی کے بٹن بند کرنے کی زحمت گوارہ نہ فرماتے۔

اس رات بھی اسی طرح کا بے تکا لباس پہنے آپ تشریف فرما تھے۔ میزبان پروفیسر نے عدم صاحب کو ان کے بائیں ہاتھ والی نشست پر لے جا کر بٹھایا اور عدم صاحب کے ساتھ مجھے۔ محترم نواب صاحب عدم صاحب کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں سمجھا اس پرانے دوزخی سے شاید بر افروختہ ہو کر سیٹ چھوڑ کر بھاگنے کی ٹھانی ہے۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دوسرے ہی لمحے نواب صاحب عدم صاحب سے گلے مل رہے ہیں۔ میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر بے اعتنائی سے دوسری طرف دیکھنے لگ گیا تاکہ حضرت سے آنکھیں ہی چار نہ ہوں۔ اور بادل ناخواستہ مجھے بھی موصوف کے منہ سے اڑنے والے بو کے بھبکے اظہار عقیدت مندی کے گمان میں برداشت نہ کرنے پڑجائیں۔

کسی نے میرے کندھے پر بڑے زور کی دھول جمائی۔ میں نے غصے سے پلٹ کر دیکھا تو موصوف اپنی پیلی بتیسی نکالے بڑے ہی معنی خیز ہنسی ہنسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کیوں برخوردار آپ مجھ سے ناراض ہیں۔

حضور میں نے آپ سے ناراض ہو کر دوزخ میں جانا ہے۔

آپ بڑے تند خو اور کینہ پرور آدمی ہیں۔ شاید انہیں ڈی سی ہاؤس والی ملاقات اب تک نہ بھولی تھی۔

او جی نواب صاحب۔ سپاہ پیشہ نوجوان ہے۔ یہ تندخو نہ ہو گا تو اور کون ہو گا۔ عدم صاحب نے انہیں پیسی فائی (Pacify) کرنے کی کوشش کی۔

شاباش آپ اچھے سپاہی ہیں۔ انہوں نے میری پیٹھ ٹھونکتے ہوئے معاملے کو رفع دفع کرنے کے لئے کہا۔

نواب صاحب۔ آپ کا بہت شکریہ۔

وہ ہلکا سے مسکرائے اور جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

مبارک ہو حضور۔ میں نے عدم صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

کس بات کی۔

آپ کو جنت جانے کا اب ٹکٹ مل جائے گا۔

یار آپ فی الواقعہ بڑے کینہ پرور ہیں۔ چھوڑیئے اس قصے کو۔ بے چارہ بوڑھا آدمی ہے۔

اچھا حضور رفع کریں اس قصے کو۔ میں نے معاملے کو ختم کرنے کے لئے کہا۔

ورائٹی شو شروع ہو گیا۔ کالج کے کم سن اور حسین لڑکوں نے عورتوں کا روپ دھار رکھا

تھا۔ جو بھی دیکھتا۔ عش عش کر اٹھتا۔ نواب صاحب بھی بڑے انہماک سے ان پری چہرہ لڑکوں کا رقص دیکھ رہے تھے۔ اس دوران میں آپ کی نظر گھڑی پر پڑ گئی۔ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ خدمت گار ساتھ تھا۔ اسے نواب صاحب کی روٹین کا پتہ تھا۔ فوراً جانماز لے کر آ گیا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے جانماز لے کر سٹیج اور صوفوں کے درمیان تھوڑا سا دیوار کی طرف ہٹ کر بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ نماز اپنی جگہ پر اچھی چیز ہے۔ لیکن نواب صاحب قبلہ کا طرز عمل ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے اس رویئے سے کالج کے کمانڈنٹ اور دوسرے اساتذہ خاصے پریشان ہوئے۔ چارو ناچار کمانڈنٹ نے ورائٹی شو روک دینے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ پیچھے سے منچلے لڑکے آوازے کسنے لگ گئے۔

نماز باہر جا کر پڑھو۔

یہ نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ہے۔

کچھ تو ہوش کے ناخن لو۔

ایسی ریا کاری کی نمازوں کا کوئی فائدہ نہیں۔

غرض کہ ایک ہنگامہ برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ نواب صاحب بھی اپنی دھن کے پکے تھے۔ باوجود اتنی تبرے بازی کے بھی نماز پڑھنے میں جتے رہے۔ عشا کی نماز ویسے بھی طویل ہوتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ نواب صاحب نے بعد از ادائیگی نماز جانماز پر بیٹھے اوراد و وظائف شروع کر دیئے شاید نواب صاحب حاضرین کے صبر کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ ادھر پچھلی قطاروں میں بیٹھے ہوئے لڑکوں نے بے ہنگم تالیاں بجا بجا کر نواب صاحب کو دق کرنا شروع کر دیا پندرہ بیس منٹ تک یہ سلسلہ شروع رہا۔ نواب صاحب منہ بنا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمارے پاس سے گذر کر باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف چل دیئے۔ جب میرے سامنے سے گذرے تو میں نے جلے پر مزید نمک چھڑکا۔

نواب صاحب۔ عدم صاحب کو بھی اپنے ساتھ جنت میں لے جایئے۔ سب لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

یہ تو جنت میں جائے گا۔ تم پکے دوزخی ہو۔ ناظرین بڑی دیر تک تالیاں بجاتے رہے۔

نواب صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ورائٹی شو شروع ہو گیا۔ جو بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ عدم صاحب بہت خوش تھے۔ نہ جانے ان حوروشمائل لڑکوں کی اعلیٰ کارکردگی سے یا نواب صاحب کے اس مژدہ جانفزا سے کہ عدم تو جنت میں جائے گا۔ البتہ تم پکے دوزخی ہو۔

آتے وقت تو ہمیں تانگہ مل گیا تھا۔ واپسی پر سواری کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ عدم صاحب خاصے بلکی (Bulky) آدمی تھے انہیں واپسی کے سفر میں خاصی پریشانی ہوئی۔ کبھی میرے کندھوں

پر ہاتھ رکھ کر چلتے۔ تھک جاتے تو بیٹھ جاتے۔ آج انہوں نے اپنا نشہ پانی بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے بھی طبعیت کچھ مکدر تھی۔

رات ایک بجے راجہ صاحب کی ورکشاپ کے پاس پہنچے۔ عدم صاحب مجھے زبردستی اس راستے سے لائے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ دیکھیں شاید کچھ دوست اب تک وہاں ہوں۔ ان کی بات صحیح نکلی۔ اڈا کھلا ہوا تھا۔ لالٹین جل رہی تھی۔ عدم صاحب نے ہلکا سا دروازہ کھولا اور اندر جھانک کر دیکھا دو دوست اندر بیٹھے ابھی تک ناؤ نوش میں مصروف تھے۔ عدم صاحب کو دیکھا تو ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔ ان کے پاس بڑی بوتل شراب کی تھی۔ وہ دونو اعتدال میں رہ کر پیتے تھے۔ راجہ صاحب اور عدم صاحب کی طرح بلا نوش نہ تھے۔

انہوں نے سوڈے کی بوتلوں کا ایک کریٹ بھی پاس رکھا ہوا تھا۔ تقریبا آدھی بوتل باقی تھی۔ عدم صاحب سوڈا ملا ملا کر سحری کے وقت تک پیتے رہے۔ میں نے ایک گلاس سافٹ ڈرنک کا پیا اور صوفے پر آرام سے سو گیا۔ وہ تینوں باتیں کرتے رہے۔ جب عدم صاحب نے بوتل ختم کی تو ان دوستوں نے مجھے جگایا۔

کپتان صاحب۔ چار بجنے والے ہیں۔ اب چلا جائے۔

عدم صاحب ہوش میں ہیں۔ میں نے ان دوستوں سے پوچھا۔

ہاں بالکل ٹھیک ہیں۔

تانگہ اب ملنا مشکل ہے۔ یہ حضرت گھر تک چل نہ سکیں گے۔

نہیں ٹرین کے آنے کا وقت ہے۔ تانگے ریلوے سٹیشن جانے کے لئے اس وقت مل جاتے ہیں۔ آپ ایک تانگہ لے لیں۔ عدم صاحب کو وہ گھر چھوڑ کر پھر ریلوے سٹیشن چلا جائے گا۔ آپ واپسی پر اپنے کیمپ کے پاس اتر جائیں۔•

یہ ٹھیک ہے۔ عدم صاحب نے اس کی تائید کی۔

میں باہر تانگہ لینے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ مجھے کوئی زیادہ پریشانی نہیں ہوئی۔ چوک کی طرف سے ایک تانگہ مجھے آتا دکھائی دیا۔ اسے میں نے روک لیا۔ اڈے پر اسے لے آیا۔ عدم صاحب کو تھام کر بٹھایا۔ دوسرے دو دوست شہر کی جانب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میں عدم صاحب کو ان کے گھر چھوڑ کر واپس اسی تانگے پر کیمپ تک آیا۔ اپنے ٹینٹ میں آیا تو اللہ یار خان کمبل لپیٹ کر اپنی چارپائی پر بیٹھا گرم گرم چائے پی رہا تھا اور پاس ہی اس کا دہکتا ہوا حقہ پڑا ہوا تھا۔ آج اللہ یار خان کا موڈ بہت خراب تھا۔ نہ اس نے اٹھ کر میری پذیرائی کی اور نہ ہی مجھے چائے لا کر دینے کے لئے کہا۔ میں کھسیانا سا ہو کر کپڑے تبدیل کر کے اس سے کوئی بات چیت کئے بغیر رضائی لپیٹ کر سو گیا۔ جلد ہی مجھے نیند آ گئی اور میں میٹھی نیند کے مزے لینے لگ

گیا۔

○

عام طور پر میری روز مرہ کی یہی روٹین تھی۔ صبح سے بعد دوپہر تک میں دفتر میں کام کرتا۔ کھانا کھا کر سو جاتا اور پھر شام کو عدم صاحب مجھے اپنے ساتھ لے جاتے۔ کچھ دنوں سے اس روٹین میں تھوڑی سی تبدیلی یہ ہوئی۔ کہ اس عرصے میں وہاں کی اونچی سوسائٹی کی ایک نامور خاتون سے میری ایک حادثے کے نتیجے میں اچانک ملاقات ہو گئی۔ اس خاتون نے مجھے چند ہی روز میں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ خاتون عمر میں مجھ سے کوئی ایک آدھ سال بڑی ہو گی لیکن اپنے بے پناہ حسن خداداد کی وجہ سے جو بھی اسے دیکھتا اس کی یہ خواہش بڑھتی ہی جاتی۔ وہ خاتون کوئی بدکردار عورت نہ تھی۔ میں نے جب اسے قریب سے دیکھا تو اسے دوسری عورتوں سے بالکل مختلف پایا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ محترمہ باوجود اتنی حسین اور جواں سال ہونے کے جنسی ترغیب سے بالکل عاری تھی۔ میں ویسے شرمیلا اور بزدل آدمی تھا کسی غیر عورت سے تعلقات استوار کرنے کے متعلق سوچ بھی نہ سکتا تھا شاید اسے میری یہی بزدلی اور جھجک ہی پسند تھی۔

عام طور پر ہر عورت شروع میں کسی بھی اجنبی مرد سے ملتی ہے تو وہ شروع میں اسے مشکوک نظروں سے دیکھتی ہے۔ چونکہ فی زمانہ زیادہ تعداد ان مردوں کی ہے جو کسی غیر عورت سے جب بھی تنہائی میں ملیں گے تو ان پر جنس کا بھوت سوار ہو گا۔ لیکن جب خواتین کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ حضرت بے ضرر ہیں تو پھر وہ ان سے ملتے ہوئے نہیں گھبراتیں۔ وہ محترمہ جو مجھے یوں اچانک ملی تھیں۔ ان کا ایک اچھا خاصا ذہنی مسئلہ تھا۔ اپنے اور ان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں میں نے ایک الگ کتاب "بات چھپائے گوری" لکھی ہے۔ جو ہندوستان اور پاکستان میں بے حد مقبول ہوئی۔ ہندوستان میں اس کتاب کے تراجم چھ ماہ کے عرصے تک چار مختلف زبانوں کے اخباروں میں شائع ہوتے رہے۔ جو بعد میں کتابی صورت میں بھی اشاعت پذیر ہوئے۔ مجھے جرمنی، انگلینڈ اور ہندوستان سے سینکڑوں تعریفی خط اس ضمن میں موصول ہوئے۔

باوجود ایک ہی سٹیشن پر رہائش پذیر ہوتے ہوئے عدم صاحب اس خاتون سے نہیں ملے۔ ان کی ایک اپنی دنیا تھی۔ اس سے باہر وہ نہ آتے تھے۔ میں جب کبھی شراب و کباب اور ان کے استعمال کرنے والوں کے غل غپاڑے اور اسے اپنے لئے عدم دلچسپ پاتا تو ہفتے میں ایک آدھ دن ان محفلوں سے چھپا چھپا کر اسی خاتون کے گیسوؤں میں جا کر پناہ ڈھونڈتا۔ خدا کا لاکھ

لاکھ شکر ہے کہ باوجود اتنی قربت اور چاہت کے ہم کبھی جنسی آلودگی میں ملوث نہیں ہوئے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی جذبہ تھا جو ہم دونو کو ایک دوسرے سے الگ نہ ہونے دیتا تھا۔ عدم صاحب کو میری اس طرح کی دلچسپیوں کی کوئی اطلاع نہ تھی۔

اب جب میں اپنے حلقہ یاراں سے زیادہ غیر حاضر رہنے لگا تو دوسرے دوستوں کو عام طور پر اور عدم صاحب کو خصوصیت سے یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں کس چکروں میں پڑ گیا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے میرے اردلی اللہ یار خان کی مدد حاصل کرنے کی ٹھانی۔ وہ اب اکثر آتے اور مجھے غیر حاضر پا کر کوستے ہوئے چلے جاتے۔ ایک دن آئے تو میں حسب سابق کیمپ سے جا چکا تھا۔ اللہ یار خان سے کہنے لگے۔

بھئی اللہ یار خان۔ کوئی سٹول لے آؤ۔

وہ ٹینٹ کے اندر سے چمڑے کا ایک سٹول لے آیا۔ ٹینٹ کے باہر ہلکی خوشگوار دھوپ پر بچھا دیا۔ اور عدم صاحب کو بیٹھنے کی دعوت دی۔ عدم صاحب نے سٹول پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا۔ اور اللہ یار خان سے کہنے لگے۔

بھائی اللہ یار خان۔ گرم گرم چائے مل جاتی تو مزا آ جاتا۔

سر۔ چائے ابھی ایک منٹ میں آ جاتی ہے۔

اللہ یار خان اٹھ کر یونٹ کینٹین کی طرف چلا گیا۔ اور عدم صاحب بیٹھے دھوئیں کے مرغولے بناتے رہے۔

جلد ہی کینٹین بوائے چائے لے کر آ گیا۔ اللہ یار خان اندر سے ایک فولڈنگ چھوٹا سا میز لے آیا۔ ملازم نے چائے کی ٹرے اس پر رکھ دی۔ عدم صاحب نے اللہ یار خان کو ساتھ بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ بیٹھ گیا تو عدم صاحب نے دو پیالیوں میں چائے ڈالی۔ جب وہ دونو مل کر چائے پینے لگے تو عدم صاحب نے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر اللہ یار خان کو سگریٹ آفر کیا۔

نہیں سر میں حقہ پیتا ہوں۔

ارے میاں آج سگریٹ ہی پی لو --- اللہ یار خان نے سگریٹ لے لیا۔ اور پھر وہ تھوڑی دیر کے لئے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ جب عدم صاحب نے موقع مناسب سمجھا تو اللہ یار خان سے کہنے لگے۔

بھائی اللہ یار خان۔ تمہارا یہ صاحب آج کل کن چکروں میں پڑا ہوا ہے۔ آپ بزرگ آدمی ہیں۔ انہیں منع نہیں کرتے۔

اللہ یار خان چپ بیٹھا رہا۔ لیکن دیکھنے والے کو یوں لگا جیسے اس کے ذہن میں ایک طوفان بپا ہے۔ اور ابھی اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

اللہ یار خان ۔ کچھ تو بولو۔

سر۔ کیا بولوں۔ نیک بخت آدمی ہے۔ میں تو کہہ کہہ کر بھی تھک گیا ہوں۔ دراصل شاہ صاحب! بات یہ ہے۔ جوانی میں کسی آدمی کو نصیحت اچھی نہیں لگتی۔ زمانے کی ٹھوکریں اور مشکلات ہی آدمی کو اس کا آئندہ کا لائحہ عمل سمجھاتی ہیں۔ آپ کے اور میرے کہنے سے کیا ہو گا۔ ایک کان سے سنے گا۔ دوسرے کان سے نکال دے گا۔

یہ آج کل کہاں جاتا ہے۔ مجھے تو کبھی ہفتے میں ایک آدھ دن ہی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ پوچھوں تو لاکھ بہانے بناتا ہے۔

شاہ صاحب! دراصل بات یہ ہے۔ ایک سوہنی لڑکی ان کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ جس دن یہ آپ کے ساتھ چلے جائیں۔ وہ بڑی بیقراری کے عالم میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کار پر چکر لگاتی ہے۔ جب یہ نہیں ملتے تو وہ بڑی رنجیدہ خاطر ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔ لیکن شاہ صاحب میں آپ کو کیا بتاؤں۔ اس سوہنی کڑی کے اندر لگی ہوئی آگ کی طپش میں بھی اس وقت محسوس کرتا ہوں ---- یہ عشق بھی کیا چیز ہے۔ ہائے۔ ہائے۔ جانتے ہوئے بھی اپنے آپ کو کچے گھڑے کے سہارے چناب کی شوریدہ سر لہروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس وقت موت اس کو سامنے کھڑی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ لیکن وہ پسپائی اختیار نہیں کرتا۔ راہ عشق میں پسپائی اختیار کرنا ان لوگوں کے مسلک کے خلاف ہے۔

اچھا اللہ یار خان۔ یہ دونو بھی اس منزل پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ان کا واپس لوٹ کر آنا محال ہے۔

شاہ جی۔ محال نہیں۔ ناممکن بلکہ بالکل ہی ناممکن ہے۔

تم نے وہ کڑی دیکھی ہے۔

کئی بار دیکھی ہے۔ شاہ جی۔

آپ کو بھی اچھی لگتی ہے۔

شاہ صاحب میں تو بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے کیا اچھی لگے گی۔ یہ بات آپ نلش صاحب سے پوچھئے۔

ارے بھائی اللہ یار خان وہ تو دیوانہ آدمی ہے۔

شاہ صاحب آپ بھی اسے ایک دفعہ دیکھ لیں تو آپ بھی دیوانے ہو جائیں۔ شاہ صاحب دراصل میرا یہ زندگی کا تجربہ ہے۔ مرد عورت کے حسن کو بھی دیکھتا ہے۔ یہ بھی ٹھیک بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں لیکن سب سے اہم بات کسی عورت کا کسی مرد کی طرف مائل ہونا کاؤنٹ (Count) کرتا ہے۔ آپ دن میں کئی حسین عورتیں دیکھتے ہیں۔ لیکن ان کا حصول آپ ناممکن

سمجھتے ہیں اس لئے تھوڑی دیر کے بعد آپ ان کو بھول جاتے ہیں۔ جب کہ کوئی اوسط درجے کی عورت آپ کو ملتی ہے۔ آپ نے اسے اپنی جانب کسی وجہ سے ملتفت پایا۔ اس عورت کو آپ اتنا جلدی نہیں بھلا سکتے۔ شاہ صاحب! اس کڑی کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ ہزاروں میں ایک ہے۔ نہ جانے خلش صاحب میں اس کو کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا نظر آیا ہے۔ کہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ حالانکہ خلش صاحب ایک عام سا آدمی ہے۔ پیسہ تو اس کی جیب میں ہوتا ہی نہیں اللہ یار خان۔ کچھ بات ایسی ہوگی۔ کہ یہ ایک دوسرے کی طرف کھچے چلے آرہے ہیں۔ آپ نے زندگی کا سب گرم سرد دیکھا ہوا ہے آپ کے خیال میں ان کے آپس کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔

شاہ صاحب۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے آپس میں جنسی تعلقات نہیں ہیں۔ اگر ایسے تعلقات ہوتے تو یہ کب کے سرد پڑ گئے ہوتے۔ جب کہ ان کے تعلقات میں دن بدن ایک وارفتگی اور گرم جوشی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ اور پھر یہ بھی خیال رہے اس لائن میں یہ دونو ہیں بھی اناڑی۔

وہ سوہنی کڑی کس کی بیوی ہے۔

وہ شادی شدہ خاتون نہیں۔

تو پھر رہتی کہاں ہے۔

اپنے ایک دوست کے پاس۔

وہ دوست کون ہے۔

کرنل ہے۔

اس کرنل کو خلش صاحب کے ہتھکنڈوں کا پتہ چلا تو وہ اس کو بارہ پتھر کروا دے گا۔

میں نے یہ سب باتیں ان کو بتائی ہیں۔

پھر کیا کہتے ہیں۔

کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہوں۔ ہاں میں بات کو ٹال جاتے ہیں۔

بھائی اللہ یار خان اب مجھے اجازت دیں۔ میں چلتا ہوں۔ اڈے پر دوست انتظار کر رہے ہوں گے۔

شاہ صاحب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔

ہاں۔ ہاں۔ پوچھو بھائی۔ اجازت ہے۔

شاہ جی۔ یہ ہمارے صاحب بھی وہاں پینے پلانے کا سلسلہ کرتے ہیں۔

نہیں ---- بالکل نہیں --- یہ تو مولوی آدمی ہے۔ اڈے پر ہم لوگ شراب پی رہے

ہوتے ہیں۔ یہ وہاں ایک کونے میں بیٹھا نماز پڑھا کرتا ہے۔

تو پھر وہاں جاتے کیوں ہیں۔ اگر نماز ہی پڑھنی ہے تو یہاں آرام سے وقت پر پڑھ کر سو جایا کریں۔ شراب بھی نہیں پیتے۔ عورتوں کی طرف مائل نہیں ہوتے تو پھر وہاں جانے کا مقصد کیا ہے۔

اللہ یار خان۔ شاعر آدمی ہیں۔ میرے جگری دوست ہیں۔ میری وجہ سے وہاں جاتے ہیں۔ ان کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ نہیں۔

اچھا شکر ہے اللہ کا۔ یہ بری عادت ان کو نہیں پڑی۔ عدم صاحب ہلکا سے مسکرا پڑے اور پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اللہ یار خان' عدم صاحب کو رخصت کرنے کے لئے بیریر (Barrier) تک آیا۔ وہ بیریر پر پہنچے ہی تھے کہ سامنے سے ہماری کار آ کر ان کے پاس رک سی گئی۔ زاہدہ عدم صاحب کو نہ جانتی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ اللہ یارخان کے قریب جا کر روکو۔ اس نے کار ان دونوں کے بالکل پاس لا کر روکی۔

میں نے چپکے سے زاہدہ کو بتایا۔

زاہدہ' عدم صاحب مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اب واپس جا رہے ہیں۔ اچھا ہوا میں وقت پر واپس آ گیا ہوں۔

اچھا یہ ہیں عدم صاحب۔ جن پر تم اس قدر فریفتہ ہو۔

جی حضور یہی ہیں عدم صاحب۔ اردو غزل کے بادشاہ۔

میں گاڑی سے اتر کر ان کے پاس آیا اور میں نے عدم صاحب کو سلام کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے کسی بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہو اور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوں۔

ارے بھائی یہ خاتون کون ہیں۔ عدم صاحب نے تجسس بھرے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

حضور یہ محترمہ میری ملنے والی ہیں۔

وہی جس سے تم' ہم سے چھپ چھپ کر ملتے ہو۔

جی وہی۔ جسے آپ میری ماسی کہتے ہیں۔ عدم صاحب ہلکا سے مسکرا دیئے۔

زاہدہ تم نیچے آؤ۔ ایک عظیم آدمی سے میں تمہاری ملاقات کراؤں۔

جی اچھا۔ آتی ہوں ---- اور وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ خالص لکھنوی انداز میں عدم صاحب کے قریب آ کر اس نے انہیں سلام کیا۔

محترمہ بہت شکریہ آپ کا۔

عدم صاحب اب آپ بغور ان کا جائزہ لیں۔ آپ مجھے یہ بتائیں۔ یہ عمر اور وضع قطع

سے میری ماسی لگتی ہیں۔ یا آپ میرے ماموں نظر آتے ہیں۔
محترمہ دیکھا آپ نے۔ یہ کتنا شیطان ہے۔
حضور آپ کے ساتھ جو رہتا ہوں۔ کچھ تو مجلس کا اثر ہونا چاہئے۔
اہل مجلس کی تمام شیطانی حرکات تم نے میرے پلڑے میں ڈال دی ہیں۔ عدم صاحب نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

- محترمہ آپ کو بھی شعر و شاعری کا کچھ شوق ہے۔ عدم صاحب نے زاہدہ سے پوچھا۔

حضور یہ خود ایک مجسم غزل ہیں۔ میں نے جواب دیا۔
ہاں بھئی یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ عدم صاحب نے مستحسن نظروں سے زاہدہ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔
تھوڑی دیر تک بیریر کے پاس کھڑے ہم اس طرح کی باتیں کرتے رہے۔ پھر عدم صاحب نے مجھ سے پوچھا۔
حضور اب مزید کیا پروگرام ہے۔
بس سر چینج کرتا ہوں۔ کھانا کھاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔
کھانا یار۔ ادھر ہی کھا لینا۔
نہیں سر۔ ہوٹل کا کھانا چٹپٹا تو ہوتا ہے لیکن مضر ہوتا ہے۔
ہاں تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے۔ تو پھر چلو تمہاری میس میں کھا لیتے ہیں۔
زاہدہ کو عدم صاحب نے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔
شاہ صاحب شکریہ آپ کا۔ مجھے تو خلش صاحب یہاں سے آگے لے کر نہیں جاتے۔ کہتے ہیں۔ جہاں فوجی رہتے ہوں وہاں خواتین کا آنا منع ہے۔
ہاں محترمہ یہ بات تو ٹھیک ہے۔ عدم صاحب نے میری بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
ٹھیک ہے شاہ صاحب۔ میں گاڑی میں بیٹھتی ہوں۔ آپ کھانا کھا کر آئیں۔ پھر میں آپ دونوں کو آپ کے اڈے پر ڈراپ کر کے گھر چلی جاؤں گی۔
میں اللہ یار خان کو کہتا ہوں وہ کھانا آپ کو ادھر لا کر دے دیتا ہے۔ آپ گاڑی کے اندر بیٹھ کر کھا لیں۔
نہیں شاہ صاحب شکریہ۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں رات کا کھانا رات کو دس بجے کے قریب کھاتی ہوں۔
میں اور عدم صاحب واپس چل دیئے۔ اللہ یار خان ہم دونو کے لئے کھانا میرے ٹینٹ ہی میں لے آیا۔ ہم دونوں نے بڑے آرام سے وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا میں نے کپڑے بدلے اور پھر

عدم صاحب کو ساتھ لے کر بیریئر کی طرف چل پڑے۔ میں نے یہ بارہا نوٹ کیا کہ جب کبھی زاہدہ چیک پوسٹ پر میرا انتظار کرتی تو یونٹ کے منچلے سپاہی اس کے ارد گرد منڈلانا شروع کر دیتے۔ وہ سب لوگوں سے بے نیاز ہو کر کار میں بیٹھی کوئی کتاب یا رسالہ پڑھنے میں مصروف رہتی۔ اس نے کبھی کسی آدمی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ آج بھی وہ بیٹھی رسالہ "ٹائم" پڑھ رہی تھی۔ ہم دونو جب اس کے قریب گئے تو تب وہ ہماری طرف متوجہ ہوئی اور اس نے جھک کر فرنٹ سیٹ کا لاک اندر سے کھولا۔ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے لگا تو زاہدہ نے مجھے پیچھے بیٹھنے کے لئے کہا اور وہاں عدم صاحب کو بیٹھنے کی دعوت دی۔

محترمہ آپ کا بہت شکریہ۔ عدم صاحب نے زاہدہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

سر۔ اب کہاں چلنا ہے۔ زاہدہ نے عدم صاحب سے پوچھا۔

آپ ہمیں ریلوے پل کراس کرنے کے بعد اتار دیں۔

دو تین منٹ کے بعد گاڑی راجہ اکرم صاحب کی ورکشاپ کے سامنے جا کر رک گئی۔ ہم دونو اتر گئے اور زاہدہ بازار کی طرف چلی گئی۔ ہماری یہی روٹین چلتی رہی۔ زاہدہ مجھے اپنے ساتھ لاہور اور کراچی لے جاتی تھی۔ میری اس غیر حاضری کو عدم صاحب بہت شدت سے محسوس کرتے اور روز شام کو ہمارے کیمپ آ کر اللہ یار خان سے پوچھتے اور مایوس ہو کر اکیلے ہی اڈے پر چلے جاتے۔ وہ اکثر اللہ یار خان سے کہا کرتے تھے۔

اللہ یار خان تمہارا صاحب بڑا کام کا آدمی ہے لیکن یہ سوہنی کڑی اس کو تباہ کر کے چھوڑے گی۔ اور پھر وہ دونو اس ضمن میں ایک دوسرے کی ہمنوائی کرتے۔ میں جب کبھی لاہور' کراچی سے واپس آتا اور ان سے ملاقات ہوتی تو وہ مجھے گلے لگا کر بے تحاشا چومنے لگ جاتے اور میرے شدت جذبات سے آنسو نکل آتے۔

○

عدم صاحب سوسائٹی کے کچلے ہوئے اور چھوٹے لوگوں کی دامے' درمے' قدمے' سخنے ہر طرح سے مدد کرتے وہ کسی جگہ پر بھی ہوتے۔ کوئی اہم سے اہم کام بھی کر رہے ہوتے اگر کوئی ضرورت مند ان سے ملنے آتا۔ اپنا کام چھوڑ کر اسے فورا اٹینڈ کرتے۔ اگر ان کے پاس پہلے سے کوئی آدمی بیٹھے ہوئے ہوتے تو نئے آنے والے آدمی کو الگ لے جا کر اس کی بات سنتے۔ تاکہ دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو' وہ بلا تفریق ہر ایک کو حضور کہہ کر مخاطب کرتے۔ میں نے کبھی ان کو کسی ماتحت یا چھوٹے آدمی کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے

ہوئے نہ دیکھا۔

گرمیوں کے دن تھے ایک دن وہ دوپہر کو پسینے میں شرابور بڑے گھبرائے ہوئے میرے دفتر میں آئے۔ میں اٹھ کر ان کو ملا۔ بے وقت آنے پر پوچھا۔

حضور! خیریت تو ہے۔ آپ بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔

بھئی بات ہی کچھ ایسی ہے۔

کیا ہو گیا۔

ارے بھائی وہ فضل حسین کشتی والا ہے ناں چاندنی راتوں میں گھنٹوں ہمیں دریائے جہلم کی سیر کرواتا ہے۔ اسے رات کو پولیس والے پکڑ کر تھانے لے گئے ہیں۔

اسے لے گئے اور آپ کو چھوڑ دیا۔

یار تمہیں تو ہر وقت مذاق کی سوجھتی ہے۔ میں کوئی اس کے ساتھ تھا کہ مجھے بھی گرفتار کر کے لے جاتے۔

آخر ہوا کیا ہے۔

صحیح بات تو پتہ نہیں۔ اس کی بوڑھی ماں بے چاری مرتی کھپتی میرے دفتر تک آئی ہے۔ اس نے بس اتنا ہی بتایا کہ فضلو کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔

پولیس لے گئی ہے تو ہم کیا کریں گے۔ وہ قانونی کارروائی کریں گے۔

یار نلش تو بڑا کمینہ آدمی ہے۔ ایک آدمی جو روز ہماری خدمت کرتا ہے۔ اب پریشانی میں مبتلا ہے تو ہم اسے اگنور (Ignore) کر دیں گے۔

آپ ہی بتائیں ناں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔

تم چلو میرے ساتھ۔ اسی وقت پولیس سٹیشن جاتے ہیں۔ اگر پولیس نے ابھی تک کوئی کارروائی نہ کی ہوئی تو اعجاز صاحب سے کہہ کر اسے وہاں سے ہی چھڑوا کر لے آئیں گے اور اگر ابتدائی رپورٹ درج کر دی ہوئی تو پھر عدالت سے اس کی ضمانت کروا لیں گے۔

ضمانتی کہاں سے لیں گے۔

کیوں آپ اور میں پاکستان کے شہری نہیں ہیں۔

حضور پاکستان کے شہری تو ہیں لیکن ضمانت دینے کے لئے غیر منقولہ جائداد کا ہونا ضروری ہے۔

خوئے بد را بہانہ بسیار۔ تم فوراً چلو میرے ساتھ۔

اچھا حضور چلتا ہوں۔

میں اسی طرح یونیفارم پہنے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑا۔ یونٹ آفس کے سامنے تانگہ مل

گیا۔ اس میں بیٹھ کر پولیس سٹیشن آ گئے۔ اعجاز صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ پوچھنے لگے۔

شاہ صاحب خیریت تو ہے۔ کیسے آنا ہوا۔

چودھری صاحب ہمارے ایک دوست فضل حسین ملاح کو کل رات کو پولیس والے گرفتار کر کے لے آئیں ہیں۔ ہمیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس نے کیا جرم کیا ہے۔

شاہ صاحب اس نے اپنی کشتی میں چار مردوں اور دو عورتوں کو بٹھایا ہوا تھا۔ پولیس کو مخبر نے اطلاع دی کہ اس کی کشتی میں کچھ آدمی شراب نوشی کر رہے ہیں اور غیر عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ ہم نے چھاپہ مارا۔ ان کے پاس سے دو بوتل دیسی شراب کی برآمد ہوئی اور دو حسین و جمیل نوجوان بدچلن عورتیں بھی وہاں سے ملیں۔ پولیس ان کو گرفتار کر کے لے آئی ہے۔ ہم نے اسی وقت ان کے متعلق ضروری قانونی کارروائی کی اور کاغذات کی تکمیل اسی وقت کر لی۔

اب فضل حسین آپ کے پاس حوالات میں بند ہے۔

جی نہیں۔ ان مردوں اور عورتوں کے ساتھ۔ پولیس اسے علاقہ مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں لے کر گئی ہوئی ہے۔

اب کیا کیا جا سکتا ہے۔

یہاں تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ بھی ہو گا وہ اب کورٹ میں ہو گا۔

تو آپ ہمیں کچھ گائیڈ کریں۔

آپ ایسا کریں کورٹس میں جا کر کسی وکیل کو انگیج (Engage) کریں۔ وہ ضمانت کی درخواست دے گا۔ ایک دو دن میں اس کی ضمانت ہو جائے گی۔ میں یا نلش صاحب اس کے ضامن بن سکتے ہیں۔ نلش صاحب ضمانت نہیں دے سکتے البتہ آپ دے سکتے ہیں۔ تصدیق نلش صاحب سے کروا لیں۔

آپ کا بہت شکریہ۔ ہم چلتے ہیں۔ کسی وکیل کو انگیج کرتے ہیں۔

کوئی آپ کا دوست وکیل وہاں ہے۔

جی چودھری محمد اقبال منہاس صاحب ہیں۔ ان کو جا کر ملتے ہیں۔

جلدی جائیں۔ وقت بڑا کم ہے۔ چودھری صاحب چلے نہ جائیں۔

جی بس فوراً جاتے ہیں۔

چلنے لگے تو اعجاز صاحب کہنے لگے۔

آپ کو ایک بات بتانی تو بھول گیا۔

وہ کیا۔

دو عورتیں جو فضل حسین ملاح کے ساتھ چالان ہوئیں ہیں وہی عورتیں ہیں جن کو ایس پی صاحب نے اس رات پکڑا تھا اور پھر آپ خلش صاحب اور راجہ اکرم صاحب انہیں چھڑوا کر لے گئے تھے۔ اب وہ عورتیں آپ دونوں کو وہاں دیکھیں گی تو رونے دھونے لگ جائیں گی اور اپنی گلو خلاصی کے لئے آپ کی منتیں کرنا شروع کر دیں گی۔

ہاں۔ اعجاز صاحب یہ بھی ایک پرابلم ہو گی۔ عدم صاحب نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

عدم صاحب کیا پرابلم ہے۔ ہم نے ان کا کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ بدچلن عورتیں ہیں۔ ان کا تو روز کا یہی معمول ہے۔ اس طرح ہماری پرسٹیج (Prestige) پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

خلش صاحب آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ لیکن بے چاری بے آسرا خواتین ہیں۔ حالت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسا کرتی ہیں۔ ہماری کیا پرسٹیج (Prestige) ہے۔

ضرورت مند آدمی کی مدد کرنا ہی تو انسانیت کی معراج ہے۔

چاہے اپنی عزت سرعام نیلام ہو جائے۔

چلیں آپ فضلو کی ضمانت دے دیں ان دونو کی ضمانتیں میں دے دوں گا ---- عدم صاحب نے صلح جویانہ انداز میں کہا۔

ہم کچہریوں میں پہنچے تو اقبال منہاس صاحب سے جاتے ہوئے ہماری ملاقات ہو گئی۔ وہ ہم دونوں کے دوست تھے۔ ان کو سب بات بتائی وہ ہمارے ساتھ اٹھ کر علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں آئے۔ ابھی تک سب حوالاتی عدالت کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ عدم صاحب نے فضل حسین سے جا کر معانقہ کیا۔ انہوں نے اس کی ڈھیر بندھائی۔ شاہدہ اور نسیمہ نے عدم صاحب کو دیکھا تو مسکراتی ہوئی ان کے پاس آ گئیں۔ آتے ہی شاہدہ نے ان کو سلام کیا۔

کیوں شاہدہ تم یہاں کیوں آئی ہو۔ عدم صاحب نے اس انداز سے پوچھا گویا انہیں اس واقعہ کا کوئی علم ہی نہیں۔

شاہ جی۔ پولیس والوں نے مفت میں پکڑ لیا ہے۔

بی بی۔ مفت میں تو نہیں پکڑتے کوئی بات ضرور ہو گی۔

جناب ہم دونو بھی فضل حسین کے ساتھ کشتی کی سیر کر رہی تھیں۔

اور بھی کوئی آدمی تھا۔

ہاں یہ آدمی بھی تھے۔ اس نے نہایت بے اعتنائی سے ان چار آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ کون ہیں۔
فضل حسین ان کو جانتا ہو گا۔ ہم دونوں تو ان کو نہیں جانتیں۔
فضل حسین نے تمہیں ان لوگوں کے لئے بلایا تھا۔
جی نہیں۔ ہم اپنے طور پر سیر کے لئے گئی تھیں۔
تمہارے آنے سے پہلے یہ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے۔
جی ہمارے آنے سے پہلے یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔
تم دونو نے ان کی کوئی ٹہل سیوا کی۔
توبہ۔ توبہ۔ شاہ جی۔ ہم کوئی ایسی ویسی ہیں۔ آپ کے ساتھ تعلق ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس قماش کی عورتیں ہیں۔
عدم صاحب چھوڑیں ان کو یہ تو حج کر کے آئی ہوئی ہیں۔ جس کام کے لئے آئے ہیں۔ وہ کام کریں۔
چپ رہو جی تم۔ شریف آدمی دوسرے کی باتوں میں مداخلت نہیں کرتے۔ اس بد قماش عورت نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔
شاہدہ بدتمیزی مت کرو۔ عدم صاحب نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
میں عدم صاحب کو ان خواتین کے پاس چھوڑ کر منہاس صاحب کے پیچھے کمرہ عدالت کے اندر چلا گیا۔ وہ ریڈر سے پولیس کی ابتدائی رپورٹ دیکھ رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو کہنے لگے۔
خلش صاحب۔ اپنے آدمی کا مچلکہ بھروائیں۔
حضور یہ مچلکہ کیا ہوتا ہے۔ میں نے لا علمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
یار تم دونو کی سمجھ میں یہ عدالتی اصطلاحیں نہ آئیں گی۔ چلیں میرے ساتھ۔ میرا منشی سارا کام کر دے گا۔
ہاں بھئی خلش اس ملاح کی ضمانت آپ دیں گے یا عدم صاحب۔ منہاس صاحب نے مجھ سے پوچھا۔
عدم صاحب دیں گے۔
نمبردار کی جگہ تصدیق کون کرے گا۔
آپ کر دیں۔ میں نے منہاس صاحب کو کہا۔
وکیل ضمانت نامہ تصدیق نہیں کیا کرتے۔
میں عدم صاحب کو کہتا ہوں وہ کوئی بندوبست کریں گے۔
آپ کو ضمانت نامہ تصدیق کرنے میں کیا امر مانع ہے۔ منہاس صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

ارے میاں میں فوجی سپاہی ہوں مجھے کیوں پھنساتے ہو۔
ارے کچھ نہیں ہو گا تم کر دو۔
منہاس صاحب کا منشی ضمانت کے فارم پر کر کے لے آیا۔ عدم صاحب ابھی تک ان لڑکیوں سے ہی گفتگو کر رہے تھے۔ وہ عورتوں سے بڑے مزے مزے کی باتیں کرتے تھے اور شاید اس طرح وہ آسودگی حاصل کرتے تھے۔ عورتوں کے ساتھ وہ جنسی تعلقات استوار نہ کرتے تھے میں نے ان کو آواز دی۔
حضور! ضمانت کے کاغذات تیار ہو گئے ہیں۔ وکیل صاحب کہہ رہے ہیں کہ آپ آکر ان پر دستخط کر دیں۔
اچھا بھیا آ رہا ہوں۔ وہ دھیمی چال سے چلتے ہوئے ہمارے پاس آ گئے۔
منشی نے ضمانت نامہ ان سے دستخط کروا لیا۔ منہاس صاحب کہنے لگے۔
عدم صاحب ضمانت نامہ تصدیق کرنے کے لئے کسی نمبردار کا انتظام کریں۔
حضور میں تو کسی کو جانتا نہیں ہوں۔
تو پھر کام کیسے چلے گا۔
میں خلش صاحب کو کہتا ہوں یہ کوئی بندوبست کر دیں گے۔
خلش صاحب خود تصدیق کر دیں۔
یہ کر سکتے ہیں۔
فوجی آفیسر ہیں۔ یقیناً" کر سکتے ہیں۔
تو پھر تو کوئی تکلیف ہی نہیں۔
عدم صاحب نے ضمانت نامہ میری طرف دستخط کرنے کے لئے بڑھایا۔ میں نے ان کو تنگ کرنے کے لئے کہا۔
منہاس صاحب۔ میں عدم صاحب کی ضمانت تصدیق نہیں کرتا۔
وہ کیوں۔
جناب اس لئے کہ ان کی پراپرٹی تو کوئی ہے نہیں۔ ضمانت ضبط ہو گئی۔ تو یہ حضرت کہاں سے ضمانت نامہ کی رقم ادا کریں گے جو ان کی تصدیق کرے گا اسے ہی وہ رقم ادا کرنے پڑے گی۔
چلئے آپ میرے لئے کر دیجئے۔
آپ کہتے ہیں۔ تو کر دیتا ہوں لیکن صرف ملاح کا ضمانت نامہ تصدیق کروں گا۔
اور کس کا ہے۔

ارے بھئی آپ کو پتہ نہیں ہے۔ حضرت ایک گھنٹے سے ان دو سوہنی کڑیوں کو گھیر کر کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ کڑیاں بھی بڑی چالاک ہیں۔ حضرت سے کچھ بنتا بناتا تو ہے نہیں۔ بس ٹھرک جھاڑنے کے لئے اور محض ان کی قربت حاصل کرنے کے لئے ان کی ضمانت بھی یہ ضرور دیں گے۔ چاہے وہ کل ہی ضبط ہو جائے۔ اور مجھے یقین ہے ان لڑکیوں کی ضمانتیں تو ضرور ضبط ہوں گی۔

منہاس صاحب یہ تو ایسے ہی بکواس کر رہا ہے۔ غریب لڑکیاں ہیں۔ میں انسانی ہمدردی تحت اگر کبھی کبھار ان کی مدد کر دیتا ہوں۔ تو یہ جل جاتا ہے چونکہ وہ چھوکریاں اسے تو گھاس ڈالتی نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ان کے خلاف ہوا ہوا ہے۔

بھئی آپ لوگ یہ فضول بحث چھوڑیں۔ فارموں پر دستخط کریں تاکہ میں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کر کے ان سب کی ضمانتیں کروا دوں۔

منہاس صاحب۔ ان لڑکیوں کے ضمانت ناموں پر میں دستخط نہیں کروں گا۔ میں نے سنجیدہ ہو کر اپنا آخری فیصلہ دیا۔

منہاس صاحب فضل حسین کے کاغذ مجسٹریٹ صاحب کے پاس لے گئے۔ مجسٹریٹ صاحب نے اسے بلایا۔ پھر پوچھا۔ ضمانت کون دے رہا ہے۔

حضور میں دے رہا ہوں۔

آپ کا نام کیا ہے۔

سید عبدالحمید عدم۔

مجسٹریٹ نے ان کا نام سنا تو وہ شل ہو گیا۔ وہ ان کے منہ کی طرف ہی دیکھتا رہ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا۔

تصدیق کون کرے گا۔

جناب میں تصدیق کروں گا۔

آپ تو فوجی افسر ہیں۔ شاعر بھی ہیں اس نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

یہ دونو باتیں ضمانت نامہ تصدیق کرنے میں ہرگز مانع نہیں۔ میں نے ضمانت نامہ تصدیق کر دیا۔

مجسٹریٹ نے۔ فضل حسین کو دو ہزار کی حاضر ضمانت پر رہا کر دیا۔ پولیس کو مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ فضل حسین ملاح کی ہتھکڑی کھول دو۔

پولیس والوں نے اس کی ہتھکڑی کھول دی۔ وہ آ کر عدم صاحب کے پاوں پر گر گیا۔ عدم صاحب اس کو پکڑ کر اٹھاتے تھے۔ وہ اٹھتا ہی نہ تھا۔ باقی حوالاتیوں کا پولیس والے ریمانڈ لے کر

ان کو واپس جوڈیشل حوالات کی طرف لے گئے۔ شاہدہ میرے قریب سے گزرنے لگی۔ تو اس نے مجھ سے کہا۔ کپتان صاحب "ہم نے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑا" "جہاں بھی موقعہ ہوتا ہے ہم آپ لوگوں کی خدمت ہی کرتی ہیں" میں کچھ نہ بولا پولیس والے اس کو بازو سے پکڑ کر عدالت سے باہر لے گئے۔

عدم صاحب میرے پاس آ کر کہنے لگے۔ فضل حسین کا تو کام بن گیا ہے۔ اور اگر تم ان دو لڑکیوں کی ضمانت دے دو تو میں تصدیق کر دوں گا۔

عدم صاحب آپ کیوں میرا منہ کالا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

حضور یہ تو نیکی کا کام ہے۔

نیکی کے اس نام نہاد کام میں بھی بدنامی کا پہلو ہے۔ جو بھی جاننے والا سنے گا کہ عدم صاحب اور خلش نے ان بدقماش عورتوں کی عدالت میں جا کر ضمانتیں کروائی ہیں۔ تو سب لوگ یہی کہیں گے۔ کہ ان کا ان بری عورتوں سے کیا تعلق ہے کوئی بات ہے تو تب ضمانت دی ہے۔

ارے میاں لوگ کہتے رہتے ہیں۔

عدم صاحب نے پولیس حوالدار کے پاس جا کر اسے کہا۔

حوالدار جی۔ آپ اگر دو منٹ ٹھہر جائیں۔ تو میں اپنے وکیل سے بات کر کے ان خواتین کی درخواست ضمانت پیش کرنے لگا ہوں۔

جناب آپ ضرور کریں۔

بھائی آپ ان کو لے نہ جائیں گا ناں۔

شاہ جی ان کا تو اب ریمانڈ عدالت نے دے دیا ہے۔ اگر آپ درخواست دیں گے بھی تو مجسٹریٹ صاحب چار دن کا نوٹس ضرور دیں گے۔

یہ اب چار دن تک اندر ہی رہیں گی۔

صاف ظاہر ہے۔

اچھا میں وکیل صاحب سے بات کرتا ہوں۔

منہاس صاحب ابھی تک مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں کھڑے ہوئے تھے عدم صاحب نے ان کو کمرہ عدالت سے باہر بلا کر بڑے ہی دھیمے لہجے میں کہا۔

منہاس صاحب یہ لڑکیاں آپ کے ہوتے ہوئے جیل میں چلی جائیں گی۔

عدم صاحب میں کیا کر سکتا ہوں۔ جب ان کی ضمانت دینے والا کوئی نہیں۔ تو پھر ان کو جوڈیشل لاک اپ میں تو جانا ہی پڑے گا۔

ان کی ضمانت میں دینے کیلئے تیار ہوں۔

تصدیق کون کرے گا۔

خلش جو ہے۔

وہ بڑا ٹیڑھا آدمی ہے۔ ایک دفعہ انکار کر چکا ہے۔ تو کبھی تصدیق نہیں کرے گا۔

حضور میں اس سے دستخط کرالوں گا۔

آپ آئیں پہلے چل کر مجسٹریٹ صاحب سے بات کرتے ہیں۔

چلیں حضور۔

مسٹر اقبال منہاس ایڈوکیٹ اور عدم صاحب واپس مجسٹریٹ صاحب کے پاس آگئے۔ وہ کام سے فارغ ہو کر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ منہاس صاحب نے جب ان کو سلام کیا تو وہ ان سے کہنے لگے۔

کیوں منہاس صاحب کوئی پرابلم ہے۔

ہاں سر یہ میرے بڑے ہی عزیز ترین دوست سید عبدالحمید عدم ہیں۔ آپ نے ان کا نام سنا ہو گا۔ یہ پاکستان کے بڑے نامور شاعر ہیں۔ جی ہاں سنا ہے۔ عدم صاحب کو بھلا کون نہیں جانتا ابھی انہوں نے ایک آدمی کی ضمانت دی ہے۔

جناب اسی ضمن میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

فرمایئے۔

ان حوالاتیوں میں دو عورتیں تھیں۔ عدم صاحب نے مجھے ان کی ضمانت کے لئے بھی کہا تھا۔ غلطی سے میں ان کی درخواست نہیں پیش کر سکا۔ اور پولیس والے ریمانڈ لے کر چلے گئے ہیں۔

عدم صاحب کیوں ان کی ضمانت کروانا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحب وہ تو بد چلن عورتیں ہیں۔ ہفتہ دس دن میں پولیس ان کو کسی نہ کسی جرم میں پکڑ کر میری عدالت میں لے آتی ہے۔ اگر آپ نے ان کی ضمانت دی تو آپ کا یہ ایکٹ آپ کے لئے بدنامی کا باعث ہو گا۔

حضور! بے چاری غریب عورتیں ہیں۔ آپ مہربانی فرمائیں۔ انہیں بیل آوٹ (bail out) کر دیں۔

چلیں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔ آپ بھی میری ایک بات مانیں۔

فرمائیں۔ جناب عالی۔

ضامن کوئی دوسرا آدمی ہو۔ آپ ضمانت نہ دیں۔

حضور میرا جگری دوست میرے ساتھ ہے اسے میں کہوں گا۔ وہ دونوں کی ضمانت دے دے گا۔

خلش ہمدانی۔ آرمی آفیسر ہے۔ کون ہے وہ۔

شاہ صاحب وہ ینگ آفیسر تو مجھے بڑا تند خو نظر آتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے جب اس کو آپ کی ضمانت تصدیق کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو انہوں نے مس بی ہیو (mis be have) کیا۔ میں نے فوجی افسر سمجھ کر در گزر کر دیا۔ وہ نہیں کرے گا۔ عدم صاحب نے عدالت سے باہر آکر مجھے آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔

کیوں عدم صاحب خیریت تو ہے۔

مجسٹریٹ صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔

اچھاچلیں۔ میں عدم صاحب کے ساتھ کمرہ عدالت میں گیا۔ مجسٹریٹ صاحب کو فوجی انداز میں سیلوٹ کیا۔ اس کی انا کو کچھ تسکین ملی۔

سر آپ نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ میں نے مجسٹریٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

عدم صاحب آپ ان سے بات کریں۔ مجسٹریٹ نے عدم صاحب کو کہا۔

بھائی خلش بات یہ ہے۔ میں نے اور منہاس صاحب نے ان دونوں لڑکیوں کے متعلق مجسٹریٹ صاحب سے بات کی ہے وہ اس شرط پر ان دونوں کو بیل آوٹ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کہ اگر خلش ہمدانی ان کی ضمانت دیں تو میں ان کی ضمانت لے لیتا ہوں۔

عدم صاحب مجھے ان لڑکیوں سے کیا دلچپی ہے۔ میں ان کی ضمانت دے کر یہ کلنک کا ٹیکہ نہیں لگوانا چاہتا۔ ڈیفنس آفیسرز کے لئے تو ویسے بھی اس طرح کے معاملات میں الجھنا بڑی ہتک کی بات ہے۔

نہیں حضور کچھ نہیں ہوتا۔

نو۔ عدم صاحب آئی۔ ایم۔ ساری۔ یہ میں نہیں کر سکوں گا۔

یہ باتیں کر کے میں کمرہ عدالت سے باہر نکل آیا۔ وہاں سے تانگے پر بیٹھا اور سیدھا کیمپ میں آگیا۔ نہ جانے کس طرح عدم صاحب مرتے کھپتے گھر پہنچے اس شام کو ان کے آنے سے پہلے ہی میں کیمپ سے نکل کر زاہدہ کے پاس اس کی کوٹھی پر چلا گیا۔ وہ اپنی جگہ پر ناراض تھی۔ کہ میں اسے بہت تھوڑا وقت دیتا ہوں۔ زیادہ وقت ناؤ نوش کی محفلوں میں گزراتا ہوں میں قسمیں کھا کر اسے یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ میں شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ لیکن جس بری حالت میں اس نے پہلی ملاقات پر مجھے دیکھا تھا وہ نقوش اس کے ذہن سے نہیں مٹتے تھے۔

عدم صاحب شام کو اڈے پر جاتے ہوئے مجھے لینے کیمپ آتے اور میری عدم موجودگی کا سبب اللہ یار خان سے پوچھتے وہ کہتا شاہ جی کیا پوچھتے ہیں یہ سوہنی کڑی تو ان کو برباد کر کے چھوڑے گی۔

اللہ یار خان اس نے اسے برباد کر ہی دیا ہے۔ اور کیا برباد کرے گی۔ وہ کم بخت بھی ایک مستقل آگ میں جل رہی ہے۔ اسے بھی جلا کر راکھ کر دے گی۔

شاہ صاحب کوئی ترکیب سوچیں اس کڑی سے میرے صاحب کی جان چھوٹ جائے۔

اللہ یار خان آپ بزرگ آدمی ہیں۔ اس لڑکے کو سمجھایا کریں۔ عدم صاحب کا اشارہ میری طرف تھا۔

شاہ صاحب میں تو بہت سمجھاتا ہوں لیکن آج کل کے جوان سنتے کہاں ہیں۔

عدم صاحب اور اللہ یار خان تھوڑی دیر وہاں بیٹھے مشترکہ تجویزیں سوچتے رہتے پھر چائے پی کر مجھے کوستے ہوئے اڈے پر چلے جاتے۔

رات کا کھانا میں نے زاہدہ کے ساتھ کھایا۔ وہ دس بجے کے قریب مجھے اپنی کار پر کیمپ آکر چھوڑ گئیں۔ واپس آیا تو پہلے تو اللہ یار خان کی جھڑکیاں اور ملی جلی نصیحتیں سننی پڑیں جب میں نے کچھ جواب نہ دیا تو خاموشی اختیار کرتے ہوئے اس گھسے پٹے موضوع پر مزید سر کھپائی کی کوشش نہ کی چونکہ اسے پتہ تھا کہ اس کے نصیحتیں مجھ پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔ میں لباس تبدیل کر چکا تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔

سر اب کھانا لے آوں۔

نہیں اللہ یار خان میرے طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں کھانا نہیں کھاوں گا۔

سر شام کو تو آپ کی طبیعت ٹھیک تھی۔ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔

بس ایک دم سر میں بڑا شدید درد شروع ہو گیا۔

آپ کے جانے کے تھوڑی دیر کے بعد عدم صاحب آئے تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتے رہے پھر کوستے ہوئے چلے گئے۔

عدم صاحب تو نیک بخت آدمی ہیں میرے اور بھی تو کام ہیں۔

سر آپ کہاں چلے گئے تھے۔ وہ بہت ناراض ہو رہے تھے۔

اللہ یار خان شہر میں میرے اور بھی تو دوست ہیں۔ بہت دن ہوئے ہیں۔ افتخار یوسف زئی اور روف ظفر سے نہیں ملا تھا۔ ان کے پاس چلا گیا تھا۔

کھانا کہاں کھایا۔

ہم تینوں نے افتخار کے ہاں کھانا کھایا۔

افتخار صاحب جو ڈاکٹر ہیں۔ تحصیل روڈ پر جن کا گھر ہے۔

افتخار صاحب خود ڈاکٹر نہیں ہیں۔ ان کے والد ڈاکٹر ہیں۔ گھر ان کا تحصیل روڈ پر ہی ہے۔

سر میں نے سوچا کہ شاید آپ اس سوہنی کڑی کی طرف چلے گئے ہیں۔ چونکہ آج وہ آپ

کا پوچھنے نہیں آئی۔

اس سے بازار میں ملاقات ہو گئی تھی۔ اچھااللہ یار خان اب تم جا کر سو جاو مجھے نیند آئی ہوئی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔ اللہ یار خان حقہ اٹھا کر اپنے ٹینٹ کی طرف چلا گیا اور میں فوراً ہی بستر میں لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مجھے میٹھی نیند آگئی اور میں سو گیا۔

○

دوسرے دن میں ابھی دفتر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک عدم صاحب کو اپنے مخصوص انداز میں سگریٹ پیتے ہوئے جھومتے جھامتے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ میں ان کو دیکھ کر سہم سا گیا۔ کل کی اپنی کارستانیاں میری نظروں کے سامنے تھیں۔ میرا خیال تھا۔ وہ آتے ہی مجھے ڈانٹیں گے۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کریں گے۔ میں نے اٹھ کر ان کی پذیرائی کی۔ وہ مسکراتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے۔ پھر مجھ سے کہنے لگے۔

خلش صاحب کل تمہاری شاید دل شکنی ہوئی ہے۔ تم ناراض ہو کر وہاں سے چلے آئے تھے۔ میں شام کو وقت سے پہلے یہاں آیا تھا کہ تمہیں منا کر لے جاؤں گا لیکن میرے خدشات درست نکلے۔ تم میرے آنے سے پہلے کہیں اور چلے گئے تھے۔ بھائی میں معافی مانگتا ہوں۔ ان لڑکیوں کی ضمانت میں نے خود دے دی تھی اور مجسٹریٹ صاحب کے کہنے پر منہاس صاحب نے تصدیق کر دی تھی۔ پیارے مجھے اس قصور میں تو ملوث نہ کرو۔

میں دل میں سوچنے لگا۔ یہ شخص کتنا عظیم آدمی ہے۔ غلطی میری تھی۔ بدتمیزی میں نے کی تھی۔ یہ عظیم آدمی الٹا مجھ جیسے کمتر آدمی سے معافی مانگ رہا ہے۔ میری ندامت سے آنکھیں جھک گئیں۔ چند لمحوں کے لئے شاید انہوں نے میرے جواب کا انتظار کیا۔ میں مجرموں کی طرح سر جھکا کر کھڑا تھا۔ انہوں نے پھر مجھے اپنی چھاتی سے لگا لیا اور کہنے لگے۔

خلش میرے بھائی۔ ان فضول لڑکیوں کی وجہ سے تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے مجھے چوم لیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے شفیق باپ نے کسی ہلکی سی لرزش کے بعد مجھے منانے کے لئے مجھے چوم لیا ہو۔ عدم صاحب کا وہ اخلاص۔ درد مندی اور پدرانہ شفقت تھی اسے میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔

آفس اردلی کو میں نے چائے لانے کے لئے کہا۔ چائے اردلی لایا ہی تھا کہ میجر افضل صاحب بھی آ گئے۔ عدم صاحب کو دیکھ کر وہ بھی ادھر ہی آ گئے۔ ہم تینوں نے مل کر چائے پی۔ اس دوران میں عدم صاحب نے میجر افضل سے کہا۔

میجر صاحب۔ خلش صاحب کو دو دن کی چھٹی دیں۔
کیوں شاہ صاحب خیریت تو ہے۔
خیریت ہے ---- آج رات چکوال میں مشاعرہ ہے۔ ہم دونوں نے وہاں جانا ہے۔
ٹھیک ہے جناب ان کی دو دن کی چھٹی منظور ہو گئی ہے۔
عدم صاحب نے ایک کاغذ پر درخواست لکھی۔ مجھ سے دستخط کروائے اور پھر میجر صاحب سے اس پر تحریری طور پر منظوری حاصل کی۔ درخواست ایک کلرک کو بلا کر دی کہ یہ فائل میں رکھ لینا۔

○

عدم صاحب اور میں ہم دونوں ٹینٹ میں آئے۔ میں نے یونیفارم اتاری۔ دوسرا لباس پہنا اور پھر مختصر سا سامان ایک اٹیچی کیس میں رکھا اور بسوں کے اڈے کی طرف چلے گئے۔ مرتے کھپتے کوئی تین بجے کے لگ بھگ چکوال جا پہنچے۔ عدم صاحب کے ایک دوست تھے جعفری صااحب۔ وہ کسی سرکاری محکمہ میں کوئی چھوٹے سے افسر تھے۔

جعفری صاحب نے بڑے اعلیٰ طریقے سے ہماری پذیرائی کی۔ ہمارے ٹھہرنے کا انتظام مین روڈ پر ایک ہائی سکول تھا اس میں انہوں نے کیا تھا۔ رات کو مشاعرے کا انعقاد بھی وہاں ہی ہونا تھا۔ مشاعرہ شب نو بجے تھا۔ شام کو غروب آفتاب کے بعد عدم صاحب نے جعفری صاحب کو بلوایا اور ان سے پوچھا۔

جعفری صاحب حضور ۔ میرے راشن پانی کا کوئی انتظام ہے۔
جناب بالکل ہے۔ آپ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ آپ کے اعزاز میں ایک عظیم الشان ڈنر کا انتظام کیا گیا ہے۔ جس میں سب ضلعی حکام بھی شریک ہوں گے۔
نیک بخت آدمی۔ راشن پانی سے میری مراد کھانا نہیں ہے۔
تو پھر کیا ہے۔ آپ از راہ کرم وضاحت فرما دیجئے۔
حضور میں تو شاعر آدمی ہوں۔ پیتا پلاتا ہوں تو تب شعر پڑھنے اور سنانے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔
شاہ صاحب۔ یہ تو بہت مشکل ہے۔ جہلم سے ڈپٹی کمشنر صاحب آئے ہوئے ہیں۔ آپ کو پتہ ہی ہے وہ تو نمازیں پڑھاتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تو ناؤ نوش کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قصہ تو مشکل ہو گا۔

تو حضور پھر مجھے تو معاف ہی فرمائیں۔ میں اور خلش صاحب تو اس مشاعرے میں شریک نہ ہو سکیں گے۔

شاہ صاحب۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کو مشاعرے کے انعقاد کا پتہ ہے۔ اور یہ بات بھی ان کو بتا دی گئی ہے کہ آپ دونوں حضرات اس مشاعرے میں شرکت فرمائیں گے۔

جعفری صاحب۔ آپ ہمارے دارو کا سرکاری طور پر انتظام نہ کریں۔ ویسے ہمیں لا دیں۔ میں مشاعرے سے پہلے دو چار پیگ پی لوں گا۔ موڈ ذرا ٹھیک ہو جائے گا۔ مشاعرے کے اختتام پر میں اپنا شغل کر لوں گا۔

عدم صاحب یہ تو بہت مشکل ہے۔ اگر نواب صاحب کو اس بات کا پتہ چل گیا تو وہ مجھے نوکری سے نکلوا دیں گے۔

تو نیک بخت آپ نے مجھے شرکت پر کیوں آمادہ کیا۔

جناب کیا کروں۔ یہاں کے لوگوں کی یہ خواہش تھی۔

تو آپ ایسا کریں۔ آپ ہمیں مشاعرہ پڑھنے کے پانچ سو روپے دے دیں۔ ہم اپنا کوئی انتظام کئے لیتے ہیں۔

عدم صاحب یہاں چکوال میں آپ کو شراب کہیں سے بھی نہ ملے گی۔

آپ پیسے تو ہمیں دیں۔

جعفری صاحب بڑا بیدست پاسا آدمی تھا۔ پیسے دینے سے بھی اس نے معذوری ظاہر کی۔ مجھے طیش آ گیا۔ میں نے عدم صاحب کو کہا۔

عدم صاحب آپ نے ان شریف لوگوں سے یہ سب باتیں پہلے طے کرنا تھیں۔ اب یہ آپ کو کچھ بھی نہیں دیں گے۔ اور میرا خیال ہے کہ نوبت یہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔ کہ یہ افسر شاہی یا تو ہمیں شراب نوشی کے جرم میں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دے گی' اور یا پھر جوتے مار مار کر چکوال بدر کر دے گی۔ اور بعد از خرابی بسیار چھپتے چھپاتے کہیں ہفتے بھر کے بعد جہلم جا پہنچیں گے۔ تب تک ملٹری اکاؤنٹینٹ جنرل صاحب آپ کی گمشدگی کا اشتہار اخباروں میں شائع کروا چکے ہوں گے۔ اور میرے افسران بالا میرے کورٹ مارشل کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔

ہم لوگ گھومنے کے لئے بازار کی طرف چلے گئے۔ چکوال ایک چھوٹی سی دیہاتی جگہ ---- تحصیل تھی۔ لیکن اس میں تحصیل والی کوئی بات نہ تھی۔ اس قصبے میں ہم دونوں کے جان پہچان والا کوئی آدمی نہ تھا۔ مین روڈ پر واقع ایک چھوٹی سی اخباروں' رسالوں اور کتابوں کی دکان نظر آئی۔ ہم ایک لمحے کے لئے وہاں رک گئے اور ایک اچٹتی سی نظر کتابوں پر ڈالی۔ عدم

صاحب کی تین چار کتابیں شیلف کی زینت تھیں۔ اس دکان پر دکان کا مالک اور ایک سیلز مین اور چند کسٹمرز کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی عدم صاحب کو بڑے غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کے کان میں آہستہ سے کچھ بات کی۔ پھر وہ آدمی مجھ سے پوچھنے لگا۔

جناب آپ کہیں باہر سے تشریف لائے ہیں۔

جی ہاں۔

کہاں سے۔

جہلم سے۔

یہاں کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔

آپ مجھے سی آئی ڈی کے انسپکٹر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے خوش طبعی کے انداز میں کہا۔

جناب آپ مائینڈ نہ کریں۔ ہم آپ کے ساتھی کے متعلق جاننا چاہتے ہیں کہ آیا یہ مشہور شاعر عبدالحمید عدم صاحب تو نہیں۔

جناب ہیں تو وہی لیکن اس وقت ان کو اپنی شاعری واعری سب بھولی ہوئی ہے۔

آپ حضرات رات والے مشاعرے میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

پرابلم کیا ہے۔ ہمیں بتائیں۔ اگر ہم آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں خوش ہو گی۔ پہلے آدمی نے کہا۔

چلئے کسی ہوٹل میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔

وہ نوجوان اور اس کا ساتھی قریب کے ایک معمولی سے ہوٹل میں ہمیں لے گئے۔ چائے پینے لگے تو اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔

اب جناب آپ بتایئے آپ کی کیا پرابلم ہے۔

جناب پرابلم، عدم صاحب کے لئے دارو کے حصول کی ہے یہ سنا ہے۔ چکوال سے یہ نہیں ملے گا۔ آخر اتنا بڑا قصبہ ہے۔ تحصیل ہے۔ کئی لوگ یہاں بھی پیتے ہوں گے۔ سب لوگ تو حاجی اور نمازیں پڑھنے والے لوگ نہ ہوں گے۔ اگر عدم صاحب کے لئے ڈرنک کا انتظام نہ ہو سکا تو یہ مشاعرہ نہیں پڑھ سکیں گے۔

ہاں یہ تو بڑی افسوس ناک صورت حال ہو گی۔ اس آدمی نے کہا۔

عدم صاحب ہم دونوں کی باتوں سے بے نیاز ہو کر اپنی درمیانی دونوں انگلیوں میں سگریٹ لئے لمبے لمبے کش لے کر دور خلا میں بے مقصد نظروں سے گھورے جا رہے تھے۔ اس نوجوان نے اپنے ساتھی کو بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا اور ہم سے ہٹ کر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھوڑی دیر

کے لئے وہ دونوں آپس میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ دونوں واپس آ کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وہ نوجوان جو ہمیں ساتھ لایا تھا۔ کہنے لگا۔

جناب! بات یہ ہے کہ چکوال میں تو شراب کا ملنا بہت ہی دشوار ہے۔ وہ مولوی صاحب ڈپٹی کمشنر کل سے دورے پر یہاں آیا ہوا ہے۔ جو لوگ چوری چھپے یہ کام کرتے ہیں۔ ان کی آمد کی وجہ سے وہ بھی بے حد محتاط ہوں گے۔ کسی ناواقف آدمی کو یہ چیز دیں گے نہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے بات کی ہے یہاں سے چند میل کے فاصلے پر بلکسر آئل فیلڈز ہیں۔ وہاں غیر ملکی انجینئر اوردوسرے افسران خاصی تعداد میں ہیں۔ وہاں وائن (Wine) اچھا بھی ہو گا اور مل بھی جائے گا۔

وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے۔

تلہ گنگ روڈ پر ہے۔ میرا خیال ہے چودہ پندرہ میل ہو گی۔ میں خود تو کبھی نہیں گیا۔ لیکن مجھے یقین ہے اتنی ہی ہو گی۔

وہاں تک ٹرانسپورٹ جاتی ہے۔

پبلک ٹرانسپورٹ تو نہیں جاتی۔ آپ مشاعرے کے منتظمین کو کہیں وہ انتظام کر دیں گے۔

جناب ہمارا تو وہاں کوئی واقف نہیں ہے۔ اجنبیوں کو نہ جانے وہاں جانے کی اجازت بھی ہے یا نہیں۔

اس سلسلے میں میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ وہاں کیپٹن ملک محمد خان صاحب لیبر آفیسر ہیں۔ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ میرے دوست ہیں۔

میں ان کے نام آپ کو تعارفی خط دے دوں گا۔

جناب آپ کی بڑی نوازش ہو گی۔

انہوں نے ہوٹل والے سے کاغذ لے کر کیپٹن صاحب کے لئے مجھے ایک تعارفی خط لکھ دیا۔ ہم جلدی جلدی واپس اپنے ٹھکانے پر آئے۔ جعفری صاحب کو جا پکڑا۔ ان کو ٹرانسپورٹ کی فراہمی کے لئے کہا۔ جعفری صاحب کافی چالاک قسم کے آدمی تھے۔ آسانی سے قابو آنے والے شخص نہ تھے۔ میں نے جب ان کو بتایا کہ اگر عدم صاحب کو میں وہاں سے چکر لگوا کر اور ان کی ڈیمانڈ پوری کر کے نہ لایا تو یہ ہرگز مشاعرہ نہ پڑھیں گے اور یہ آپ سب کے لئے اور بھی خراب ہو گا۔ قہر درویش' برجان درویش۔ چار و ناچار انہیں ٹرانسپورٹ کا انتظام کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک نہایت ہی واہیات سی جیپ غالباً" شروع شروع میں جب جیپ کمپنی نے جیپیں تیار کی تھیں۔ اس زمانے کی یہ جیپ تھی نہ اس کا چھت اور نہ سیٹیں۔ ہم نے اسے بھی غنیمت جانا۔

جیپ آ گئی۔ عدم صاحب حیرت و استعجاب کے عالم میں میرے منہ کی طرف دیکھنے لگ گئے جس سے ان کی بے کسی صاف مترشح تھی۔ انہوں نے مہمانی کی اس عزت مآب ڈرائیور کے سامنے مجھے سرزنش نہیں کی۔ چپکے سے ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے عدم صاحب سے پوچھا۔

جناب ---- کہاں جانا ہے۔

بلکسر آئل فیلڈز ---- عدم صاحب کی بجائے میں نے جواب دیا۔

وہ تلہ گنگ روڈ پر چل پڑا۔ ہم تینوں اپنی اپنی جگہ پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ عدم صاحب سگریٹ پہ سگریٹ پھونکے جا رہے تھے میں اس زمانہ قبل از مسیح کی یادگار جیپ میں ایک شکستہ سے کھوکھے پر بیٹھا تھا۔ وہ کھوکھا بھی غنیمت تھا ورنہ فرش پر بیٹھنا پڑتا۔ جیپ بڑی ہی خوفناک آوازیں نکالتی ہوئی آگے کو بڑھی جا رہی تھی اور اپنے پیچھے بڑی دور تک دھوئیں کی ایک واضح لکیر چھوڑ کر پیچھے آنے والوں کی راہنمائی کر رہی تھی۔ تقریبا چالیس منٹ کے بعد وہ بڑی سڑک سے دائیں ہاتھ کی طرف ایک چھوٹی سڑک پر مڑ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم آئل فیلڈز کے ایریا میں پہنچ گئے۔ گیٹ پر چوکیداروں نے ہمیں روک لیا۔ میں اتر کر نیچے گیا اور ان کو بتایا کہ ہم کیپٹن ملک محمد خان صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اندر جانے کی اجازت دے دی اور وہاں سے ہی کلب کی نشاندہی کر دی اور بتا دیا کہ اس وقت "کیپٹن صاحب آپ کو وہاں ملیں گے۔"

ہم کلب کے باہر پہنچے تو وہاں بڑی چہل پہل دیکھی۔ ایک ویٹر دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا۔

سر---- فرمائیے کیسے تشریف لائے ہیں۔

بھئی ہم کیپٹن محمد خان صاحب کے مہمان ہیں۔

اچھا صاحب آپ دو منٹ انتظار فرمائیں۔ میں ان کو اطلاع کرتا ہوں۔

تھوڑی ہی دیر میں ادھیڑ عمر کا ایک خوش شکل اور خوش لباس آدمی ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ عدم صاحب جیپ میں ابھی تک بیٹھے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کو سلام کیا اور عدم صاحب کا اور اپنا ان سے مختصر سے تعارف کروایا کیپٹن صاحب عدم صاحب کا نام سن کر کھل اٹھے۔

کہاں ہیں عدم صاحب ---- زہے قسمت۔ آج اس خطہ زمین کے بھی بھاگ جاگ اٹھے ہیں اتنا بڑا شاعر اس ویرانے میں۔

میں ان کو عدم صاحب کے پاس لے کر گیا۔ وہ بدستور آف موڈ ہو کر شکستہ دلی کے عالم میں ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے پاس جا کر تعارف کروایا۔ "کیپٹن صاحب یہ

کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ ان سرونٹس نے وہ سب سامان ہمارے سامنے اس میز پر لا کر رکھ دیا۔ کیپٹن صاحب نے تینوں پیگ سب کے سامنے ایک ایک کر کے رکھ دیئے۔ سوڈے کی بوتل کھولی اور پھر سکاچ کی بوتل کھولی۔ میں نے اس وقت دیکھا۔ عدم صاحب کے چہرے پر باطنی مسرت اور شادمانی کے آثار واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ میرے پیگ میں وسکی ڈالنے لگے تو میں نہ کہا۔

کپتان صاحب ---- میں معافی چاہتا ہوں۔ میں تو ڈرنک نہیں کرتا۔

کیوں کوئی دوسری منگوا دوں۔

جی نہیں۔ میں پیتا ہی نہیں۔

آپ کیسے آرمی آفیسر ہیں۔ اچھا بتایئے کیا پئیں گے۔

کوئی سا سافٹ ڈرنک۔

انہوں نے ویٹر کو آواز دے کر بلایا اور اسے دو بیر کی بوتلیں لانے کو کہا۔

عدم صاحب اور کیپٹن صاحب دونوں مزے لے لے کر آہستہ آہستہ نیٹ ہی پیتے رہے۔ کوئی ایک گھنٹے میں انہوں نے وہ بوتل ختم کر دی۔

"اور منگوائی جائے"۔ پیشتر اس کے کہ عدم صاحب کچھ جواب دیتے میں بول اٹھا۔ نہیں جناب۔ آپ کی مہربانی۔ ابھی ہم نے مشاعرہ بھی جا کر پڑھنا ہے۔ اگر انہوں نے مزید پی لی تو لمبی تان کر سو جائیں گے۔

کھانے کا کیا پروگرام ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

سر۔ کھانا کہیں مشاعرے کے بعد کھائیں گے۔

کھانا ادھر تیار ہے۔ کھا لیں۔ اس وقت تک دیر ہو جائے گی۔

کھانا کھا لیا جائے تو پھر مشاعرہ پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ ہمیں وہاں ہی بیٹھا چھوڑ کر اٹھ گئے اور ایک کاغذ کے بڑے سے لفافے میں عدم صاحب کے لئے سکاچ وہسکی کی ایک بوتل لپیٹ کر لے آئے۔ وہ پیکٹ میرے حوالے کرتے ہوئے کہنے لگے۔

یہ عدم صاحب کے لئے میری طرف سے ایک معمولی سا گفٹ (Gift) ہے۔

عدم صاحب کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی۔ کپتان صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

مشاعرہ کتنے بجے ہو گا۔

میں نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی۔ جناب یہ تو دیر ہو گئی۔ میں نے بے چینی اور اضطراب

ہیں سید عبدالحمید عدم صاحب" "اور یہ ہیں کیپٹن ملک محمد خان صاحب اس ادارے کے لیبر آفیسر۔"

عدم صاحب نے کیپٹن صاحب کا نام سنا تو گاڑی سے نیچے اتر کر بڑی ہی گرمجوشی کے عالم میں ان سے بغل گیر ہو گئے۔ وہ ان سے مل چکے تو انہوں نے کیپٹن صاحب سے میرا تعارف کروایا۔

کپتان صاحب یہ نوجوان شاعر بھی فوجی کپتان ہے۔ اور اسی علاقے کا رہنے والا ہے۔ کیپٹن صاحب بڑے تپاک سے مجھ سے گلے ملے۔ پھر پوچھنے لگے۔

عزیزم ---- آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔

سر۔ میرے گاؤں کا نام دندہ شاہ بلاول ہے۔ جو تلہ گنگ تحصیل میں ہے۔

کیپٹن صاحب وارفتگی کے عالم میں پھر ایک دفعہ مجھ سے لپٹ گئے۔ آپ تو میرے گرائیں ہیں۔ میں پنڈی گھیب کا ہوں۔ وہ ہم دونوں کو ساتھ لے کر کلب کے اندر چلے گئے۔ اندر تقریباً پندرہ سولہ آدمی تھے۔ ان میں چند آدمی بلیرڈ کھیل رہے تھے یہ سب کے سب انگریز تھے۔ ہندوستانی افسروں اور انجینئروں کی دو ٹولیاں الگ الگ دو میزوں پر بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں۔ اور ساتھ ہی شغل ناؤ نوش سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے ان آدمیوں نے کھیل سے اپنی توجہ ہٹا کر ہمیں بڑے غور سے دیکھا اور پھر اپنی گیمز میں منہمک ہو گئے۔

کیپٹن صاحب نے ہم سے پوچھا۔ فرمایئے آپ حضرات نے یہاں آنے کی زحمت کیونکر گوارہ فرمائی۔

کیپٹن صاحب۔ آج رات کو چکوال میں ایک محفل مشاعرہ منعقد ہو رہی ہے۔ ہم دونوں کو اس میں شرکت کے لئے جہلم سے بلایا گیا ہے آپ کو شاید پتہ نہ ہو گا۔ عدم صاحب بغیر ڈرنک کئے مشاعرہ نہیں پڑھ سکتے۔ چکوال میں وہ مولوی ڈپٹی کمشنر دورے پر آیا ہوا ہے سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ کہیں سے عدم صاحب کے لئے دارو کا انتظام نہیں کر سکے۔ اب عدم صاحب کا برا حال ہے۔ اگر انہیں ڈرنک نہ ملا تو مشاعرے میں بڑی بدمزگی ہو گی۔

عزیزم یہ تو کوئی ایسی پرابلم نہیں ہے۔ عدم صاحب جتنی چاہیں پئیں۔

کیپٹن صاحب آپ کی بڑی نوازش ہو گی۔

کیپٹن صاحب وہاں سے اٹھ کر بار کی طرف چلے گئے۔ ایک ویٹر ایک ٹرے میں سکاچ وہسکی کی ایک بوتل اور تین پیگ رکھ کر لے آیا۔ اس کے پیچھے ایک دوسرا سرونٹ پانچ چھ سوڈے کی بوتلیں اور چپس لے کر آگیا۔ ہم صوفوں سے اٹھ کر ایک میز کے اردگرد لگی ہوئی

کے عالم میں کہا۔

کیوں کیا وقت ہے۔ کیپٹن صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

سر۔ اب ساڑھے نو کا وقت ہے۔ مشاعرہ نو بجے شروع ہو گیا ہو گا۔ ہمیں وہاں پہنچتے پہنچتے آدھا پونا گھنٹہ مزید لگے گا۔

کیوں اتنا ٹائم تو نہیں لگتا۔ دس پندرہ منٹ لگتے ہیں۔ چلئے میں آپ کو چھوڑنے کے لئے آتا ہوں۔ اس بہانے مشاعرہ بھی سن لوں گا۔

ہاں کپتان صاحب ضرور چلئے۔ ہمیں بڑی خوشی ہو گی۔ عدم صاحب نے ایک گونہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں ذرا چینج کر لوں اور گاڑی منگوا لوں۔

دس منٹ کے بعد ہم چکوال کی طرف واپس آ رہے تھے۔ دس بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے کہ ہم نے ہائی سکول کے احاطے میں گاڑی جا کھڑی کی۔ عدم صاحب کو میں نے تھام کر گاڑی سے نیچے اتارا۔ کیپٹن صاحب نے گاڑی لاک کی۔ میں عدم صاحب کو لے کر ہال میں داخل ہوا۔ جونہی منتظمین اور سامعین کی نظریں عدم صاحب پر پڑیں۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ کافی دیر تک ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ ہال میں موجود سب لوگ بشمول صدر مشاعرہ عدم صاحب کو خوش آمدید کہنے کے لئے اپنی اپنی نشستوں پر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جعفری صاحب اور ان کے ایک اور ساتھی ہمارے استقبال کے لئے دروازے پر آئے اور ہمیں وہاں سے رسیو کر کے اپنی اپنی نشستوں تک لے آئے۔ عدم صاحب۔ کپتان صاحب اور مجھے پہلی رو میں نشستیں دی گئیں۔ ہمارے بالکل سامنے تقریباً تین چار گز کے فاصلے پر سٹیج تھا جس پر ڈپٹی کمشنر جہلم جناب نواب فتح اللہ خان صاحب تشریف فرما تھے اور صدارت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

عدم صاحب اگرچہ ہوش و حواس میں تھے لیکن محترم نواب صاحب نے ہم دونوں کو اس حالت میں دیکھ کر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ میری گستاخیوں کی وجہ سے اور عدم صاحب کے ساتھ کثرت مے نوشی کی وجہ سے وہ بیر رکھتے تھے۔ لیکن ہم دونوں نے اس کی باتوں کا کبھی کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور اس وجہ سے اسے ہمارے ساتھ اور زیادہ چڑ تھی۔ لیکن ہم دونوں ان کے حلقہ اختیار کی زد سے باہر تھے۔ اس لئے ہم اسے خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔

ہمارے محفل مشاعرہ میں پہنچنے سے پہلے تقریباً سب مقامی شعرا اپنا اپنا کلام سنا چکے تھے۔ جلد ہی میرا نام پکارا گیا میں نے ایک غزل پڑھی اور واجبی سی داد حاصل کی۔ میں جب سٹیج سے نیچے اترا تو حاضرین نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

عدم صاحب ---- عدم صاحب۔
سٹیج سیکرٹری نے عدم صاحب کے نام کا اعلان کیا۔ بہت دیر تک ہال متواتر تالیوں سے گونجتا رہا۔ میں نے آ کر عدم صاحب کو تھام کر اٹھایا اور پھر آہستہ آہستہ ان کو لاؤڈ سپیکر تک لے کر گیا۔ انہیں وہاں کرسی پر بٹھایا اور لاؤڈ سپیکر ان کے سامنے لا کر رکھا۔ میں ان کے پیچھے تھوڑی دور ہٹ کر سٹیج سیکرٹری کے پاس بیٹھ گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کثرت شراب نوشی کے باعث بہک نہ جائیں۔ لیکن میں نے ان کو اکثر موقعوں پر دیکھا وہ جب شعر پڑھنے کے لئے آتے تو ان کے ہوش و حواس بالکل ٹھیک کام کرتے اور وہ ایک نارمل آدمی کی طرح بی ہیو کرتے۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا۔ سب کچھ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ اور وہ مشاعرہ تقریباً گیارہ بجے اپنے اختتام کو پہنچا۔ اور حاضرین آہستہ آہستہ ہال سے نکل گئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اور ان کے رفقا نے آ کر عدم صاحب سے باری باری مصافحہ کیا۔ میں آگے نہ بڑھا کہ ممکن ہے نواب صاحب مجھ سے ملنا پسند نہ کریں۔ اس لئے میں اپنی جگہ پر بے اعتنائی سے کھڑا رہا۔ عدم صاحب کو ملنے کے بعد موصوف میری طرف متوجہ ہوئے۔
آپ کی تند خوئی میں کچھ فرق نہیں آیا۔
نہیں سر ---- میں تند خو نہیں ہوں۔ آپ کو مغالطہ لگا ہے۔
تھوڑی دیر وہ لوگ کھڑے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ عدم صاحب اپنی سوچوں کی منجدھار میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگاتے ہوئے میرے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ سب بیوروکریٹس نواب صاحب کے پیچھے چلتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے۔ اب چند مقامی شعرا اور مشاعرے کے منتظمین رہ گئے تھے۔ ان سب لوگوں نے عدم صاحب کے گرد حلقہ بنا لیا اور خوش گپیوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے جعفری صاحب کو بتایا کہ عدم صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ جلدی سے ہمیں کھانا دیں تاکہ ہم فارغ ہو کر سو جائیں۔
ان مقامی شاعروں میں ایک صاحب کہنے لگے۔ "صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ایسے موقعے زندگی میں روز روز تھوڑے میسر آتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد تو خصوصی نشست ہو گی۔ عدم صاحب کو جی بھر کر سنیں گے۔ سٹیج پر تو انہوں نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔
محترم۔ ہمیں افسوس ہے۔ ہم خصوصی نشست میں شرکت کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔ عدم صاحب علیل ہیں۔ آرام کرنا چاہتے ہیں۔ صبح سویرے پہلی بس سے ہم جہلم واپس جانا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں نے اپنی اپنی ڈیوٹی جائن کرنی ہے۔ وہ صاحب دل برداشتہ ہو کر چلے گئے۔
جعفری صاحب نے تین آدمیوں کا کھانا ہمارے کمرے میں بھیج دیا۔ کپتان صاحب نے

بھی کمال مہربانی سے کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایا۔ انہیں جانا تھا اس لئے عدم صاحب سے اجازت لے کر وہ چلے گئے۔ اور ہم تقریباً ایک بجے شب سو گئے۔ جلد ہی نیند آ گئی۔ صبح سویرے واپس جہلم جانا تھا۔ اس لئے میں سویرے اٹھا۔ نماز پڑھی۔ عدم صاحب کو بمشکل جگایا۔ وہ کسی طرح سے بھی اٹھنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ میری منت سماجت پر اٹھے۔ منہ ہاتھ دھویا۔ منتظمین مشاعرہ کا کہیں دور دور تک پتہ نہ تھا۔ شاعروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ مشاعرہ تک ہی ان کی خاطر مدارت ہوتی ہے اس کے بعد انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

قریب کے ایک ہوٹل سے جا کر ناشتہ کیا واپس اپنے کمرے میں آئے تو جعفری صاحب بھی آ گئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے آپ لوگ کہاں گئے تھے۔

ناشتہ کرنے' سامنے والے ہوٹل میں گئے تھے۔

یہ تو آپ نے زیادتی کی ہے۔ آپ لوگ میرے مہمان ہیں۔ ناشتہ ابھی تیار ہو رہا ہے۔

وہ آپ کر لیں۔ ہمیں جلدی واپس جانا ہے۔ اس لئے ناشتے کا انتظار نہیں کیا۔

جعفری صاحب نے پانچ سو روپے عدم صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ وہ جعفری صاحب سے کہنے لگے۔ "حضرت یہ رقم آپ خلش صاحب کو دے دیں۔" انہوں نے یہ رقم میری طرف بڑھائی تو میں سوالیہ انداز میں عدم صاحب کی طرف دیکھنے لگ گیا۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے پچکارتے ہوئے کہا۔ "رکھ لو"

حضور یہ جعفری صاحب آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اور یہ ناچیز یہ رقم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے ---- عدم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جعفری صاحب نے تالی بجا کر عدم صاحب کے اس رویے پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور میں نے وہ رقم وقتی طور پر جیب میں رکھ لی۔

○

عام طور پر مشاعروں سے واپسی کے وقت باہر سے آئے ہوئے شاعروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ یہ سب کو پتہ ہوتا ہے لیکن مشاعروں میں شرکت کا چسکا ہر بار ہمیں کشاں کشاں لے جاتا ہے۔ جعفری صاحب جلد ہی ہم سے اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ عدم صاحب کو پتہ تھا کہ گذشتہ رات کو کپتان صاحب نے سکاچ کی ایک بوتل ایک بڑے سے لفافے میں لپیٹ کر مجھے

دی تھی۔ وہ نہ میں نے کھول کر دیکھی تھی اور نہ ہی عدم صاحب نے۔ لیکن میرا خیال ہے عدم صاحب کو سرمستی کے عالم میں اتنا ہوش ضرور تھا کہ وہ اندازہ لگا سکیں کہ کیپٹن صاحب نے لفافے میں ملفوف مجھے جو بوتل دی تھی اس میں کیا ہو گا یا کیا ہو سکتا ہے۔

جب جہلم چلنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔ تو عدم صاحب مجھ سے کہنے لگے۔

حضور! کپتان صاحب نے رات کو آئل فیلڈز سے چلتے وقت لفافے میں لپٹی ہوئی آپ کو جو بوتل دی تھی۔ وہ کہاں ہے۔

اف۔ وہ تو ہم دونوں بھول ہی گئے اور کیپٹن صاحب کی گاڑی ہی میں رہ گئی۔

عدم صاحب۔ رنجیدہ خاطر ہو گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں مجھے یوں لگا جیسے ان کے جسم سے جان نکلتی جا رہی ہے۔ وہ دل شکستگی کے عالم میں پھر بستر پر لیٹ گئے۔ اور سگریٹ سلگا لیا اور بے معنی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگ گئے۔

حضور اب اٹھئے۔ چلیں۔

خلش صاحب اب مجھ سے تو نہ چلا جائے گا۔ آپ نے جانا ہے تو آپ جائیں۔ میں شام کو پھر کپتان صاحب کے پاس جاؤں گا۔ دو تین دن ان کے پاس رہوں گا۔

نہیں دو تین دن تھوڑے ہیں۔ اسوقت تک رہیں جب تک کہ وہ حضور والا صفات کو دھکے دے کر آئل فیلڈز کی حدود سے باہر نہیں نکال دیتے۔

بھئی خلش۔ چر کے مت لگاؤ۔ مجھے ایک نظر وہ بوتل دکھا دو۔

حضور بوتل ہے ہی نہیں تو دکھاؤں کیسے۔

تم اپنا اٹیچی کھولو۔ میں خود دیکھوں گا۔

میں ہنس پڑا تو وہ اٹھ کر مجھ سے گلے آن ملے۔ میرا اٹیچی پاس ہی کھلا رکھا تھا انہوں نے اس کا ڈھکنا اٹھا کر اندر دیکھنا چاہا میں ان کو تنگ کرنے کے لئے ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ یار خلش! ---- ایک نظر دیکھ کر مجھے اطمینان کر لینے دو۔ قسم ہے اپنے پیر و مرشد کی بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔

کون ہیں آپ کے پیر و مرشد۔ اختر شیرانی اور میرا جی؟ دونوں عاقبت کو سدھارے۔ اب سعادت حسن منٹو اور استاد امانت علی خان ہیں۔ ان میں سے کوئی صاحب آپ کے پیر و مرشد ہوں تو پتہ نہیں۔

یار تم مجھے کن جھمیلوں میں الجھا رہے ہو۔ بوتل ایک نظر دکھا دو۔ میری ڈھارس بندھ جائے گی۔ جہلم پہنچ کر بوتل آپ میرے حوالے کر دیں اور خود اپنی پیاری ماسی صاحبہ کے پاس جائیں یا چچا اللہ یار خان کی نصیحت آمیز گفتگو مسلسل خاموشی سے سنتے رہیں۔ اور کریں وہی جو

جی میں آئے۔

روانگی میں دیر ہو رہی تھی۔ میں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ حضرت کو اس پری وش کے رخ زیبا سے ہلکا سا نقاب سرکا کر ان کی اشتہا کو اور ہوا دوں۔ اس سلسلے میں ایک خدشہ یہ لاحق تھا کہ وہ فرمائیں گے ---- "میں اسے کھول کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اصلی ہے یا نقلی"

میں نے دل میں جبر کر کے وہ لفافہ کپڑوں کے نیچے سے نکالا۔ ان کے چہرے پر رونق آ گئی۔ دو قدم بڑھ کر میرے قریب آ گئے۔ میں نے لفافے سے تھوڑی سی بوتل باہر نکال کر ان کی تسلی کے لئے ان کو دکھانا چاہی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بوتل میرے ہاتھ سے لے لی اور لفافے کو اتار کر پھینک دیا جیسے کوئی دیو کسی حسینہ کے کپڑے نوچ کر اسے ننگا کر دے۔

حضور اب آپ وعدہ خلافی مت کیجئے گا۔

ارے بھئی دیکھنے تو دو۔ دیکھنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ "یار خلش ہے تو اصلی سکاچ وہسکی ۔ خدا کی قسم مزا آ جائے گا" میں نے بوتل ان کے ہاتھ سے چھین لی۔ اور اسے لفافے میں لپیٹ کر پھر سے اٹیچی کیس میں بند کر دیا۔ اور چلنے کی تیاری میں لگ گئے۔ اب عدم صاحب کو یقین آ گیا تھا کہ میں بوتل فی الواقعہ کیپٹن صاحب کے ہاں سے لے آیا تھا اور اب یہ بوتل میں نے ان کے لئے محفوظ کر لی ہوئی ہے۔ وہ میرے مزاج سے آشنا تھے انہیں پتہ تھا کہ اب اگر وہ لاکھ کوشش بھی کریں۔ یہ بوتل میں ان کو جہلم پہنچنے سے پہلے کبھی نہیں دوں گا۔

ہم گیارہ بجے کے قریب جہلم واپس پہنچ گئے۔ بس سٹینڈ سے تانگے پر بیٹھے۔ میں عدم صاحب کو ان کے گھر چھوڑنے کے لئے گیا۔ وہاں جا کر بوتل کا انہوں نے نئے سرے سے تقاضا شروع کر دیا۔ بوتل نکال کر جوں کی توں میں نے ان کے حوالے کی۔ اور اسی تانگے پر بیٹھ کر واپس اپنے کیمپ آ گیا۔ بیریر پر تانگہ روکا۔ اسے پیسے دیئے اور اٹیچی اٹھا کر اپنے ٹینٹ میں چلا گیا جو وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ ٹینٹ بند تھا شاید اللہ یار خان لنگر پر کھانا کھانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ پاس سے گذرتے ہوئے ایک سپاہی کو میں نے کہا کہ اللہ یار خان کو تلاش کر کے لے آؤ۔

میں آج چونکہ وقت سے پہلے واپس آ گیا تھا۔ اس لئے اللہ یار خان مجھ سے خوش تھا۔ وہ جلد ہی آ گیا۔ مجھے میری ڈاک دی۔ کپڑے تبدیل کرنے کے لئے دیئے اور پھر میرے لئے میس سے کھانا لینے چلا گیا۔ میں کھانا کھا رہا تھا تو اس نے مجھے بتایا کہ صاحب کل شام کو وہ "سوہنی کڑی" آپ کو ملنے کے لئے آئی تھی"

آپ نے اسے کیا کہا۔

میں نے اسے بتا دیا کہ صاحب ایک مشاعرے پر چکوال گئے ہیں۔ کل آئیں گے۔ وہ آج

شام کو آنے کا کہہ کر گئی ہے۔ یہ بھی کہتی تھی کہ اپنے صاحب کو کہیں کہ آج کہیں نہ جائیں۔ مجھے بڑا ضروری کام ہے۔

اللہ یار خان ---- یہ سوہن کڑی ۔ تمہیں کوئی رشوت وغیرہ تو نہیں دیتی۔

کیوں صاحب۔

تم اس کی بے حد طرف داری کرتے ہو۔

نہیں صاحب۔ میں نے کیا طرف داری کرنا ہے۔ اس کا پیغام دے رہا ہوں۔

اچھا ٹھیک ہے۔ کہیں نہیں جاؤں گا۔

میں کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ دو دن کا تھکا ہوا تھا۔ فوراً نیند آ گئی۔ نہ جانے کب تک پڑا سوتا رہتا کہ اللہ یار خان نے مجھے آ کر جگایا۔

کیوں اللہ یار خان خیریت تو ہے۔ کہیں تیسری جنگ عظیم تو نہیں لگ گئی۔

صاحب ابھی لگی تو نہیں۔ پر اب لگ جائے گی۔

وہ کیسے۔

وہ جناب یوں کہ وہ محترمہ اس وقت بیریر پر کار لے کر کھڑی ہوئی ہیں اور آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

تم ایسا کرو۔ اسے جا کر بتاؤ کہ وہ تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں۔ اب اٹھے ہیں۔ غسل کریں گے۔ چائے پئیں گے پھر کپڑے تبدیل کر کے آپ کے گھر آ جائیں گے۔

اللہ یار خان زاہدہ کو بتانے کے لئے چلا گیا لیکن جلدی ہی واپس آتا ہوا دکھائی دیا۔ پاس آیا تو میں نے پوچھا۔

کیوں میاں بتا دیا ہے اسے۔

صاحب وہ کہتی ہیں۔ میں یہاں ہی بیٹھوں گی۔ ان کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔

اچھا تم ایسا کرو میں جب تک غسل کرتا ہوں۔ تم تب تک کینٹین سے چائے لے جا کر اسے دے آؤ۔

اللہ یار خان چائے لے کر گیا تو وہ گاڑی میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ چائے لانے پر اللہ یار خان کا شکریہ ادا کیا۔

میں نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ میس کے سرونٹ کو چائے لانے کے لئے کہا۔ میں چائے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اللہ یار خان' زاہدہ کو چائے پلا کر برتن واپس لے کر آ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں رات کا کھانا ادھر ہی آ کر کھاؤں گا۔ اگر عدم صاحب آئیں تو ان کو بتا دینا کہ وہ ماسی کے ساتھ گئے ہیں۔

صاحب! عدم صاحب بہت ناراض ہوتے ہیں۔
اللہ یار خان ---- آج کئی دنوں سے زاہدہ سے بھی نہیں ملا۔ یہ بھی ناراض ہوں گی۔
صاحب۔ اس کی ناراضگی کا کیا ہے ---- پرائی زنانی ہے۔ آپ کے کس کام کی۔
اللہ یار خان۔ دل کے رشتے بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔
صاحب میں سمجھتا ہوں کہ آپ اب اس منزل پر پہنچ چکے ہیں کہ اس گناہ بے لذت سے اب آپ پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔
اچھا یار میں چلتا ہوں۔ وہ بے چاری کب سے میرا انتظار کر رہی ہے۔
ٹھیک ہے صاحب جایئے۔

○

میں جب اپنے ٹینٹ سے نکلا تو میں نے زاہدہ کو چشم براہ پایا۔ اس نے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو کار سے نکل کر میری پذیرائی کے لئے چند قدم چل کر میری طرف آئی۔ مجھ سے مصافحہ کیا۔ غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں عدم صاحب کے ساتھ ایک مشاعرے میں شرکت کرنے کے لئے چکوال گیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم آئے ہیں۔ کچھ دیر تک ہم وہاں ہی کھڑے باتیں کرتے رہے۔ جب کار کی طرف چلے تو سامنے سے عدم صاحب بیریر کی طرف آتے ہوئے دیکھائی دیئے

عدم صاحب بھی آ رہے ہیں۔ میں نے زاہدہ کی توجہ ان کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا۔

آپ ہرگز پریشان نا ہوں۔ میں عدم صاحب سے بات کر لوں گی۔ اس نے بڑے تیقن آمیز لہجے میں کہا۔

عدم صاحب قریب پہنچے تو زاہدہ اور میں نے آگے بڑھ کر ان کو سلام کیا۔ وہ خوش ہو گئے اور مسکراتے ہوئے زاہدہ کے پاس آ گئے۔

آپ کا کیا حال ہے۔
بس سر ٹھیک ہوں۔
کافی دن ہوئے ہیں۔ آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔
میں سر آپ اور خلش صاحب میرے آنے سے پہلے اپنے اڈے کی طرف چلے جاتے۔ دو دن آپ مشاعرے پر چکوال چلے گئے تھے۔ سر میں آپ ہی کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔

کیوں خیریت تو ہے۔
بس سر خیریت ہے۔ آج میں نے خلش صاحب کو ساتھ لے جانا ہے۔
اگر انہیں آپ کے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہ ہو تو میری طرف سے تو انہیں اجازت ہے۔
سر، آپ کی بڑی نوازش ہو گی۔ آپ انہیں میرے ساتھ چلنے کے لے کہیں۔
ہاں بھئی خلش۔ آپ محترمہ کے ساتھ جائیں۔ دو تین دن کے بعد ایک دن ان کو بھی دیا کریں۔
بہتر سر۔ آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔
تھوڑی دیر کے لئے ہم تینوں وہاں ہی کھڑے باتیں کرتے رہے۔ زاہدہ نے عدم صاحب کو کہا۔
سر آپ آئیں کار میں بیٹھیں۔ میں آپ کو ڈراپ (Drop) کر دوں گی۔
بہت شکریہ آپ کا۔ یہ کہتے ہوئے عدم صاحب گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے اور گاڑی چل پڑی۔
ہم تینوں اڈے پر پہنچے تو تمام دوست صاف ستھرے کپڑے پہنے راجہ اکرم کی گاڑی میں بیٹھنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ جب ہماری گاڑی وہاں جا کر رکی تو راجہ صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ہمارے پاس آ گئے۔ عدم صاحب سے کہنے لگے۔
شاہ صاحب اچھا ہوا ہے آپ آ گئے ہیں۔ آج خورشید صاحب کے ہاں سب دوستوں کی ایک زبردست پارٹی ہے۔ جس میں باہر کے کچھ لوگ بھی شرکت کریں گے۔ اب آپ ایسا کریں اسی گاڑی میں آپ لوگ خورشید صاحب کے گھر چلے جائیں۔ اگر ایک آدمی کو آپ ساتھ بٹھا سکتے ہیں تو مہربانی ہو گی۔
عدم صاحب نے زاہدہ کی طرف دیکھا۔ وہ کہنے لگی۔
بے شک بیٹھ جائے۔
شکریہ آپ کا ---- راجہ صاحب نے زاہدہ کا شکریہ ادا کیا۔
احسان صاحب ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ گئے۔ راجہ صاحب نے اپنی گاڑی آگے لگا لی۔ زاہدہ کو عدم صاحب نے کہا۔ محترمہ آپ ان کے پیچھے پیچھے جائیں۔ خورشید صاحب کا گھر جہلم دریا کے کنارے تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم وہاں پہنچ گئے۔ تقریباً چالیس پچاس آدمی صوفوں پر شامیانوں کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہدہ اور اس کی دونوں ساتھی خواتین انتظام و انصرام میں لگی ہوئی تھیں۔

جب ہماری گاڑیاں وہاں جا کر رکیں تو خورشید صاحب اور شاہدہ ہمارے استقبال کے لے آگے بڑھے۔ خورشید صاحب نے راجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا۔ ایک آدمی ان کو لے کر نشستوں پر بٹھانے کے لئے لے گیا۔ اس کے بعد وہ دوسری گاڑی کی طرف آئے۔ خورشید صاحب اور شاہدہ دونوں زاہدہ کو دیکھ کر ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ عدم صاحب گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ خورشید صاحب نے آگے بڑھ کر ان کو گلے لگا لیا۔ شاہدہ نے عقیدت سے عدم صاحب کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ عدم صاحب کے پیچھے احسان صاحب کھڑے ہوئے تھے۔ خورشید صاحب نے ان سے مصافحہ کیا اور شاہدہ نے ان کو سلام کیا۔ شاہدہ ان کو اچھی طرح جانتی تھی۔ میں پچھلی سیٹ سے اٹھ کر اس ارادے سے زاہدہ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا کہ اب ہم واپس چلے جائیں گے۔ جب شاہدہ نے مجھے گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا تو وہ بجلی کی طرح لپک کر میرے پاس آ گئی جب تک میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ میں سمجھا وہ زاہدہ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہے ----- لیکن وہ زاہدہ کی بجائے مجھے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

کمینے آدمی تم کیوں آئے ہو یہاں۔

کیوں یہاں آنا منع ہے۔

تمہارے جیسے ذلیل آدمیوں کے لئے منع ہے۔

مجھ کو خراب کیا ہے۔ اب اس لڑکی کو بھی خراب کرے گا۔

بی بی۔ بدتمیزی سے باتیں نہ کرو۔ میرا تمہارے ساتھ نہ کوئی پہلے کسی قسم کا تعلق تھا اور نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو گا۔ ان فضول باتوں سے آپ کو کیا حاصل ہو گا۔

کمینے تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تمہیں پتہ نہیں ہے۔ یہ میرا گھر ہے۔

بی بی میں یہاں پارٹی میں شرکت کے لئے تو نہیں آیا۔

تو اس ماں کو یہ سب کچھ دکھانے کے لئے یہاں لائے ہو۔ یہ بھڑواپن کب سے شروع کر دیا ہے۔

میں اس بیہودہ اور بد تمیز عورت کی یہ سب باتیں سن سن کر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ اسے دراصل مجھ سے رنج یہ تھا کہ اگلے دن میں نے ان تینوں بدقماش عورتوں کے ضمانت نامے تصدیق نہیں کئے تھے۔ وہاں جتنے لوگ بھی بیٹھے تھے یہ سب باتیں سن رہے تھ۔ راجہ صاحب اور عدم صاحب اٹھ کر اس کے پاس آ گئے اور اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ بدفطرت عورت ان سے بھی الجھ پڑی۔

ارے جائیں۔ آپ لوگ۔ آپ سب لوگ ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ غریب اور سادہ لوح خواتین کو خراب کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کی وجہ سے کتنے ہی گھر برباد ہوئے ہیں۔

بی بی۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ ابھی تو پرسوں میں نے تم تینوں کی ضمانتیں کروائی ہیں۔ جب کہ اس بھرے شہر میں کوئی بھی تم لوگوں کی ضمانت دینے والا نہ تھا۔ اس سے پہلے ایس پی صاحب نے تم تینوں کو آوارہ گردی کرتے ہوئے پکڑا تو میں نے اور راجہ صاحب نے تم لوگوں کی ضمانت دی۔ تو اتنی احسان فراموش ہے کہ ان ساری باتوں کو بھول کر الٹا کپتان صاحب پر تم الٹے سیدھے بہتان لگا رہی ہو۔ عدم صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

شاہ صاحب۔ آپ نے ہماری ضمانت دی ہے تو اپنے مزے کے لئے دی ہے۔ آپ سے ہوتا ہواتا تو کچھ ہے نہیں۔ ہمارے کپڑے اتروا کر عریاں حالت میں ہمیں دیکھ دیکھ کر ہی آسودگی حاصل کرتے ہو۔ اس رات آپ نے ہم سب کے کپڑے اتروا دیئے تھے۔ سب رات ہم سردی میں ٹھٹھرتی رہیں۔ آپ جوان عورتوں کے ننگے جسم دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

توبہ۔ استغفار۔ کتنی جھوٹی۔ اور فضول عورت ہے۔ عدم صاحب نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

راجہ صاحب اور عدم صاحب نے اپنے دوستوں کو واپس بلا لیا۔ اس وقت تک اور جو مہمان بیٹھے ہوئے تھے وہ خورشید صاحب کو لعن طعن کر رہے تھے کہ آپ نے ان بدقماش عورتوں سے شریف آدمی کی بے عزتی کروا دی ہے۔ عدم صاحب اور راجہ صاحب کے جتنے بھی دوست ہیں یہ پینے پلانے کا شغل تو کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کبھی کسی ایک کے متعلق بھی یہ نہیں سنا کہ وہ زانی بھی ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی سب کے سب مہمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ خورشید صاحب ایک ایک کے آگے جا کر ہاتھ جوڑ جوڑ کر منتیں کرتا لیکن اسکی کسی نے بھی نہ سنی اور سب لوگوں نے اپنی راہ لی۔ عدم صاحب اور احسان صاحب زاہدہ کی گاڑی میں آ بیٹھے اور بقایا دوست راجہ صاحب کی گاڑی میں۔ تقریباً پانچ منٹ میں ہم اپنے اڈے پر پہنچ گئے۔ عدم صاحب اور احسان صاحب کو اتار کر زاہدہ نے عدم صاحب سے پوچھا۔

سر مجھے اور خلش صاحب کو جانے کی اجازت ہے۔

جی ہاں آپ جایئے۔ بہت شکریہ۔ آپ کا۔ مجھے افسوس ہے۔ بدمزگی کی وجہ سے آپ کو کوفت ہوئی ہو گی۔

شاہ صاحب۔ اس کا مجھے بے حد رنج پہنچا ہے کہ اس خاتون نے خلش صاحب کی بڑی انسلٹ (Insult) کی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اس نے جتنی بھی باتیں کی ہیں۔ یہ سب غلط ہیں۔ خلش صاحب اس طرح کی کسی بات میں ملوث نہیں ہو سکتے۔ مجھ سے اچھا خلش صاحب کو کوئی نہیں جانتا۔

میں زاہدہ کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر ان کی کوٹھی پر چلا گیا۔ زاہدہ نے جب کار

پورچ میں کھڑی کی تو کرنل سعید نے اپنے کمرے سے نکل کر مجھے ایک نظر دیکھا۔ وہ میرا زاہدہ کے پاس وہاں آنا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہ کہہ کچھ نہ سکتا تھا۔ زاہدہ نے کک کو بلا کر حکم دیا۔

بابا۔ خلش صاحب بھی کھانا یہاں ہی کھائیں گے۔

بہتر سرکار۔

جب کھانا تیار ہو جائے۔ تو ٹیبل پر لگا کر ہمیں اطلاع کرنا۔

جی اچھا۔ سرکار۔ کوئی خاص ڈش بنوانی ہو تو بتایئے۔

بابا۔ خلش صاحب۔ شامی کباب اور سویٹ ڈش پسند کرتے ہیں۔ یہ دونوں بنا لیں۔

بن جائیں گی سرکار ---- بابا سلام کر کے واپس کچن کی طرف چلا گیا۔

ہم ڈرائنگ روم میں قالین پر بیٹھ کر کارڈ کھیلنے لگ گئے۔ زاہدہ کو کارڈ کھیلنے کا بے حد شوق تھا۔ میں نے اسے کئی دفعہ اکیلے کارڈ کھیلتے ہوئے بھی دیکھا۔ ساڑھے دس بجے تک میں زاہدہ کے گھر میں رہا۔ کھانا کھا کر میں نے اس سے اجازت لی۔ وہ مجھے کار میں چھوڑنے کے لئے میرے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلی۔ میں نے اسے منع کیا۔ کہ میں ابھی اڈے پر جاؤں گا۔ چونکہ میں نے عدم صاحب کو گھر لے جا کر چھوڑنا ہوتا ہے۔

وہ مجھے میرے کیمپ کی بجائے اڈے پر چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ میں جب واپس پہنچا۔ تو میرے دوست میری واپسی پر بہت خوش ہوئے۔

کیوں خیریت تو ہے خلش صاحب آپ واپس کیوں آ گئے ہیں۔ راجہ اکرم صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

راجہ صاحب عدم صاحب کو واپسی پر تکلیف ہوتی ہے۔ اکیلے ہوں تو گر پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ہاں یہ بات تو ہے۔ یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔ انہوں نے مستحن نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

آج سب دوستوں نے رات کا کھانا بھی ہوٹل سے منگوا کر یہاں کھایا تھا۔ معمول کے مطابق بارہ بجے کے قریب محفل برخاست ہوئی۔ میں نے عدم صاحب کو ایک تانگے پر بٹھایا اور انہیں گھر چھوڑ کر اپنے کیمپ میں واپس آیا۔

دوسرے دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ چیک پوسٹ سے ایک آدمی میرے لئے ایک سلپ لے کر آیا جس پر راجہ محمد اکرم لکھا ہوا تھا۔ مجھے جہلم آئے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ اب تک راجہ صاحب کبھی ہمارے کیمپ میں نہ آئے تھے۔ میں نے

ان کے نام کی سلپ دیکھی تو میں پریشانی کے عالم میں جلدی جلدی چیک پوسٹ کی طرف بھاگا۔ راجہ صاحب کی کار۔ بیریر کے ساتھ سڑک کے بائیں کنارے پر کھڑی تھی۔ راجہ صاحب گاڑی کے اندر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ وہ کار سے نکل کر باہر آ گئے۔

حضور خیریت تو ہے۔ خلاف معمولی ادھر کا رخ کیسے کر لیا۔

بھئی خلش مجھے رات کو شاہدہ کی گفتگو سے بے حد رنج ہوا ہے۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ عدم صاحب کے پاس چلیں اور آپ اور میں مل کر ان پر دباؤ ڈالیں کہ ان تینوں کی ضمانتیں جو ہم نے دونوں کیسوں میں دے رکھی ہیں وہ متعلقہ عدالت میں درخواستیں دے کر منسوخ کروا دیں۔

راجہ صاحب۔ عدم صاحب مانیں گے نہیں۔

وہ کیوں۔

وہ اسے وضعداری کے خلاف سمجھیں گے۔

بھئی یہ اچھی وضعداری ہے۔ اس آبرو باختہ عورت نے بھرے شہر کے سامنے ہم سب کی بے عزتی کی ہے اور اب بھی یہ حضرت وضعداری نبھاتے رہیں گے۔

مجھے تو مشکل نظر آتا ہے۔

کوئی مشکل نہیں ہے۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔

راجہ صاحب مجھے اپنی کار میں بیٹھا کر عدم صاحب کے دفتر میں لے گئے۔ جب ہم ان کے دفتر پہنچے تو ان کے پاس چند آرمی آفیسرز بیٹھے ہوئے تھے وہ ہماری پذیرائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ پہلے راجہ صاحب سے اور پھر مجھ سے گلے ملے۔ جب ہم خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو عدم صاحب نے ان آرمی آفیسرز کو کہا۔

صاحبان اب آپ میٹنگ کسی اور دن پر اٹھا رکھئے۔ اب میرے بہت ہی معزز دوست مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ اب میں ان سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

چونکہ میں نے یونیفارم پہنی ہوئی تھی' اس لئے بڑی بڑی مونچھوں والے ایک میجر نے میری طرف دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی میں اس سے کم عہدے کا آدمی تھا اس لئے اس کی نظر میں میں ایک کم تر آدمی تھا۔ فوجی لوگوں کو عہدوں کا یہ فرق بڑی شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ اس نیک بخت آدمی سے نہ رہا گیا۔ عدم صاحب کو کہنے لگا۔

یہ برخوردار بھی آپ کے معزز دوست ہیں۔ میجر صاحب کا اشارہ میری جانب تھا۔

صرف معزز نہیں بلکہ بہت ہی معزز ---- آپ کو پتہ ہے یہ ایک اچھے شاعر ہیں

شاعر ہونا بھی کوئی کوالٹی ہے۔

یقیناً" بہت بڑی کوالٹی ہے۔ اچھا آپ لوگ جایئے۔ یہ حضرت کسی ضروری کام کے سلسلے میں آئے ہیں۔ ورنہ عام حالت میں یہ میرے دفتر میں نہیں آتے۔

وہ مونچھوں والا میجر شرمندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے آفیسرز بھی اٹھ کر اپنی اپنی یونٹوں کو چلے گئے۔ عدم صاحب نے چپڑاسی کو چائے لانے کے لئے کہا۔

نہیں شاہ صاحب۔ چائے نہ منگوایئے۔ ہم دونو ایک ضروری کام سے آئے ہیں۔ راجہ صاحب نے کہا۔

خیریت تو ہے۔

بھئی رات کے واقعہ کے بعد خیریت کیسی۔ آپ کی یہ نرم پالیسی' قدم قدم پر ٹکے ٹکے کے آدمیوں سے ہماری انسلٹ کراتی ہے۔

کوئی تازہ واقعہ رونما ہوا ہے۔

رات والا واقعہ کچھ کم ہے۔ مر جانے کا مقام ہے۔ آپ لوگ تو کل یہاں سے تبدیل ہو کر کسی دوسرے اسٹیشن پر چلے جائیں گے۔ میں مقامی آدمی ہوں۔ مجھے اسی شہر میں رہنا ہے۔ رات کو شہر کے چیدہ لوگ وہاں موجود تھے۔ دو پیسے پر بکنے والی ایک چھوکری نے شہر کے سب شرفا کے سامنے ہماری وہ بے عزتی کی کہ سننے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ میں تو پوری رات کرب و اضطراب سے سو بھی نہیں سکا۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اب ہماری دوستی کے امتحان کا وقت آگیا ہے اگر آپ دونو نے میری بات نہ مانی تو پھر اس دوستی کو ختم سمجھئے۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جاری نہیں رکھ سکوں گا۔

عدم صاحب نے اٹھ کر راجہ صاحب کو چھاتی کے ساتھ لگا لیا۔ اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے۔

راجہ صاحب آپ جو باتیں کہیں گے۔ ہم دونو مانیں گے۔ یہ اچھا کیا آپ نے کہ خلش صاحب کو بھی آپ ساتھ لے آئے۔ بس اب آپ حکم کریں۔ انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ کیوں خلش ٹھیک ہے نا یہ بات۔

عدم صاحب ---- بات کا بھی تو پتہ چلے۔

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ راجہ صاحب کی ہر بات مقدم ہے ہمارے لئے۔

جب راجہ صاحب نے دیکھا کہ لوہا پوری طرح گرم ہے اسے اب جس طرف چاہیں موڑ سکتے ہیں۔ تو وہ ہم دونو کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

بھئی آپ دونوں میرے ساتھ اسی وقت کورٹ میں چلیں۔ ان بدچلن لڑکیوں کی ضمانت دینے کا جو ہمیں خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ میں یہ چرکا نہیں برداشت کر سکتا میں ابھی ان سب کی ضمانتیں منسوخ

کرواتا ہوں۔

چلئے ---- راجہ صاحب ---- ہم آپ کے ساتھ ہیں ---- ہم دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

راجہ صاحب کی گاڑی میں بیٹھ کر ہم تینوں کورٹس میں پہنچ گئے۔ منہاس صاحب بھی رات کو اس دعوت میں موجود تھے۔ انہوں نے رات کو ہماری گت بنتے ہوئے دیکھی تھی۔ بغیر کسی مزید انتظار کے راجہ صاحب نے ان کو کہا۔

منہاس صاحب آپ اپنے منشی کو بلوایئے۔ ٹکٹ اور جوڈیشل کاغذ منگوائیں۔ اگلے دن ان بدقماش عورتوں کی مغالطے سے عدم صاحب اور خلش صاحب نے جو ضمانتیں دی ہیں۔ ان کی منسوخی کی درخواست لکھ کر اسی وقت عدالت کے سامنے پیش کریں۔

منہاس صاحب نے درخواست لکھی اور عدالت کے سامنے پیش کی۔ عدالت نے سرسری بحث سماعت کی اور فریق ثانی کو ایک ہفتے کا نوٹس دے دیا۔ اگلی پیشی پر راجہ صاحب ہمارے ساتھ کورٹس میں آئے۔ ہم نے ان عورتوں کو دیکھا وہ چند بازاری قسم کے مردوں کے ساتھ کھڑی ہو کر باتیں کر رہی تھیں۔ جلد ہی ان کی پیشی ہو گئی۔ مجسٹریٹ صاحب نے منہاس صاحب کی بحث سماعت کی۔ ان خواتین سے پوچھا۔

بی بی ---- تمہارا کوئی وکیل ہے۔

جی نہیں ---- شاہدہ نے کہا۔

عدالت نے عدم صاحب کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ان خواتین کی ضمانتیں منسوخ کر دیں اور پولیس کو حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر لو۔

پولیس نے ان کو ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ وہ چلتے ہوئے جب میرے پاس سے گذریں تو شاہدہ نے آہستہ سے مجھے کہا۔ "تم سے نمٹ لوں گی" وہ چونکہ ضمانت پر رہا ہونے کے بعد پولیس کے پاس شامل تفتیش نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے انہیں جوڈیشل کسٹڈی کی بجائے پولیس کی کسٹڈی میں دے دیا گیا اور پولیس والے انہیں تھانے لے گئے۔ اس سارے واقعے کی اطلاع اعجاز صاحب سٹیشن ہاؤس آفیسر کو تھی۔ اس نے جب ان کو دیکھا تو ان سے سختی سے پیش آیا۔

چونکہ پورے شہر میں ان خواتین کی شہرت اچھی نہ تھی۔ اس لئے کوئی بھی ان کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اور اس طرح وہ کافی دنوں تک حوالات میں پڑی سڑتی رہیں۔ ایک دو دفعہ عدم صاحب سے ملنے کی درخواست کی لیکن عدم صاحب راجہ صاحب اور میری وجہ سے پھر ان کے نزدیک نہ گئے۔ ان کا ٹرائل شروع ہوا۔ ان کی طرف سے کسی نے بھی پیروی نہ کی اور آخر کار انہیں ایک ایک سال کی قید سخت کی سزا ہو گئی اور یہ قصہ اس طرح انجام پذیر ہوا۔

آج اتوار تھا۔ چھٹی کا دن تھا۔ جب کبھی فوجیوں کو کوئی چھٹی میسر آئے تو وہ صبح بہت دیر تک سوتے ہیں۔ میں نماز پڑھ کر سو گیا تھا۔ اس لئے کافی دیر سے اٹھا۔ شیو بنوائی۔ نہایا دھویا۔ ناشتہ کر رہا تھا کہ عدم صاحب تشریف لے آئے۔ اللہ یار خان ان کے بھی ناشتہ لے آیا۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے ناشتہ کیا۔ وہ چھٹی کے دن گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ آج خلاف معمول وہ اپنے مقررہ وقت سے بہت پہلے گھر سے نکل آئے تھے۔ وجہ میں نے نہیں پوچھی اللہ یار خان سے دو ڈبیاں سگریٹ بھی منگوائیں۔ آج وہ اچھے موڈ میں تھے۔ میں نے دل میں سوچا۔ شاید انکا آج کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے۔ اور مجھے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے اس ضمن میں کوئی بات نہ کی۔ وہ آرام سے بیٹھے سگریٹ پیتے رہے۔ اور کبھی کبھی اللہ یار خان سے کوئی نہ کوئی مزے کی بات کر دیتے۔

میں نے اللہ یار خان کو کہاکہ "جاؤ یونٹ باربر کو بلا کر لے آؤ"

سر۔ وہ ابھی تو آپ کی شیو بنا کر گیا ہے۔

عدم صاحب کے بال بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ انہیں ذرا ٹھیک کر دے۔

ارے میرے بال بھائی ٹھیک ہیں۔ تم فوجی لوگوں کو بال کٹانے کا ایک خبط ہوتا ہے۔ بھئی میں سویلین آدمی ہوں۔ میرے بال جیسے بھی ہوں ٹھیک ہیں۔

نہیں عدم صاحب۔ آپ کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے ہیں۔ صفائی' ستھرائی زیادہ نہ رکھی جائے تو ایسے بال تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور اللہ یار خان باربر کو پکڑ کر لے آیا۔ میں نے اسے ہدایات دیں۔

نور حسین۔ صاحب کے بال ذرا چھوٹے کر دو لیکن فوجیوں کے سے مت بنانا۔

بہت اچھا سر۔

نور حسین نے ان کو جکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا اور پھر بڑی عمدگی سے ان کی ہیرکٹ کی۔ عدم صاحب شیشہ ہاتھ میں پکڑے مختلف زاویوں سے کافی دیر تک اپنا چہرہ دیکھتے رہے۔ بال ٹھیک ہو گئے تو میں نے نور حسین سے کہا۔ کہ ان کے ہاتھ پاؤں کے ناخن بھی اتار دو اور پھر ان کی بغلیں بھی صاف کرو۔ میرا خیال ہے عدم صاحب نے نہ کبھی ناخن کٹوائے تھے اور نہ ہی بغلیں بنوائی تھیں۔ وہ خاموشی سے بیٹھے رہے اور نور حسین اپنی کارروائی کرتا رہا۔ جب وہ اپنا کام مکمل

کر کے چلا گیا۔ تو میں نے اللہ یار خان کو کہا کہ غسل خانہ والے ٹینٹ میں دو تین بالٹیاں گرم پانی کی رکھو اور عدم صاحب کو انڈر ویر پہنوا کر دو تین دفعہ اچھی طرح سے صابن لگا کر ان کو نہلاؤ۔

اللہ یار خان چلا گیا۔ یہ سب کچھ عدم صاحب کی مرضی کے خلاف ہو رہا تھا۔ وہ نیک بخت آدمی کئی کئی دن شیو نہیں کرتے تھے۔ مہینے میں کبھی ایک آدھ بار ہی نہاتے تھے وہ بھی غالباً" اہل خانہ کے مسلسل اصرار پر۔ سر کے بال تو کبھی سال میں ایک آدھ دفعہ کٹواتے۔

سر غسل تیار ہے۔ اللہ یار خان نے مژدہ جانفزا سنایا۔

جایئے حضور ---- میں نے گذرارش کی۔

وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سگریٹ کو پھینک کر پاؤں سے مسل دیا۔ اور میری طرف دیکھ کر فرمایا "مردہ بدست زندہ" اور اپنی مخصوص چال سے چلتے ہوئے اللہ یار خان کے ساتھ چلے گئے۔ اس نے میری ہدایت کے مطابق انہیں انڈر ویر پہنوا کر بڑی اچھی طرح سے نہلا دیا۔ جب واپس تشریف لائے تو بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ اللہ یار خان نے ان کو ایک کرسی پر بٹھا کر ان کے سر کی بڑی اچھی طرح مالش کی۔ وہ کہنے لگے۔

ارے بھائی اللہ یار خان میں تو بڑا ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔

سر آپ ہر ہفتے یہاں آیا کریں۔ میں آپ کی مالش کیا کروں گا۔

عدم صاحب نے خوش ہو کر اللہ یار خان کو دس روپے انعام دیئے اور دس روپے نور حسین کے لئے۔ وہ تو لیتا ہی نہ تھا لیکن میرے کہنے پر اس نے لئے۔

بھئی اللہ یار خان۔ گرم گرم چائے پلاؤ۔

بس سرکار ابھی لایا دو منٹ میں۔ فوراً ہی وہ کنٹین سے چائے لے کر آ گیا۔

ہم ٹینٹ کے باہر دھوپ پر بیٹھے مزے سے چائے پیتے رہے۔ عدم صاحب مجھ سے کہنے لگے۔

بھائی خلش صاحب۔ اتنا عرصہ آپ سے ملے ہوئے ہو گیا ہے۔ آپ نے کبھی اپنا کلام نہیں سنایا۔

حضور کئی بار آپ مشاعروں میں سن چکے ہیں۔

ارے بھئی ---- وہاں کس کافر کو ہوش ہوتا ہے۔ آج مجھے اپنا کلام سنایئے۔

میں اپنی بیاض لا کر ان کے قریب بیٹھ گیا اور ان کو اپنا کلام سنانے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک بڑے غور سے سنتے رہے۔ کئی اشعار پر بے حد داد دی۔ جب میں پانچ چھ غزلیں سنا چکا تو مجھ سے کہنے لگے

خلش صاحب آپ لکھنوی ہیں۔
جی نہیں۔ میں تو پنجابی ہوں۔
یہ آپ کے شعروں پر لکھنؤ کی چھاپ کیسی۔
حضور میرے استاد لکھنؤ کے ہیں۔
کون صاحب ہیں۔
علامہ محوی صدیقی لکھنوی۔

اچھا۔ اچھا اس لئے تمہارے شعروں پر لکھنؤ سکول کی ایک واضح چھاپ ہے۔ علامہ صاحب کو میں جانتا ہوں۔ میں پونا سے ایک دفعہ مدراس ایک مشاعرہ پڑھنے کے لئے گیا تھا۔ علامہ صاحب سے وہاں ملاقات ہوئی تھی۔ آپ مدراس یونیورسٹی میں علوم شرقیہ کے ڈین تھے۔ آپ کو پتہ ہے وہ کس کے شاگرد تھے۔

جی نہیں۔
جناب وہ لکھنؤ سکول کے ایک نامور شاعر [illegible] عزیز لکھنوی کے شاگرد تھے۔
یہ بات انہوں نے خود آپ کو بتائی تھی۔
جی ہاں۔
یہ جو کلام آپ نے اب تک مجھے سنایا ہے یہ سب ان کا دیکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
جی ہاں اصلاح شدہ ہے۔
آپ کے پاس اپنا کوئی ایسا کلام ہو گا جو آپ نے استاد کو نہ دکھایا ہو۔
میں نے عدم صاحب کو ایک نظم اور ایک غزل سنائی۔

وہ خوش ہو کر کہنے لگے۔ ان میں معمولی سقم ضروری ہے۔ لیکن یہ جدید طرز کا کلام ہے عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

عدم صاحب میں تو اسی طرح لکھتا ہوں۔ علامہ صاحب اتنی قطع و برید کرتے ہیں کہ اسلوب ہی بدل جاتا ہے۔ اس لئے میں دل برداشتہ ہو گیا ہوں۔

میں جس اسٹائل کو پسند کرتا ہوں اس میں لکھنے والے چند شعرا جنہیں میں بے حد پسند کرتا ہوں۔ وہ ہیں۔ علی سردار جعفری۔ اختر الایمان۔ جاں نثار اختر۔ احسان دانش۔ ن۔ م۔ راشد۔ احمد ندیم قاسمی۔ وامق جونپوری۔ سلام مچھلی شہری۔ مجروح سلطان پوری۔ ساحر لدھیانوی۔ باقی صدیقی۔

آپ تو فراق صاحب کے بھی بڑے مداح ہیں۔ وہ آپکو پسند نہیں ہیں۔
پسند ہیں اور بے حد پسند ہیں۔ لیکن ان کا ایک اپنا اسلوب ہے۔ جیسے اختر شیرانی۔

عبدالحمید عدم اور میرا جی ہیں۔ یہ اپنی طرز کے منفرد شاعر ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک گانا سننے والا جتنی لگن سے غزل سنتا ہو اس لگاؤ اور چاہت سے ٹھمری اور ترانہ بھی سنے۔

ہاں یہ آپکی بات ٹھیک ہے۔

آپ اپنا کلام ان شعرا میں سے کسی کو دکھانا شروع کر دیں۔

ان میں سے میں ذاتی طور پر جناب احسان دانش صاحب کو جانتا ہوں۔ ان سے اس غرض کے لئے ملا بھی ہوں لیکن وہ بھی پہلو تہی کرنے لگے۔ مجھ سے کہنے لگے "بھئی کسی استاد کو اپنا کلام دکھاؤ۔ میں تو خود طفل مکتب ہوں" میں سمجھ گیا کہ یہ محض پلو چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں کہا بھی دانش صاحب آپ استاد ہیں۔ لیکن انہوں نے مجھے علامہ تاجور صاحب نجیب آبادی سے اصلاح لینے کا مشورہ دیا۔ ہاں اچھا ہوا۔ علامہ تاجور صاحب کا نام آگیا تو آپ سے بھی دو ایک باتیں اس ضمن میں ہو جائیں۔ جو کافی عرصہ پہلے میں نے اپنے احباب سے سنی تھیں۔

کیا کوئی خاص بات ہے۔

جی ہاں۔ اگر آپ جواب دینا مناسب سمجھیں تو میں عرض کئے دیتا ہوں

بھئی ایسی کون سی اہم باتیں ہیں۔ جن کے پوچھنے کے لئے آپ اتنی تمہید باندھ رہے ہیں۔

حضور بات ہے۔ نقش دوام کی اشاعت کے متعلق.

ارے بھائی چھوڑو گزری باتوں کو کتاب چھپ گئی۔

کتاب چھپ گئی لیکن محترم علامہ صاحب نے آپ سے جو رقم مختلف حیلوں بہانوں سے ہتھیائی تھی وہ آپ کو اب تک نہیں لوٹائی۔

ارے بھائی چھوڑو بھی اس قصے کو۔

آپ مجھے جواب دینے سے پہلو تہی کیوں کر رہے ہیں۔

یار خلش۔ علامہ صاحب میرے استاد ہیں۔ انہوں نے تھوڑی سی رقم لے لی تو کیا ہو گیا۔

انہوں نے یہ رقم آپ کو لوٹانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

کیا تھا۔

یہ رقم آپ کے پاس فالتو تھی۔

جی نہیں۔ فالتو بھی نہیں تھی۔

میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کا زیور بیچ کر یہ رقم ان کو مہیا کی تھی۔

یہ بھی صحیح ہے۔

آپ نے ان سے رقم کی واپسی کا تقاضا نہیں کیا تھا۔

سرسری سا ایک آدھ بار ذکر کیا۔ ہر بار وہ وعدہ کر دیتے۔ اور میں اعتبار کر لیتا۔

حضور میں نے اپنے دوستوں سے یہ سارا معاملہ پوری تفصیل سے سن رکھا تھا۔ اس لئے علامہ صاحب کے قریب پھٹکنے کی مجھ میں جرات نہ ہوئی۔

اگر اصلاح ہی کی بات ہے۔ تو آپ مجھ سے مشورہ کر لیا کریں۔

عدم صاحب۔ یہ بھی وہی صورت ہو گی جب میں علامہ محوی صاحب کو اپنا کلام دکھاتا تھا اور وہ اسے **لکھنؤی** رنگ دیتے دیتے اس کا حلیہ بگاڑ دیتے۔

لیکن حضور میں تو **لکھنؤی** نہیں ہوں۔ سیدھا سادھا پنجابی ہوں۔

شاہ صاحب آپ کا اپنا ایک اسلوب ہے میں آپ کے تتبع میں ضمریاتی شاعری کروں تو تب آپ سے فیضیاب ہو سکتا ہوں۔

میں علی سردار جعفری، ن۔ م۔ راشد اور اختر الایمان کا پیرو کار ہوں۔ خیام۔ ریاض اور عدم سے کیونکر متمتع ہو سکتا ہوں۔

ہاں بھائی یہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ بھئی میں راشد صاحب سے کہہ دیتا ہوں۔ آپ اپنا کلام ان کو دکھا دیا کریں۔

اس کے متعلق حضور کسی وقت آپ سے تفصیل سے بات کرونگا۔

ابھی ہم وہاں بیٹھے یہ ادبی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ چیک پوسٹ کا سنتری آیا اور اس نے مجھے بتایا۔

سر۔ محترمہ زاہدہ صاحبہ آپ سے ملنے کے لئے آئی ہیں اور چیک پوسٹ پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

اچھا بھئی آپ ان کو بتا دیں کہ میں آ رہا ہوں۔

میری یہ مستعدی دیکھ کر عدم صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

کیوں حضور۔

آپ کو یکایک کیا ہو گیا ہے۔

بھئی میں اپنے رقیب سے نہیں مل سکتا۔

چلئے بیٹھئے میں اسے فارغ کر کے آ جاتا ہوں

نہیں بری بات ہے۔ اگرچہ تم شاعر ہو لیکن تمہارا فوراً ان بیلنس **(un - balamce)** ہونا مجھے سمجھ نہیں آتا۔

نہیں حضور یہ بات نہیں ہے۔ میں آپ پر کسی آدمی کو ترجیح نہیں دیتا۔

حضور میں ویسے بھی اب جانا چاہتا ہوں۔

یہ الگ بات ہے۔ آپ اپنی خوشی سے جانا چاہیں تو بے شک جائیں۔
عدم صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں ان کے ساتھ چیک پوسٹ تک آیا۔ جب زاہدہ نے ہم دونو کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کار سے نکل کر پیشوائی کے لئے آگے بڑھی۔ عدم صاحب کو بڑے ہی مہذب انداز میں سلام کیا اور ان سے کہنے لگی۔

کیوں سر آپ واپس جا رہے ہیں۔

جی ہاں۔ کافی دیر ہوئی ہے۔ گھر سے نکلا ہوں بچے انتظار کر رہے ہونگے۔

میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

کیوں میاں ہنسنے کا کون سا موقعہ ہے۔ انہوں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

حضور میں آپکی اس سادگی پر ہنس رہا ہوں کہ "بچے انتظار کر رہے ہونگے" آپکے بچے تو روز ازل سے ابد آپ کے منتظر رہیں گے۔ اور آپ کبھی وقت پر گھر نہ لوٹیں گے۔ اور اسی طرح یاس و نا امیدی کے عالم میں ان کی زندگی بیت جائے گی۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور مغموم ہو گئے۔ اور مجھے اپنی اس بے تکی بات پر افسوس ہوا۔

سر میں آپ دونوں کو لینے کے لئے آئی ہوں۔ زاہدہ نے عدم صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیوں خیریت تو ہے۔

خیریت ہے۔ آج آوٹنگ کے لئے کہیں چلا جائے۔

آپ اور خلش صاحب جائیں۔ مجھے افسوس ہے میں آپکے ساتھ نہ جاسکونگا۔

سر۔ کوئی زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تین بجے تک واپس آجائینگے۔

ہاں حضور ٹھیک ہے۔ میں اللہ یار خان کو کہہ دیتا ہوں۔ وہ میس سے تین۔ چار۔ آدمیوں کا کھانا جلدی جلدی بنوالے۔ جب تک ہم کسی ہوٹل میں چائے پیتے ہیں۔

بھئی کھانا بنا ہوا ہے میرے پاس۔ آپ لوگ صرف میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوں۔

میرے اصرار پر عدم صاحب مان گئے۔ اور میں نے انہیں لا کر گاڑی میں بیٹھا دیا۔ کیمپ سے تھوڑی ہی دور دریائے جہلم کے کنارے ایک بڑا شاندار پکنک پوائنٹ تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم وہاں پہنچ گئے۔ ہم سے پہلے ایک پارٹی وہاں پہنچ چکی تھی۔ جس میں دو مرد' چار ننھے ننھے حسین و جمیل بچے اور تین جواں سال خوبرو خواتین تھیں۔ جو اپنی گاڑی سے سامان وغیرہ نکال رہی تھیں۔ مردوں نے کار کی ڈگی سے برتن اور ایک تیل کا چولہا نکالا۔ اور پھر ایک بڑا سا خوشنما قالین نکال کر بچھا دیا۔ دو گاو تکئے بھی نکال کر رکھ دیئے۔

جب ہم نے کار کھڑی کی تو وہ پیارے بچے دوڑ کر ہمارے پاس آگئے۔ زاہدہ نے ان کو پاس بلایا۔ ان سے ہاتھ ملایا اور ان کو چوما۔ وہ کلکاریاں مارتے ہوئے دوڑ کر واپس چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ خواتین بڑے ناز سے اٹھلاتی ہوئی۔ زاہدہ کے پاس آئیں۔ اور اس سے گلے ملیں۔ وہ زاہدہ کے حسن و جمال سے بہت متاثر ہوئیں۔ عدم صاحب اور میں ان مردوں سے جا کر ملے۔ جب ہم نے اپنا تعارف کرایا اور ان کو معلوم ہوا کہ یہ ہیں سید عبدالحمید عدم تو سب بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ہمیں الگ نہ بیٹھنے دیا۔ بلکہ اپنے ساتھ وہاں قالین پر ہی بٹھایا۔

خدا نے زاہدہ کو اتنا حسن دیا تھا کہ کیا مرد اور کیا عورتیں جو بھی ایک دفعہ اسے دیکھ لیتا اس کا گرویدہ ہو جاتا۔ وہ بچے تو زاہدہ سے الگ ہی نہ ہوتے تھے۔ وہ مرد دونوں ادھیڑ عمر کے تھے۔ ان کی بیویاں جوان اور خوبصورت تھیں۔ لیکن ان مردوں کی نظریں بھی زاہدہ کے چہرے سے نہ ہٹتی تھیں۔ عورتیں سچ ہی کہتی ہیں۔ مرد ایک ایسا بھونرا ہے جو ہر دم ایک نئی کلی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔

زاہدہ اپنی گاڑی سے پکا پکایا کھانا نکال کر لے آئی۔ اسے بھی گرم کیا گیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ وہ مرد دونوں بزنس مین تھے کوئی زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہ تھے۔ البتہ ان خواتین میں سے دو گریجوٹ تھیں۔ ان کو شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ عدم صاحب سے کافی دیر تک حاضرین ان کا کلام سنتے رہے۔ جب عدم صاحب تھک گئے۔ تو انہوں نے مجھے اپنا کلام سنانے کے لئے کہا۔ میں اپنا کلام سنا رہا تھا۔ تو میں نے اندازہ لگایا۔ کہ وہ دونو خواتین مجھ سے بھی مرعوب نظر آتی ہیں۔ حالانکہ عدم صاحب کے مقابلے میں میری کیا حیثیت تھی۔ لیکن میرا خیال ہے چونکہ عدم صاحب کے مقابلے میں میں کم سن تھا۔ یہ بات میرے کریڈٹ میں جاتی تھی۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ اگر دو مردوں میں سے کسی خاتون کو کسی مرد کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنا ہو تو وہ اپنے ہی کسی ہم عمر یا پھر اپنے سے کم سن مرد کو پسند کریگی۔ یہ پیمانہ ہر عورت اور ہر مرد کے ذہن میں ہوتا ہے جس پر وہ وقتاً" فوقتاً" عمل پیرا ہوتا ہے۔

شام پانچ بجے ہم لوگ واپس اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ میں نے آج کی پکنک کو کوئی زیادہ انجائے نہ کیا۔ میرا خیال ہے زاہدہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ہم دونو کے علاوہ باقی سب لوگوں نے بھرپور لطف اٹھایا۔ اب عدم صاحب مجھے زاہدہ سے ملنے سے نہ روکتے تھے۔ بلکہ اب خود بھی اس میں دلچسپی لیتے تھے۔ وہ کسی بھی مرد سے ملتے ہوئے کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ نہ محسوس کرتی تھی وہ اتنے سڑانگ کریکٹر اور نروز (nerves) کی خاتون تھی کہ اسے کسی قسم کی کوئی تحریص اپنی طرف راغب نہ کر سکتی تھی۔ عدم صاحب نے کبھی کوئی پیش قدمی نہ کی۔ ویسے

جب کبھی میرے معیت میں زاہدہ ان سے ملتی تو وہ اس کی کمپنی کو انجوائے کرتے۔ اس سے پہلے وہ مجھے زاہدہ سے ملنے کے ضمن میں جو لعن طعن کرتے تھے۔ اب وہ ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ اللہ یار خان سے اسی موضوع پر کوئی گفتگو نہ کرتے تھے۔ اب زاہدہ میری باس نہ تھی۔ بلکہ ایک دوست تھی۔ اور ہماری اس دوستی پر اب عدم صاحب کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ کہتے تھے۔ پہلے میں سمجھا تھا شاید کوئی آوارہ لڑکی ہے۔ جس کے ساتھ تعلقات بڑھانا سب کے لئے بے عزتی کا باعث ہو گا۔ لیکن اب ان کو ہر طرح سے تسلی ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ اب ہماری راہ میں حائل نہ ہونا چاہتے تھے۔

سنیچر وار تھا۔ اس دن دفتر میں آدھی چھٹی ہو گئی۔ اگر آفیسر کمانڈنگ موجود نہ ہو تو ہم دفتر فورا" بند کر دیتے۔ اس دن بھی ایسا ہوا۔ میجر افضل صاحب' چیف سگنل آفیسر صاحب کی ایک کانفرنس اٹینڈ کرنے گئے ہوئے تھے۔ کوئی ایسا ضروری کام بھی نہ تھا کہ جس کا ان کے نوٹس میں لانا ضروری ہو۔ چنانچہ میں نے سب کلرکوں کو چھٹی دے دی۔ اور دفتر بند کر کے اپنے ٹینٹ میں آگیا۔ لباس تبدیل کیا۔ اللہ یار خان نے میرے ٹینٹ سے باہر نیم کے گھنے پیڑ کے نیچے میری چارپائی بچھا دی۔ پاس ہی ایک خالی چار پائی اور دو تین کرسیاں لا کر رکھ دیں۔ میں نے اس نیم کے پیڑ کے گرد ایک قنات لگا کر اس کو اپنے ٹینٹ کے ساتھ ملا لیا تھا۔ بیٹھنے کے لئے بڑی عمدہ جگہ تھی۔ ساتھ ہی پختہ سڑک تھی۔ جو چیک پوسٹ سے آتی ہوئی میرے ٹینٹ کے پاس سے گزر کر کور ہیڈ کواٹر کے دفاتر کی طرف جاتی تھی۔

اللہ یار خان میرے لئے کھانا لینے کے لئے میس کی طرف چلا گیا۔ میں ریلیکس (relax) کرنے کے لئے آنکھیں بند کئے اپنے بستر پر لیٹ گیا کئی آدمیوں کی چاپ پر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ عدم صاحب ان کے ساتھ ایک جوان سا خوش لباس آدمی' تیسرے آدمی پر جب میری نظر پڑی تو ان کی غیر متوقع آمد پر میں پزل سا ہو گیا۔ یہ تھے میرے ایک دیرینہ کرم فرما جناب احسان دانش صاحب۔ میں ان سب کی پذیرائی کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس اجنبی شخص سے عدم صاحب نے میرا تعارف کروایا۔ "یہ میرے دوست خورشید صاحب ہیں۔ پنڈی سے آئیں ہیں" دانش صاحب کو جب آپ کا پتہ چلا کہ اپ جہلم میں ہیں تو انہوں نے ہمیں فورا" چلنے کے لئے کہا۔

آپ سب کی اور خصوصا" دانش صاحب کی بے حد نوازش ہے۔ کہ آپ حضرات تشریف

لائے اور میری عزت افزائی فرمائی۔ عدم صاحب نے خورشید صاحب سے میرا تعارف کروایا۔
یہ ہیں میرے دوست خلش ہمدانی۔ نوجوان شاعر اور ایک وفادار اور بہترین دوست۔
خورشید ان دنوں فیڈرل گورنمنٹ میں سیکریٹری تھے۔
میں نے اٹھ کر ان کو سلام کیا اور وہ مجھ سے گلے ملے۔ اللہ یار خان ایک ٹرے میں میس سے میرا کھانا لے آیا تھا۔ احسان صاحب نے جب اللہ یار خان کو کھانا رکھتے ہوئے دیکھا تو مجھ کہنے لگے۔
بھئی خلش صاحب میں نے خورشید صاحب سے فوجی میسوں کی دال کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ ہم نے آپ سے ملنا تو ویسے بھی تھا۔ میں نے احباب سے کہا۔ کیوں بھئی کھانا بھی خلش صاحب کے پاس نہ کھایا جائے۔ خورشید صاحب نے بھی بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔
حضور کھانے کا ابھی انتظام ہو جاتا ہے۔
میں نے اللہ یار خان کو بلایا اور اسے کہا کہ میس کے انچارج کو کہو کہ فوراً سائیکل پر بازار جائے۔ دو مرغیاں اور کچھ اچھا سا فروٹ لے آئے اور میں نے اسے سو روپے دیئے۔
ہرگز نہیں۔ اگر ہم نے مرغ پلاؤ کھانا ہوتا تو ڈی۔ سی صاحب کے پاس کھانا کھاتے۔ وہ خورشید صاحب کو آخر دم تک کہتے رہے۔
چلیں آپ نہ کھائیں۔ ہم کھالیں گے۔
بھئی ہمیں تو بھوک لگی ہے۔ ہم تو دال ہی کھائیں گے۔ کیوں خورشید صاحب کیا خیال ہے۔
سر آپ فوج کے لنگر خانوں پر پکائی جانے والی دال کی بے حد تعریف کر رہے تھے۔ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ دال روٹی ہی کھائی جائے۔
بھائی۔ عدم صاحب کی بھی رائے لے لیں۔ کیوں عدم صاحب آپ کا کیا خیال ہے۔
بھئی آپ مہمان ہیں میرے آپ سب میرے غریب خانے پر چلیں۔ جو دال' ساگ ہو گا اکٹھے کھا لیں گے۔
بالکل نہیں۔ جس سٹیشن پر خلش صاحب ہوں۔ میں اگر وہاں جاوں تو کسی بڑے بڑے آدمی کے پاس بھی نہیں ٹھہرتا۔ خلش صاحب کے پاس ہی ٹھہرتا ہوں اور ہمیشہ یہی کھانا کھاتا ہوں جو روٹین کے مطابق ان کے میس میں پکتا ہے۔ میں نے کبھی ان کو خصوصی انتظامات کی اجازت نہیں دی۔
خلش صاحب بھی تو ہمارے ساتھ میرے غریب خانے پر چلیں گے۔ عدم صاحب نے کہا۔
نہیں حضور ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں آپ سب سے ہر لحاظ سے جونیئر ہوں۔ آپ کو میری

عرضداشت قبول کرنی چاہئے۔
بھئی عدم صاحب آپ ناراض نہ ہوں ہم کھانا خلش صاحب کے ساتھ ہی کھائیں گے۔
خورشید صاحب نے بڑے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
میں نے میس انچارج کو بلا کر سمجھایا کہ جلدی سے گرم روٹیاں پکوا لیں۔ دال کو اچھی طرح سے دوبارہ بگھار لیں۔ اور سلاد وغیرہ بنا لیں۔ اور جلدی سے کھانا میرے ٹینٹ میں بھجوا دیں۔
تھوڑی دیر میں انچارج نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہے۔ بہتر ہے آپ میس میں آ کر کھا لیں۔ وہاں میز کرسیاں اور کراکری وغیرہ ہے۔ میں نے دانش صاحب سے پوچھا۔
دانش صاحب۔ کھانا میس میں جا کر کھائیں گے یا ادھر منگا لیں۔
ارے میاں ادھر منگاؤ۔
وہاں میز کرسیاں ہیں' آرام سے بیٹھ کر کھائیں گے۔
بھئی دو فوجی کمبل ٹینٹ میں بچھا دو۔ نیچے بیٹھ کر کھائیں گے۔ مزا آ جائے گا۔
خورشید صاحب نے اور عدم صاحب نے دانش صاحب کی بات کی پرزور تائید کی۔
بھئی۔ غلام حسن کھانا یہاں ہی لے آؤ۔ اللہ یار خان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ دو میس کے سرونٹ ساتھ لگا لینا۔
بہتر سر۔ یہاں لانے میں ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں تو آپ لوگوں کی سہولت کے لئے کہہ رہا تھا۔ غلام حسن میس انچارج نے کہا۔
اللہ یار خان نے میرے ٹینٹ میں فرش پر دو کمبل بچھا کر ان پر سفید چادریں بچھا دیں اور پھر میس کی طرف کھانا لینے چلا گیا۔ کھانا لا کر میس کے ایک سرونٹ نے لگا دیا۔ اللہ یار خان ہمیں بلانے کے لئے آیا۔
ہم اس چاندنی کے فرش پر بیٹھے ہی تھے کہ اچانک جنرل صاحب (کور کمانڈر) اور ان کے دو سٹاف آفیسرز ٹینٹ کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ کھانا ہمارے سامنے لگا ہوا تھا لیکن اس وقت تک ہم نے کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ میں نے یوں غیر متوقع طور پر جنرل صاحب کو اپنے ٹینٹ کے سامنے کھڑا دیکھا تو میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ٹینٹ سے باہر آ گیا۔ باقی صاحبان نے انہیں ایک نظر دیکھا لیکن ان کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ میں نے جنرل صاحب کے پاس آ کر ان کو سلام کیا۔
صاحب آپ کا کیا نام ہے۔
سر۔ میرا نام خلش ہمدانی ہے۔

عدم صاحب اور ان کے دو مہمان آپ کے ہاں آئے ہوئے ہیں۔

جی ہاں سر۔ یہ اندر وہی حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔

ان میں خورشید صاحب بھی ہیں۔

جی سر ہیں۔

کیا آپ لوگ کھانا کھانے لگے ہیں۔

جی سر۔

جنرل صاحب مجھے ہاتھ سے پکڑ کر دو چار قدم دور لے گئے۔ مجھ سے کہنے لگے:

نیک بخت آدمی۔ آپ کو پتہ ہے یہ خورشید صاحب کتنے بڑے آفیسر ہیں۔

نہیں سر مجھے تو پتہ نہیں ہے۔

بھئی۔ یہ ڈیفنس سیکرٹری ہیں۔ سب فوج ان کے ماتحت ہے۔ آپ کے ان سے کیا تعلقات ہیں۔

سر میرے ان سے تو ڈائریکٹ کوئی تعلقات نہیں ہیں۔ میرے دوست تو عدم صاحب اور احسان دانش صاحب ہیں۔ خورشید صاحب ان کے ساتھ آئے ہیں۔

آپ کے ساتھ ان کا کوئی کام ہے۔

نہیں سر۔ ویسے میں جس سٹیشن پر بھی ہوں احسان دانش صاحب اگر اس سٹیشن پر تشریف لائیں تو مہربانی فرماتے ہیں میرے پاس ہی قیام کرتے ہیں۔

یار تمہیں تو جنرل ہونا چاہئے تھا' کتنے بڑے بڑے لوگوں سے تمہارے مراسم ہیں۔

سر قسمت کی بات ہے۔ شکر ہے اللہ پاک کا میں تو اس قابل بھی نہیں۔

عدم صاحب ٹینٹ سے باہر نکل آئے۔ جنرل صاحب سے کہنے لگے۔

جنرل صاحب آپ اندر تشریف لائیں ناں۔ کھانا تیار ہے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔

بھئی عدم صاحب آپ نے بڑی زیادتی کی ہے۔ خورشید صاحب کو ہم آفیسرز میس میں کھانا کھلاتے۔

او جی جنرل صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ درویشوں کے مہمان بھی درویش ہوتے ہیں۔ خورشید یہاں کھانا کھانے تو نہیں آئے وہ تو احسان دانش صاحب کی اردل میں ہیں۔ جہاں دانش صاحب جائیں گے وہ بھی ان کے ساتھ جائیں گے۔ دانش صاحب خلش صاحب کے بہت عزیز دوست ہیں۔ وہ انہی کے پاس آ کر ٹھہرتے ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو خورشید صاحب کو ساتھ لے جائیں لیکن میرا خیال ہے وہ جائیں گے نہیں آپ کے ساتھ۔

وہ کیوں؟

وہ جناب اس لئے کہ وہ شاعروں پر اور کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔

آپ ان کو میری طرف سے گزارش تو کر دیں۔

احسان دانش صاحب نے اندر سے عدم صاحب کو آواز دی۔

بھائی عدم صاحب۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

حضور آپ ایک منٹ کے لئے باہر تشریف لائیں۔ عدم صاحب نے کہا۔

دانش صاحب اٹھ کر باہر آ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے خورشید صاحب بھی نکل آئے۔ جنرل صاحب نے ان کو سیلوٹ کیا۔ اور آگے بڑھ کر خورشید صاحب سے اور پھر دانش صاحب سے مصافحہ کیا۔

سر میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ جنرل صاحب نے خورشید صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

کیوں صاحب خیریت تو ہے۔ مجھے کہیں کوارٹر گارڈ تو بند نہیں کرنا۔

عدم صاحب اور دانش صاحب ہنس پڑے۔ جنرل صاحب جھینپ گئے۔ ان غیر متوقع حالات و واقعات سے میرا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ میں دل میں سوچنے لگا۔ "آج میری خیر نہیں" یہ فوج کے ارباب بست و کشاد تو آج مجھے زندہ دفن کر کے چھوڑیں گے۔

نہیں سر۔ آپ کھانا ہمارے میس میں آ کر کھائیں۔

جنرل صاحب۔ کھانا تو سامنے پڑا ہوا ہے۔ ہم نے شروع نہیں کیا چونکہ آپ نے خلش صاحب کو باہر بلا لیا۔ اب ہم سب ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چلیں آپ بھی ہمارے ساتھ آج زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔

سر معذرت چاہتا ہوں۔ میں نے یونیفارم پہنا ہوا ہے۔ یہ فوجی ایٹی کیٹس (Etiquettes) کے خلاف ہے۔

جنرل صاحب یہ تو عین اسلامی طریقہ ہے۔ خلش صاحب آپ کے ماتحت ہیں۔ کبھی آپ سینئر لوگ ان نیچے والے لوگوں کے ساتھ بھی مکس اپ ہوا کریں۔ خورشید صاحب نے کہا۔

جنرل صاحب خاموش ہو گئے۔ انہوں نے پلٹ کر اپنے دونو سٹاف آفیسرز کو پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان کے پاس آ گئے وہ تینوں صاحبان بھی اندر گئے اور بوٹ نکال کر چاندنی کے فرش پر بیٹھ گئے۔

میں نے غلام حسن کو ہدایت دی کہ آدمی زیادہ ہو گئے ہیں تم میس پر جاؤ۔ مزید کھانا کا انتظام کرو۔ لیکن اس نے بتایا کہ کھانا بہت ہے آپ اطمینان رکھیں۔ دانش صاحب نے مجھے بھی

بلا کر اپنے پاس کھانے کے لئے بٹھا لیا۔ خورشید صاحب اور جنرل صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اس ماحضر کو بے حد سراہا۔ خورشید صاحب بھی اس کھانے سے بہت لطف اندوز ہوئے۔ ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا کہ چیف سگنل آفیسر اور میرے آفیسر کمانڈنگ میجر افضل ہانپتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ ہماری یونٹ کا سینئر سردار ان کے ساتھ تھا۔ جب جنرل صاحب نے ان کو دیکھا تو خورشید صاحب سے کہنے لگے۔

"یہ صاحبان ہیں خلش صاحب کے ای جیٹ (Immediate) کمانڈر"

خورشید صاحب نے جنرل صاحب کو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اصلی ہوسٹ تو یہ ہیں۔ اب آپ ان کو بھی کھانے میں شامل کریں۔

بہت اچھا سر۔ اور پھر جنرل صاحب نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

آپ لوگ بھی کھانے میں شرکت کریں۔ اور وہ تینوں بغیر کسی تکلف کے اندر آ گئے۔

کھانے کے بعد غلام حسن بڑا مزیدار قہوہ بنا کر لے آیا۔ جب تک نئے آنے والے صاحبان نے کھانا کھایا۔ دوسرے سب لوگ قہوہ پیتے رہے اور مزے مزے کی باتیں کرتے رہے۔

یہ دعوت شیراز ختم ہوئی تو دانش صاحب نے مجھ سے جانے کی اجازت طلب کی۔ جنرل صاحب پاس ہی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے خورشید صاحب کی خدمت میں عرض کی۔

سر۔ آج رات کا کھانا آپ کا ہمارے میس میں ہو گا۔

جنرل صاحب۔ یہ کھانا بھی تو آپ ہی کا تھا۔

سر یہ تو خلش صاحب کی طرف سے آپ سب کے اعزاز میں تھا۔ آپ ہمارے میس ممبران کی بھی عزت افزائی فرمایئے۔

جنرل صاحب۔ خلش بھی آپ کا بچہ ہے۔ ان کی یہ دعوت شیراز سب آرمی پرسانل کی طرف سے تھی۔ دراصل میں کسی آفیشل وزٹ پر یہاں نہیں آیا۔ دانش صاحب میرے کرم فرما ہیں ان کا یہاں کے ڈپٹی کمشنر سے کچھ کام تھا۔ ان کے کام کے لئے تو ٹیلی فون بھی کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے سوچا عدم صاحب سے بھی ملے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ اسی بہانے میں ان کو سلام بھی کر لوں گا۔ اور آج کا دان دانش صاحب کے ساتھ بھی گذار لوں گا۔ ڈی سی صاحب سے فوراً ہی فارغ ہو گئے۔ عدم صاحب کے پاس گئے۔ وہاں باتوں باتوں میں عدم صاحب نے خلش صاحب کا ذکر کیا۔ یہ سننا تھا کہ دانش صاحب کہنے لگے۔ ابھی چلو خلش صاحب کے پاس۔ چنانچہ ہم تینوں ان کی تلاش میں یہاں پہنچ گئے۔ اچھا ہوا کہ ان سے فوراً ملاقات ہو گئی۔ مجھے ایک بات کا افسوس ہے آپ کو غیر ضروری طور پر اس قدر کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ کو میری آمد کا کیسے پتہ چلا۔

سر۔ مجھے جنرل ہیڈ کواٹر سے ٹیلی فون آیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کہ میں آپ کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کروں۔

بڑی نوازش ہے آپ کی جنرل صاحب۔ آپ کے ایک سبارڈی نیٹ نے ہماری بہت اچھی طرح سے دیکھ بھال کی ہے۔ یہ سادہ اور پرلطف کھانا کھا کر مجھے جو روحانی خوشی نصیب ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب فوج والوں کے پرخلوص جذبات کا نتیجہ ہے۔ اتنا مزہ اور روحانی سرور تو مجھے کسی بڑی سے بڑی پارٹی میں بھی نصیب نہیں ہوا۔

سر یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے ہمیں یہ عزت بخشی۔

بہت شکریہ۔ آپ کا۔

مہمان جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جنرل صاحب ان کے سٹاف آفیسرز' چیف سگنیل آفیسر' میجر افضل' سینئر سردار اور میں انہیں چیک پوسٹ تک چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ چل پڑے۔ وہاں خورشید صاحب کی گاڑی کھڑی تھی۔ جب وہاں پہنچے تو دانش صاحب اور عدم صاحب نے مجھے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ میں بھی ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر عدم صاحب کی کوٹھی پر چلا گیا۔ وہاں خورشید صاحب اور احسان دانش صاحب زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔ تھوڑی دیر بیٹھے۔ شعرو شاعری ہوتی رہی چائے آ گئی۔ اور پھر چائے پی کر دانش صاحب اور خورشید صاحب پنڈی واپس چلے گئے۔ اور میں واپس اپنے کیمپ میں آ گیا۔ اور آتے ہی لباس تبدیل کیا اور سو گیا۔

اللہ یار خان نے ٹینٹ میں جھانک کر جائزہ لینا چاہا۔ اسی وقت میں جاگا تھا۔

کیوں اللہ یار خان۔ تیسری جنگ عظیم کا اعلان تو نہیں ہو گیا۔

صاحب اس عالمی جنگ کا تو اعلان نہیں ہوا۔ لیکن آپ کے خلاف اپنے افسران کا اعلان جنگ بس ہوا ہی چاہتا ہے۔

وہ کیوں۔

صاحب آپ تو مہمانوں کے ساتھ چلے گئے۔ واپسی پر سینئر سردار میجر افضل صاحب سے اور چیف صاحب سے کہتے آ رہے تھے۔

حضور اس سردار کا ڈسپلن بہت خراب ہے۔ آپ دیکھئے نہ مجھے۔ نہ یونٹ کمانڈر کو اور نہ یہ آپ کو پتہ ہے کہ کور کمانڈر صاحب اس سردار کے ٹینٹ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سردار کل آپ کا یا میرا حکم مانے گا؟ میں نے تو اپنی پچیس سالہ سروس میں ایسا کوئی سردار نہیں دیکھا۔ پھر میجر افضل صاحب نے بھی سینئر سردار کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

سر یہ سردار نیوسینس (Nuisance) کریٹ کر رہا ہے۔ کور کمانڈر صاحب اس کے ٹینٹ

میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ نہ آپ کو خبر ہے۔ نہ مجھے خبر ہے۔ کل اس سردار نے ہمارا حکم کیا مانتا ہے۔ یہ تو ہم سب کو خاطر ہی میں نہ لائے گا۔

بھئی افضل میں بھی اس سے خوش تو نہیں ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے۔ پہلے کی طرح اس کے لئے جنرل ہیڈ کوارٹر سے ٹیلی فون آ جائیں گے۔

نہیں سر۔ اسے جنرل ہیڈ کوارٹر میں کون جانتا ہے۔ اس وقت اس شرابی شاعر کی وجہ سے ہمیں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ورنہ یہ کس باغ کی مولی ہے۔

افضل صاحب وہ شرابی شاعر تو اب بھی یہاں ہی ہے۔ وہ بھی آج کی محفل میں شریک تھا۔ ہم نے کوئی بھی قدم اٹھایا وہ اس سردار کی مدد کے لئے آ جائے گا۔

سر نہیں آتا۔ پہلے اس کی اپنی ذات انوالو (Involve) تھی۔ اب اس کی مدد کو وہ نہیں آئے گا۔

تو کیا ایکشن لیا جائے۔

سر میرا خیال ہے۔ فی الحال اسے کچھ دنوں کے بعد ریئر ہیڈ کوارٹر (Headquarter Rear) میں پشاور واپس بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہ ہو گا تو وہ پاگل شاعر بھی ادھر نہ آئے گا۔

چلو کچھ دن ٹھہر جاؤ۔

سر۔ آپ کو اس کے ایک اور سکینڈل کی خبر نہیں ہے۔

وہ کیا۔

ایک کرنل صاحب کی بیگم ہے۔ وہ پاگل عورت اسے دل و جان سے چاہتی ہے۔ نہ اس کی صورت نہ شکل۔ اس کم بخت عورت کو نہ جانے اس میں کیا بات نظر آئی ہے۔ سینئر سردار صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ خاتون دن میں ایک دو دفعہ ضرور کار پر آتی ہے۔ اور اسے چیک پوسٹ پر بلا کر گھنٹوں اس سے باتیں کرتی رہتی ہے۔ اگلے دن تو میں نے اس سردار کے ساتھ عدم کو بھی کھڑے اس کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ سر۔ ان باتوں کا ٹروپس پر برا اثر پڑتا ہے۔

افضل صاحب مجھے پتہ ہے اس سارے قصے کا۔ میں نے میجر ظہور الحق ملک سے پوری بات پوچھی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کوئی تشویش کن بات نہیں ہے۔ یہ سردار ادیب اور شاعر ہے۔ اس سلسلے میں اس کی عدم صاحب سے دوستی ہے جو پاکستان بلکہ برصغیر کے ایک عظیم شاعر ہیں۔ وہ خاتون لکھنؤ کی ہے۔ اس کا خاندانی بیک گراؤنڈ بھی ادبی ہے۔ اس سلسلے میں وہ پہلے خلش صاحب سے ملی ہے اور انہی کے ذریعے عدم صاحب سے اس کی ملاقات ہوئی ہے ملک صاحب نے مجھے پورے وثوق سے بتایا تھا کہ اس سے زیادہ ان کے اور کوئی تعلقات نہیں۔ جن

پر اتنی تشویش کا اظہار کیا جائے۔

سر۔ میری یہ ڈیوٹی تھی میں نے آپ کو پورے حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ جتنا جلدی ہو سکے اس سردار سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔ کام تو یہ پہلے بھی دفتر میں نہیں کرتا۔ تمام کام دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو گا تو وہ اور دلجمعی سے کام کریں گے۔

اچھا بھئی افضل اس کے متعلق سوچیں گے۔ میرا خیال ہے۔ سردست اگر آپ چاہیں تو اسے ریر ہیڈ کوارٹر میں واپس بھیج دیتے ہیں۔

چلیں سر۔ ہفتہ دس دن اور دیکھ لیتے ہیں۔

اور سر پھر چیف صاحب اور میجر صاحب دفتر کی طرف واپس چلے گئے۔ اللہ یار خان نے یہ روئیداد مجھے بڑی تفصیل سے سنائی۔ میں اپنے مخالفین کی سازشوں سے آگاہ تھا۔ لیکن میں نے اس طرح کی معمولی باتوں کا کبھی نوٹس نہیں لیا۔ میں اب بھی بدستور راجہ صاحب کے اڈے پر جایا کرتا تھا۔ عدم صاحب بھی دوسرے دن میرے پاس آیا کرتے تھے۔ البتہ زاہدہ کی آمد و رفت پہلے سے کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ لیکن وہ پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اس نے قانونی حدود سے کبھی بھی تجاوز نہ کیا۔ ہمیشہ چیک پوسٹ پر آ کر کار کھڑی کر دیتی اور وہاں سے مجھے ایک چٹ لکھ کر اپنی آمد کی اطلاع کرتی۔ اگر میرے پہنچنے میں کچھ دیر بھی لگ جاتی تو وہ کار میں بیٹھ کر کتاب پڑھتی رہتی۔ شروع شروع میں تو کچھ ینگ آفیسرز نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی سرد مہری اور درشت رویئے کے باعث پھر کسی میں جرات نہ ہوئی۔ البتہ وہ نچلے رینکس کے لوگوں سے نرم رویہ اختیار کرتی۔ ان فوجیوں میں سے صرف اللہ یار خان ایک ایسا فوجی جوان تھا جس سے وہ ہنسی مذاق کی باتیں بھی کرتی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ عورت ذات مردوں کے ساتھ ڈیلنگز (Dealings) میں بڑا ہوشیاری کا مظاہرہ کرتی ہے۔ جن مردوں سے انہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہو ان سے وہ بڑی سافٹ ہو گی۔ لیکن کسی مرد کی بات یا رویئے میں انہیں اگر ذرا سی ہوس کی جھلک بھی نظر آئی تو پھر ان کا رویہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں۔ اللہ یار خان کی بھی کچھ ایسی ہی پوزیشن تھی۔ وہ سادہ لوح، پابند صوم و صلواۃ اور شریف النفس انسان تھا۔ اس لئے زاہدہ کو اس سے کسی قسم کا کچھ خطرہ نہ تھا۔ ویسے بھی وہ غیر عورتوں سے کوئی دلچسپی نہ لیتا تھا۔

○

جہلم شہر مین بازار کی ملحقہ ایک گلی میں چند دکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا بازار ہے جسے

رام دین بازار کہتے ہیں۔ اسی بازار میں شراب کی ایک دوکان تھی۔ جس کا مالک ایک بڑا ہی جہاندیدہ شخص تھا۔ اس شراب خانہ کے سامنے ایک چھوٹا سا چائے کا ہوٹل تھا۔ جس پر ہمیں ہر وقت ایک جواں سال شاعر سید امداد ہمدانی اپنے کاروبار میں مشغول نظر آتا۔ کبھی کبھار جب عدم صاحب کے پاس شراب خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوتے تو ہم دونو سید امداد ہمدانی کے ہوٹل پر اس انتظار میں جا کر بیٹھ جاتے کہ کب شراب خانے کا مالک گھر کو واپس جاتا ہے اور کب اس کا بیٹا حسین اپنے باپ کی جگہ پر آتا ہے۔ حسین صاحب سے میری دوستی تھی میں اور عدم صاحب دونوں مشکل وقت میں کبھی کبھار اس سے ادھار پر بوتل لے جایا کرتے تھے۔ کبھی کبھار عدم صاحب اسی چھوٹے ہوٹل میں ہی بیٹھ کر پینا شروع کر دیتے اور ایک خوش شکل لڑکا بشیر ٹیلر جو کہ بہت اچھا گاتا تھا عدم صاحب کے ساتھ ناو نوش کے اس شغل میں شامل ہو جایا کرتا اور انہیں ان کی ہی غزلیں گا کر سناتا۔ اس ہوٹل سے بالکل قریب تحصیل روڈ ہے جس پر!p s میڈیکل ہال تھا۔ میں وہاں تھوڑی دیر کے لئے افتخار یوسف زئی روف ظفر اور ممتاز قاضی وغیرہ کے پاس چلاجاتا۔ عدم صاحب اپنے اصلی اڈے پر جاتے ہوئے مجھے وہاں سے ساتھ لے جاتے۔ اڈے پر جاتے تو پینے والے دوست ہم دونوں کا شدت سے انتظار کر رہے ہوتے۔

رات کے نو بجے کا وقت ہو گا کہ اچانک اللہ یار خان دروازے سے جھجکتا ہوا اندر آگیا۔ عدم صاحب دروازے کے بالکل قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی نظر اللہ یار خان پر پڑی تو وہ حیرانگی کے عالم میں اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ پھر اس سے پوچھنے لگے۔

کیوں اللہ یار خان خیریت تو ہے۔

سر خیریت ہے۔ میں اپنے صاحب کو بلانے کے لئے آیا ہوں۔

کون بلا رہا ہے۔

کمانی صاحب (کمانڈنگ صاحب) بلا رہے ہیں۔

کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔

مجھے تو سر پتہ نہیں۔

آپکو کس نے کہا ہے کہ خلش صاحب کو بلا کر لے آو۔

سر سینئر سردار ساتھ آئے ہیں۔ دراصل صاحب نے ان کو حکم دیا ہے کہ ہمدانی صاحب کو بلا کر لے آئیں۔ لیکن چونکہ وہ یہ ٹھکانہ نہ جانتے تھے۔ اس لئے مجھے ساتھ لائے ہیں۔

کوئی یونٹ میں گڑبڑ تو نہیں ہو گئی۔

نہیں سر۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔

اچھا بھئی خلش صاحب آپ جائیں۔ اپنے کمانڈنگ صاحب کو جاکر اٹینڈ کریں۔

جی بہت اچھا۔

میں اللہ یار خان کیساتھ کیمپ کی طرف چل پڑا۔ ہمارا کیمپ وہاں سے پیدل دس بارہ منٹ کا راستہ تھا۔ ریلوے پل کے پاس ہم پہنچے تو سینما ہال سے سینئر سردار اور اس کے چار حواری برآمد ہوئے۔ مجھے شک پڑ گیا کہ کہیں یہ مجھے زد و کوب کرنے کے لئے تو نہیں کھڑے ہوئے۔ جلد ہی سینئر سردار نے میرے قریب آ کر کہا۔

جناب مجھے میجر صاحب نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔

کیوں کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔

نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ میجر صاحب کا آپ کے ساتھ کوئی ضروری کام ہے۔ وہ کیمپ آئے۔ آپ کا پوچھا۔ آپ موجود نہیں تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو تلاش کر کے ان کے پاس لے جاؤں۔

میجر صاحب اس وقت کہاں ہیں۔

اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

راستے میں وہ مجھ سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ آج تک مجھے کسی نے بھی یوں شہر سے تلاش کروا کر کیمپ نہ بلوایا تھا۔ میں نے دل میں اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات وقوع پذیر ہوئی ہے۔ ہم تھوڑی ہی دیر میں کیمپ پہنچ گئے۔ میجر افضل بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ جب ان کے دفتر کے ٹینٹ کے قریب پہنچے تو سینئر سردار سے آگے ایک فاتح جرنیل کی طرح سینہ تانے چل رہا تھا۔ اس نے مجھے ٹینٹ کے باہر رکنے کا حکم دیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی دفتری معاملے میں OC نے مجھے بلوایا ہے۔

سینئر سردار نے اندر جا کر فوجی انداز میں سیلوٹ کیا اور کہنے لگا۔

سر میں ہمدانی صاحب کو تلاش کر کے لے آیا ہوں۔

کہاں ہیں وہ۔

باہر کھڑے ہیں۔

انہیں اندر بلائیں۔

سینئر سردار نے مجھے ٹینٹ کے اندر بلا لیا۔ میجر افضل نے مجھے اور سینئر سردار کو سامنے پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب ہم بیٹھ گئے تو وہ مجھ سے کہنے لگے۔

صاحب آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ کل صبح سویرے آپ ریر ہیڈ کوارٹر پشاور چلے جائیں۔ وہاں کے حلات ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ ان لوگوں کو ذرا جا کر ٹھیک کریں۔

سر میرا ان سے کیا کام ہے میں آفس سائیڈ کا آدمی ہوں۔ آپ کسی جنرل ڈیوٹی والے صاحب کو وہاں بھیجیں۔

صاحب سب جی۔ ڈی والے بے حد مصروف ہیں۔

میں ہی نکما ہوں اس یونٹ میں۔

صاحب CSO صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

تو یہ سیاسی فیصلہ ہوا نا۔ اس میں کارکردگی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔

صاحب آپ کی کارکردگی بھی تو کوئی خاص نہیں ہے۔ دفتر کو نیچے والے کلرک چلا رہے ہیں۔ آپ تو ہر وقت عدم صاحب کے ساتھ رہتے ہیں یا پھر کرنل صاحب کی وہ بیگم آپ کو لے جاتی ہیں۔

اصل بات یہ ہے جس کا آپ کو اور CSO صاحب کو رنج ہے۔

صاحب فضول باتیں نہ کریں۔

سر اس فضول بحث کی ابتدا تو آپ نے کی ہے۔ آپ مجھے وقت پر بتاتے۔ موومنٹ آرڈر میرے حوالے کرتے۔

موومنٹ آرڈر اور ریلوے وارنٹ دونو تیار ہیں۔ آپ اور آپ کا اردلی کل صبح کی گاڑی سے پشاور جائینگے۔ یہ رہے آپکے کاغذات انہوں نے ٹرے سے دونو نکال کر میرے حوالے کئے۔

میں موومنٹ آرڈر اور ریلوے وارنٹ لے کر غصے کی حالت میں فوراً باہر نکل آیا۔ ٹینٹ میں آکر میں نے موومنٹ آرڈر دیکھا۔ فی الواقعہ دوسرے دن صبح کی گاڑی سے پشاور روانہ ہونا تھا۔ میں غصے سے پھنکا جا رہا تھا۔ میں ابھی اسی کیفیت میں تھا کہ سینئر سردار مسکینوں جیسی صورت بنائے ہوئے میرے ٹینٹ میں آگیا۔ میں نے اس سے کچھ بات نہ کی۔ وہ ایک دو منٹ بیٹھا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے کہنے لگا۔

ہمدانی صاحب میں صبح کتنے بجے گاڑی لے کر آوں۔

آپ کا گاڑی سے کیا تعلق۔

مجھے میجر صاحب نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو گاڑی پر سوار کر کے واپس ان کو رپورٹ دوں۔

کیوں لڑائی لگی ہوئی ہے۔

صاحب مجبوری ہے نوکری جو کرنی ہے۔

آپ کی مجبوری ہے میری تو کوئی مجبوری نہیں۔ کل اور پرسوں دو دن چھٹیاں ہیں۔ میں اپنی سہولت سے جاؤں گا۔

صاحب فوجی نوکری میں اپنی سہولت نہیں دیکھی جاتی۔ فوجی ضرورت کو ہمیشہ ترجیح دی جاتی ہے۔

صاحب یہاں سے چلے جائیں میں اس وقت ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوں۔

وہ کوئی مزید بات کئے اٹھ کر میرے ٹینٹ سے باہر چلا گیا۔

میں نے وقت دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ میں نے اللہ یار خان کو صرف اتنا بتایا۔

بھائی صاحب۔ کل آپ کو اور مجھے پشاور واپس جانا ہے۔ سویرے آپ سامان وغیرہ پیک کر لیں۔ دھوبی کے پاس جو کپڑے ہیں وہ لے آئیں۔ میس اور کینٹین کا حساب صاف کر دیں۔

کیوں صاحب اتنا جلدی آرڈر کیوں ملا ہے کوئی لڑائی تو نہیں لگ گئی۔

بھائی صاحب یہ تو افسران بالا کی مرضی ہے۔ نوکری کرنی ہے تو جہاں حکم ملے گا وہاں جائیں گے۔

صاحب میں نے آپ کو اگلے دن بتایا نہیں تھا۔ کہ چیف صاحب اور کمانی صاحب اس دن چیک پوسٹ سے واپسی پر اس طرح کی باتیں کرتے آ رہے تھے۔ میں تو اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ یہ نزلہ اب آپ پر گرے گا۔

اچھا بھئی دیکھ لینگے۔ اب تم جاو اور سو جاو۔ اور اللہ یار خان اپنا حقہ اٹھا کر اپنے ٹینٹ کی طرف چلا گیا۔

دوسرے دن بعد دوپہر میں اور اللہ یار خان بزریعہ ٹرین پشاور کے لئے روانہ ہو گئے۔ رات دس بجے کے قریب پشاور جا پہنچے۔ تانگے پر سامان رکھ کر یونٹ لائینز پہنچے۔ تو وہاں پر مکمل خاموشی تھی۔ البتہ نائٹ ڈیوٹی والا بندوق لے کر اپنی ڈیوٹی پر متعین تھا۔ اللہ یار خان نے میرا کمرہ کھولا سنتری نے اور اس نے مل کر سامان کمرے میں لا کر رکھا۔ اللہ یار خان نے جب تک بستر بچھایا اور ضروری سامان بکسوں سے باہر نکالا۔ میں سنتری کو لے کر دوسری منزل سے نیچے آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہاں کیا گڑبڑ ہے۔ کہ کمانڈنگ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں جا کر وہاں کے خالات سدھا روں اس سپاہی نے مجھے بتایا کہ "صاحب یہاں تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ حالات سب ٹھیک ہیں"۔

میرے خدشات درست نکلے۔ وہ سب لوگ مجھ سے گلو خلاصی چاہتے تھے۔ اسی بہانے انہوں نے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ ویسے تو میرے لئے ریر ہیڈ کواٹر کا انچارج بن کر رہنا بہت آسان تھا۔ نہ کام نہ کاج۔ اچھا کھانا۔ اچھا پینا۔ لیکن عدم صاحب۔ زاہدہ صاحبہ اور افتخار یوسف زئی اور روف ظفر سے بچھڑنے کا غم ضرور تھا۔

تھکا ماندہ تھا۔ دوسری صبح کو اللہ یار خان نے چائے مجھے بستر ہی میں لا کر دی۔ میں ابھی چائے پی ہی رہا تھا۔ کہ ریر ہیڈ کوائر میں رہنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ دوپہر تک اللہ یار خان نے میرے کمرے کا سب سامان باہر نکلوا کر اسے صاف کیا۔ سامان درست کیا۔ ابھی میں ان لوگوں کے ساتھ وہاں ہی بیٹھا تھا۔ کہ سٹیشن ہیڈ کوائر سے ایک سپاہی میرے نام کی ایک چٹ لے کر آیا۔ مجھے سٹیشن سٹاف آفیسر نے اپنے دفتر میں بلوایا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب یونٹ ہیڈ کوائر سے میجر افضل اور سینئر سردار کی رشہ دوانیوں کا نتیجہ ہے۔ میں تھوڑی دیر میں تیار ہو کر ان کے پاس گیا۔ ایس۔ ایس۔ او ایک مقامی آفیسر تھا۔ مجھے پہلے سے جانتا تھا۔ جونہی ان کو میرے وہاں پہنچنے کی اطلاع ملی۔ انہوں نے مجھے اندر بلا لیا۔ بڑی عزت سے پیش آئے۔ چائے پلائی اور ساتھ ساتھ مجھ سے میری یونٹ کے حالات و واقعات پوچھتے رہے۔

جب وہ یہ سب باتیں مجھ سے پوچھ چکے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ آپکے او۔ سی کا ٹیلی فون آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ ہمارے چیف سگنل آفیسر صاحب سٹیشن کمانڈر سے بھی بات کریں گے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ہم نے صوبیدار ہمدانی صاحب کو ڈسپلنری گراونڈز پر یہاں سے پشاور واپس بھیجا ہے۔ اسے وہاں خوب کھینچ کر رکھیں۔ ایس۔ ایس۔ او ہنس دیا۔ کہنے لگا۔ وہ اپنے آدمی کو کھینچ کر نہیں رکھ سکتے۔ ہمارا یونٹوں کے کاموں میں بھلا کیا عمل دخل۔ میں نے آپکے میجر صاحب کو بتا دیا ہے کہ میں خلش ہمدانی صاحب کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ وہ بھلے مانس اور اچھے جے۔ سی۔ او ہیں۔

سر بہت شکریہ آپ کا۔ وہ نیک بخت مجھے یہ تو بتائے کہ میری کن باتوں سے خوش نہیں ہیں۔

اس نے مجھے بتایا ہے۔ کہہ رہا تھا وہاں ایک شرابی۔ کبابی لوکل آڈٹ آفیسر ہے۔ جو شاعر بھی ہے۔ یہ ہمدانی صاحب ہر وقت اس کے پیچھے دم کی طرح لگا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہاں کوئی کرنل ہے اس کی بیگم کو بہکا رکھا ہے۔ جو اس کے پیچھے یونٹ کے چکر کاٹتی رہتی ہے۔

سر اب میرے لئے کیا حکم ہے۔

بس مزے کریں۔ وہاں تو کوئی تھوڑا بہت دفتری کام کرنا پڑتا ہوگا یہاں وہ بھی نہیں۔ ایک کام آپ کریں۔ ٹیلی فون آپ اپنے کمرے میں شفٹ کروالیں۔

سر۔ اس طرح تو میں ٹیلی فون کے ساتھ بندھ جاونگا۔ ٹیلی فون جہاں پڑا ہے پڑا رہنے دیں۔

اچھا جیسے آپ کی مرضی۔

اور میں مطمئین ہو کر واپس یونٹ لائینز میں آگیا۔

O

مجھے پشاور آئے ہوئے تیسرا روز تھا۔ نہا دھو کر ناشتہ کیا۔ کمرے سے باہر برآمدے میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ کہ یونٹ کے مین گیٹ کا سنتری میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

سر گیٹ پر ایک کار آئی ہے۔ جس ایک مرد اور ایک خاتون ہیں۔ انہوں نے یہ چٹ آپ کے لئے بھیجی ہے۔ میں نے چٹ اس کے ہاتھ سے لے لی۔ چٹ پر عدم صاحب کے ہاتھ کا صرف یہ لکھا ہوا تھا۔

عدم اور زاہدہ سلام کے لئے حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس سپاہی کو دیکھتا رہ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے اور عذاب دوزخ سے میرا چھٹکارا پانے کا پروانہ لے کر آیا ہے۔ میں اٹھ کر مین گیٹ کی طرف دوڑ پڑا۔ مہمانوں نے مجھے یوں غیر ارادی طور بھاگتے ہوئے دیکھا۔ تو دونوں کار سے نکل کر میری پذیرائی کے لئے آگے بڑھے۔ زاہدہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اور مجھے بے تحاشا چومنا شروع کر دیا۔ میں اس سے الگ ہو کر عدم صاحب سے گلے ملا۔ انہوں نے بھی مجھے چھاتی سے لگایا۔ مجھے پیار کیا۔ یہ خلوص اور محبت دیکھ کر میرے آنسو نکل آئے۔ گیٹ پر متعین گارڈ کے سپاہی سب ہمیں حیران کن نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔ اتنے میں اللہ یار خان کو پتہ چل گیا کہ جہلم سے مہمان آئے ہیں۔ تو وہ بے اختیاری کے عالم میں بھاگتا ہوا آیا۔ آتے ہی عدم صاحب کو سلام کیا۔ اور بڑی عقیدت اور محبت سے ان کے گھٹنوں کو چھوا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر اٹھایا۔ اور اپنی چھاتی کے ساتھ لگا لیا۔ زاہدہ اس کے پاس آئی۔ اللہ یار خان نے بڑی محبت اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

میں نے اللہ یار خان کو کہا۔ بھائی اللہ یار خان۔ عدم صاحب تو مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اور سوہنی کڑی آپ سے ملنے آئی ہے۔

اللہ یار خان نے شرما کر سر جھکا لیا۔ میں نے زاہدہ کو کہا کہ گاڑی اندر لے آو

جناب میں اندر نہیں آؤں گی۔

کہاں جاؤ گی۔ کوئی قبائلی پٹھان اٹھا کر لے جائے گا۔

جناب آپ ہی نے بتایا تھا کہ لیڈیز یونٹ لائینز میں نہیں آسکتیں۔

ہر موقعہ کی مناسبت سے بات کی جاتی ہے۔ آج اجازت ہے۔

نہیں میں نے راستے میں عدم صاحب کو کہا تھا کہ ڈین ہوٹل میں رہیں گے۔

بھئی رہنے کا وقت آیا تو چلے جانا۔ ابھی تو آپ آئے ہی ہیں۔

ہم سب اوپر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ میرے پاس ایک بڑا سجا سجایا کمرہ تھا۔ اس کے ساتھ اٹیچ باتھ روم بھی تھا۔ اس لئے میں نے سوچا انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ بیٹھ کر چائے پی۔ چائے پی چکے تو عدم صاحب نے مجھ سے یوں عجلت میں ملے بغیر چلے آنے کا سبب پوچھا۔ میں نے ان کو اس رات سے لے کر روانگی اور یہاں ایس۔ ایس۔ او سے کی گئی سب باتیں تفصیل سے بتائیں۔ جوں جوں میں باتوں کو آگے بڑھا رہا تھا ہر لمحے ان کا چہرہ غصے سے متغیر ہوتا جا رہا تھا۔ مجھ سے پوچھنے لگے

بھائی خلش یہاں نزدیک کوئی ٹیلی فون ہو گا۔

ہے سر۔

چلو وہاں سے جا کر ٹیلی فون کریں۔

ٹیلی فون یہاں کمرے میں منگوا لیتے ہیں۔

- اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔

اللہ یار خان نیچے سے ٹیلی فون اٹھا کر میرے کمرے میں لے آیا۔

عدم صاحب نے جنرل ہیڈ کوارٹر میں جنرل ناصر خان کو ٹیلی فون کیا اور انہیں خورشید صاحب اور احسان دانش صاحب کی جہلم میں آمد اور پھر ہمارے کیمپ میں آمد اور کور کمانڈر صاحب کا ان کی تلاش میں آنا۔ اور پھر میرے ٹینٹ میں نیچے زمین پر بیٹھ کر دال روٹی کھانے کی مفصل داستان سنائی۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ ہمدانی صاحب کا او۔ سی اور سی۔ ایس۔ او اس سے بے حد ناراض ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ یہ جے۔ سی ۔ او اب ہمارے لئے تکلیف کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ اس سے پیچھا چھڑایا جائے۔ انہوں نے ان کی رات کو گیارہ بجے جب کہ یہ میرے ساتھ ایک محفل مشاعرہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بلوا کر موومنٹ آرڈر دیا اور صبح سویرے پہلی گاڑی سے پشاور بھیج دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلش صاحب ہیڈ کلرک ہیں۔ ان کا جنرل ڈیوٹی سے کیا تعلق ہے لیکن ان کو بھیج دیا گیا ہے۔ ان پر اور بہت غلط قسم کی ایلی گیشنز بھی لگائی گئی ہیں۔

عدم صاحب اب آپ اطمینان رکھیں۔ میں سب کچھ ٹھیک کئے دیتا ہوں۔ آپ کو ایک گھنٹے میں اس کی واضح پروگریس معلوم ہو جائیں گی۔ ویسے تو سب ٹروپس اپنی اپنی پیس ٹائیم کی لوکیشنز پر چند روز میں واپس آرہے ہیں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو خلش صاحب کو آپ اپنی ہی گاڑی میں بٹھا کر جہلم واپس لے جائیں۔ میں سٹیشن کمانڈر صاحب کو ٹیلی فون کرتا ہوں وہ ایک فوجی گاڑی میں ان کا سامان اور ان کے اردلی کو آج ہی جہلم بھیج دیں گے۔ آپ مطمئن

رہیں۔ اب آپ خورشید صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع نہ دیں۔ میں دوسرے لوگوں کو بھی ٹھیک کرتا ہوں۔

شکریہ سر۔ اور عدم صاحب نے ٹیلی فون بند کر دیا۔ زاہدہ تھک گئی تھی۔ وہ میرے بستر پر جا کر سو گئی تھی۔ عدم صاحب مجھ کہنے لگے۔

بھئی دال روٹی منگواو کہ کھائیں اور چلنے کی تیاری کریں۔

حضور اب کل چلیں گے۔

نہیں ابھی چلیں گے۔ تاکہ تمہارے مخالفین کو بھی پتہ تو چلے کہ خلش ہمدانی اتنا بے دست و پا نہیں ہے۔ وہ سید عبدالحمید عدم کا دوست ہے۔

اچھا زاہدہ کو میں جگا کر اس سے پوچھتا ہوں۔ جیسے اس کی مرضی ہوئی ویسے کریں گے۔

بے چاری کو سو لینے دو۔ تھکی ہوئی ہے۔ تمہارے چلے آنے کے بعد وہ تین دن سے مینٹلی اتنی ڈسٹرب رہی ہے۔ کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ مجھے اتنی جلدی تمہارے اس قصے کا پتہ انہوں نے ہی دیا۔ وہ اتفاقاً" دوسرے دن شام کو تمہارا پتہ کرنے کے لئے تمہارے کیمپ کی طرف گئی تو چیک پوسٹ پر متعین سنتری نے اس پوری صورت حال سے انہیں آگاہ کیا۔ وہ بے چاری بھاگی بھاگی میرے پاس آئی۔ ہماری انسپکشن ٹیم آئی ہوئی تھی۔ دو دن ضائع ہو گئے۔ آج صبح سویرے پانچ بجے کے چلے ہوئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں جاگ جائیں گی۔ تو سب بات طے کر لیں گے۔

زاہدہ جاگی تو میں نے اسے سب صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ خوشی کے مارے مجھ سے لپٹ گئی۔ عدم صاحب پاس بیٹھے اپنے فتح و کامرانی پر خوش ہو رہے تھے۔ میں نے زاہدہ کو بتایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اب میں کل آپ کے ساتھ واپس جہلم آؤں۔ جب کہ عدم صاحب کہتے ہیں کہ نہیں ابھی تم ہمارے ساتھ چلو۔

کوئی سروس کی پابندی نہیں تو بہتر ہو گا تم ابھی ہمارے ساتھ چلو۔

بھئی آپ لوگ بھی آج رات یہاں رہیں۔ کل اکٹھے واپس چلے جائیں گے۔

نہیں آج ہی واپس جائیں گے۔ زاہدہ نے کہا۔

اللہ یار خان کھانا لے آیا اور ہم تینوں نے اکٹھا بیٹھ کر کھایا۔ دانش صاحب کی طرح زاہدہ بھی فوجی لنگر خانوں کی دیگی دال کو بے حد پسند کرتی تھی۔ ابھی ہم کھانا کھا رہے تھے کہ سٹیشن ہیڈ کوارٹر کا ایک آدمی میرا جہلم واپس جانے کے لئے مومنٹ آرڈر لے آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چھوٹی فوجی گاڑی مجھے جہلم لے جانے کے لئے آ گئی۔ ابھی ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ سٹیشن سٹاف آفیسر صاحب کا مجھے ٹیلی فون آیا۔

صاحب آپ کو جہلم جانا مبارک ہو۔
سر۔ بہت شکریہ۔
یہ سب کچھ کیوں کر ممکن ہوا ہے۔ آپ نے کوئی لینک (Link) لگایا ہے۔
جی نہیں۔ پھر یہ کیسے ہوا۔

ابھی میں ٹیلی فون پر بات کر ہی رہا ھا کہ سٹیشن کمانڈر صاحب سٹاف کار پر آ گئے۔ مجھے سنتری نے آکر بتایا۔ میں نیچے جا کر ان کو ملا۔ انہوں نے میری دل جوئی کے لئے مجھے تسلی دی۔ اور واپس جہلم جانے کی اجازت دی۔ میرے کمرے کے سامنے نیچے سڑک پر کار دیکھ کر کہنے لگے:

صاحب یہ گاڑی کس کی ہے۔
سر۔ جہلم سے سید عبدالحمید عدم صاحب آئے ہیں۔
وہ جو پاکستان کے بڑے شاعر ہیں۔
جی ہاں سر۔ وہی۔
بھئی ان سے تو میں بھی ملنا چاہوں گا۔

سر وہ اوپر کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ وہاں تشریف لے جانا چاہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں ان کو یہاں بلوا لیتا ہوں۔

صاحب۔ عدم صاحب بہت بڑے آدمی ہیں۔ میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا۔ میں ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔

برگیڈیئر صاحب میرے ساتھ میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ وہ یونیفارم میں تھے۔ یونیفارم کا اپنا ایک تاثر ہوتا ہے۔ عدم صاحب اور زاہدہ نے ان کو دیکھا تو دونو ان کی پذیرائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مین نے عدم صاحب کا اور زاہدہ دونو کا برگیڈیئر صاحب سے تعارف کروایا۔ وہ ان دونو سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

تھوڑی دیر بیٹھے۔ سب نے چائے کا ایک ایک کپ پیا اور پھر وہ واپس چلے گئے۔ میں سمجھتا ہوں جنرل صاحب نے ذاتی طور پر برگیڈیئر صاحب سے بات کی ہو گی۔ اس لئے ان کا لہجہ بڑا نرم تھا۔

ریر ہیڈ کواٹر میں انچارج حوالدار عنایت علی خان تھا۔ اسے میں نے کہا کہ دو آدمی بلوا کر میرا سامان اس فوجی گاڑی میں رکھوا دیں سامان لوڈ ہو گیا تو گاڑی والے کو میں نے کہا کہ جہلم کے لئے تم روانہ ہو جاؤ۔ اللہ یار خان بھی اس گاڑی میں بیٹھ گیا اور وہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ عدم صاحب کو اپنے لئے دارو کی طلب تھی۔ ہم تینوں وہاں سے ارباب روڈ

پر آئے وہاں سے عدم صاحب کے لئے میں نے ایک بوتل خریدی اور وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آرام سے لیٹ کر شغل کرنے لگے۔ ہم حسن ابدال کے قریب پہنچے تو سورج دور مغرب میں اونچے پہاڑوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ زاہدہ بڑے محتاط انداز میں گاڑی چلاتی تھی۔ واپسی پر ہم دونو نے جی بھر کر باتیں کیں۔ عدم صاحب اپنے حال میں مست تھے ہم پنڈی پہنچے تو کافی اندھیرا چھا چکا تھا۔ میں نے ساتھیوں کو کھانے کے لئے کہا۔ لیکن ان دونو نے کہا کہ جہلم جا کر آرام سے کھانا کھائیں گے۔

ہم گوجر خان پہنچے تو ہم نے اس فوجی گاڑی کو سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے کھڑا دیکھا۔ میں نے زاہدہ کو گاڑی روکنے کے لئے کہا گاڑی رکی تو میں اتر کر ہوٹل کے اندر چلا گیا۔ اللہ یار خان اور وہ دونوں ڈرائیور کھانا کھانے کے بعد اب چائے پی رہے تھے۔ میں نے ہوٹل کے ایک نوکر کی معرفت دو کپ چائے عدم صاحب اور زاہدہ کو گاڑی ہی میں بھجوا دیئے۔ اور ایک پیالی خود کرسی لے کر ان کے ساتھ بیٹھ کر وہاں ہی چائے پینے لگ گیا۔ جب سب چائے وغیرہ پی چکے تو میں نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا اور پھر اپنی گاڑی کی طرف واپس آ گیا۔ ہوٹل کا نوکر خالی پیالیاں لے گیا۔

دو گاڑیاں گوجر خان سے اکٹھی جہلم کے لئے روانہ ہوئیں۔ تھوڑے وقفے کے بعد ہم جہلم تقریباً ساڑھے دس بجے کیمپ میں پہنچ گئے۔ عدم صاحب چاہتے تھے کہ میں سامان اتروا کر ان کے ساتھ اڈے پر چلوں۔ لیکن میں نے معذرت کر لی اور یہ وعدہ کیا کہ کل سے باقاعدگی سے آپ کے ساتھ آیا کروں گا۔ میں نے عدم صاحب اور زاہدہ دونوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ زاہدہ مجھ سے کہنے لگی۔

تم آج کھانا میرے ساتھ کھانا پھر میں تمہیں ڈراپ کر جاؤں گی۔

نہیں میں وہاں سعید کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ بہت ممکن ہے میری اس اکھاڑ پچھاڑ میں اس کا بھی کوئی حصہ ہو۔

ہو سکتا ہے۔ اس وقت تو تمہارا میس بند پڑا ہے تمہیں کھانا کہیں سے نہیں ملے گا۔ تم ایسا کرو۔ میرا انتظار کرو۔ میں تمہارے لئے کھانا بنوا کر ابھی لے آتی ہوں۔

نہیں محترمہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ اسی لئے تو میں اسے اڈے پر ساتھ لے جانا چاہتا تھا کہ دونو وہاں کھانا اکٹھا کھائیں گے۔ عدم صاحب نے زاہدہ سے کہا نہیں شاہ صاحب ابھی اس کا سامان آنا ہے۔ اس کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔ کھانے کی کوئی پرابلم نہیں ہے۔ میں آپ کو اڈے پر چھوڑ کر گھر جا کر کھانا لے آؤں گی۔ دونوں چیک پوسٹ سے پیچھے گاڑی میں بیٹھ کر کھا لیں گے۔ جب تک اس کا سامان بھی پہنچ جائے گا۔

چلئے ایسا کر لیں۔

زاہدہ عدم صاحب کو وہاں سے لے کر چلی گئی۔ میں کیمپ کے اندر آیا۔ یونٹ والوں نے میرا ٹینٹ اور اس سے متعلقہ لوازمات وہاں سے اکھاڑ لئے تھے۔ سب لوگ سو چکے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ مجھے یہاں سے گئے ہوئے صرف تین روز ہوئے ہیں۔ میرے مخالفین نے یہاں سے میرا نام و نشان ہی مٹا دیا ہے۔ میں نے سوچا میں دفتر میں ڈیوٹی کلرک کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہوں۔ میں چیک پوسٹ پر گیا وہاں سنتری کو بتایا کہ اگر کوئی میرا آ کر پوچھے تو آپ مجھے دفتر میں اطلاع دیں۔

بہتر سر۔

میں دفتر کی طرف چلا گیا۔ دو میزوں کو جوڑ کر ڈیوٹی کلرک ان پر سویا ہوا تھا۔ میرے وہاں آنے کا اسے پتہ نہ چلا وہ بدستور لمبے لمبے خراٹے لیتا رہا۔ میں ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ کوئی زیادہ وقت نہ گذرا ہو گا کہ چیک پوسٹ کا سنتری مجھے بلانے کے لئے آ گیا۔ میں بیریر کے پاس گیا تو وہاں سے ہٹ کر تھوڑا پیچھے زاہدہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں سیدھا وہاں چلا گیا۔ زاہدہ میرے لئے کھانا لے کر آئی تھی۔ اس نے گاڑی کے ساتھ ہی زمین پر ایک دری بچھا دی اور اس پر کھانا گاڑی سے نکال کر رکھ دیا۔ اس نے مجھے دو پیکٹ فروٹ کے نکال کر دیئے۔ کہ ایک چیک پوسٹ پر متعین گارڈ والوں کو دے دو اور دوسرا ان ساتھیوں کے لئے رکھ لو جو گاڑی میں تمہارا سامان لا رہے ہیں۔

میں چیک پوسٹ کے گارڈ کمانڈر کو وہ فروٹ کا بھرا ہوا لفافہ دے کر واپس پہنچا تو جس گاڑی میں میرا سامان تھا وہ گاڑی بھی پہنچ گئی میں نے ان کو وہاں ہی روک لیا۔ ان سے پوچھا اگر کسی کو کھانا ہے تو وہ ہمارے ساتھ آ کر شرکت کر سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ چنانچہ زاہدہ ان کے لئے جو فروٹ لائی تھی وہ لفافہ میں نے ان کو دے دیا۔ اور پھر اللہ یار خان کو ہدایت کی کہ میرا سامان پہلے والی جگہ پر جا کر اتار لو۔ میں کھانا کھا کر آتا ہوں۔

میں نے اور زاہدہ نے مل کر کھانا اکٹھے کھایا۔ پھر وہ برتن لے کر واپس اپنی کوٹھی پر چلی گئی۔ اللہ یار خان نے میرا سامان پرانی جگہ پر اتار لیا تھا۔ پشاور سے آئے ہوئے ساتھیوں کو میں نے کہا کہ آپ دونو اسی گاڑی کے اندر سو جائیں۔ میرے اور اللہ یار خان کے سونے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ زمین پر سونے سے ڈرتے تھے۔ دریا کا کنارا تھا وہاں سانپ بہت تھے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ ہم دونو نے وہاں ہی زمین پر بستر بچھا لئے اور سو گئے۔ بہت تھکے ہوئے تھے فوراً نیند آ گئی۔ ریوالی کے وقت جب سب سپاہی اٹھے تو انہوں نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھا۔ "یہ راتوں رات کون آ گیا ہے" کسی کے وہم و گمان میں

بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ اب میں اتنی جلدی واپس بھی آ سکتا ہوں۔ سپاہیوں کے مختلف قسم کے تبصروں سے میری آنکھ کھل گئی۔

صبح جب روشنی ہوئی اور لوگوں کو میری آمد کا پتہ چل گیا تو میرے بہی خواہ جوق در جوق مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ مجھے جہلم سے گئے ہوئے تین ہی دن ہوئے تھے لیکن میرے دوستوں کے رویئے سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے میں ایک مدت کے بعد جہلم واپس آیا ہوں۔ میرے مخالفین میں سب سے پہلے سینئر سردار نے مجھے دیکھا اور شرمندہ ہوتے ہوئے وہ اپنے ٹینٹ میں واپس چلا گیا۔

میں نے ناشتہ کیا اور یونیفارم پہن کر دفتر چلا گیا۔ یونٹ کا جو بھی آدمی مجھے دیکھتا حیران رہ جاتا۔ سب کلرک مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ میری جگہ جو سینئر کلرک کام کر رہا تھا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو اس کا رد عمل کچھ اچھا نہ تھا۔ وہ سینئر سردار کا چیلا تھا۔ اس وقت ان کا پلا بھاری تھا۔ سینئر سردار۔ یونٹ کمانڈر اور چیف سگنل آفیسر ایک طرف دوسری طرف میں عہدے اور اختیارات کے لحاظ سے ان کے مقابلے میں بالکل صفر۔ جن لوگوں کی میرے ساتھ ہمدردیاں بھی تھیں وہ بھی مجھ سے کھلے بندوں ملتے ہوئے گھبراتے تھے۔ میں نے اپنا موومنٹ آرڈر آفس اردلی کو دیا کہ جا کر سینئر سردار صاحب کو دے آؤ۔ وہ واپس آیا تو مجھ سے کہنے لگا۔

سر آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔ آفس اردلی نے مجھ سے کہا۔

اچھا بھائی آتا ہوں۔

میں سمجھتا تھا کہ ان سب لوگوں کی انا کو ایک بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔ اب یہ پھر میرے لئے ایسے حالات یہاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ جن سے میں دل برداشتہ ہو کر ان کے سامنے سرینڈر کر جاؤں یا کوئی ایسا غیر قانونی قدم اٹھاؤں جس سے یہ مجھے کسی کیس میں ملوث کر سکیں۔ میں دفتر سے نکل کر سینئر سردار کے پاس چلا گیا۔ وہ اٹھ کر مجھے بڑے تپاک سے ملا۔ کرسی آفر کی۔ میں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا میرے لئے چائے منگوائی۔ میں اس نیک بخت آدمی کی ڈپلومیسی کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔

صاحب خیریت ہے۔ آپ تو دو دن کے بعد ہی واپس آ گئے ہیں۔

صاحب حکم کے بندے ہیں۔ سٹیشن ہیڈ کوارٹر والوں نے ٹیلی فون کیا کہ آپ فوراً یونٹ میں واپس جائیں۔ میں نے سوچا آپ لوگوں کو میری حالت زار پر رحم آ گیا ہے۔ اور میجر صاحب نے اور آپ نے میری تمام لغزشیں معاف کر دی ہیں اور کمال مہربانی سے مجھے واپس بلا لیا ہے۔

صاحب میں نے میجر صاحب کی بہت منت سماجت کی ہے۔ پہلے تو وہ مانتے ہی نہ تھے لیکن میرے یقین دلانے پر کہ جناب اب میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ ہمدانی صاحب اس شرابی

شاعری کی مینی سے باز رہیں ہے۔ اپنے کام کو دلجمعی' محنت اور انتہائی ایمانداری سے کریں ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جس بات پر پورے سٹیشن کے افسران کو آپ پر غصہ ہے وہ یہ بات ہے۔ کہ آپ نے ایک سینئر آفیسر کی بیگم کو بہلا پھسلا کر اپنا گرویدہ بنا لیا ہے یہ بات اب جنرل صاحب تک بھی پہنچ گئی ہے۔ وہ بھی بڑے غصے میں ہیں۔ اسی لئے میں نے اور میجر صاحب نے آپ کو اس سٹیشن سے ہی باہر بھیج دیا تھا تاکہ ہم متعلقہ افسران بالا کو کہہ سکیں کہ "ہم نے اس سردار صاحب کو یہاں سے واپس بھیج دیا ہے" "نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بنسری"

آفیسر کمانڈنگ۔ میجر محمد افضل سامنے سڑک پر آتے ہوئے نظر آئے۔ سینئر سردار ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ لپک کر میجر صاحب کی طرف بڑھا۔ ان کو نہایت پھرتی سے چاک و چوبند انداز میں سیلوٹ کیا۔ پھر ان کے ساتھ چلتا ہوا ان سے کوئی نہایت ہی اہم بات کی۔ چونکہ دونو یکا یک ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے اور کافی دیر تک وہاں سڑک کے کنارے کھڑے باتیں کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دفتر میں آ گئے۔ میں اب تک سینئر سردار کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مجھے دفتر اردلی بلانے کے لئے آیا۔

سر آپ کو میجر صاحب بلا رہے ہیں۔

اچھا بھیا۔ ---- اور میں اٹھ کر اس کے ساتھ مین آفس کی طرف چلا گیا۔ میجر صاحب کے پاس پہنچا تو وہ مجھ سے کہنے لگے۔

کیوں صاحب واپس کیوں آ گئے ہیں۔

سر نہ میں اپنی مرضی سے یہاں سے گیا تھا اور نہ اب اپنی مرضی سے واپس آیا ہوں۔

مجھے کوئی خبر نہیں ہے کہ آپ کس طرح اور کیوں کر واپس آئے ہیں۔ میجر افضل نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔

سر آپ میرا موومنٹ آرڈر لے کر سٹیشن ہیڈ کوارٹر پشاور سے بات کریں۔ کہ انہوں نے مجھے کیوں واپس بھیجا ہے۔

کوئی لائین وغیرہ تو نہیں لگائی۔

مجھے لائین لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو یہاں کی نسبت وہاں آرام سے تھا۔

بھئی کالے آدمیوں کو آرام بھی راس نہیں آتا نا۔ وہاں بھی آپ نے جاتے ہی اکڑ خانی دکھائی ہو گی۔

اکڑ خانی کس بات کی۔ میں معمولی حیثیت کا آدمی ہوں۔ یہاں روزگار کے لئے آیا ہوں۔ جھگڑے فساد کے لئے تو نہیں آیا۔

صاحب یہ باتیں پہلے سوچنے والی تھیں۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ اب تو پانی سر سے گذر

چکا ہے۔

کیوں سر۔ خیریت تو ہے۔ کوئی سیریس بات ہو گئی ہے۔

ایک چھوڑ کئی۔ میں ایک شرط پر آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔

سر وہ شرط کیا ہے۔

آپ لکھ کر دیں کہ آپ اس شرابی' کبابی شاعر سے ملنا چھوڑ دیں گے۔ نہ اسے یہاں آنے دیں گے' نہ آپ رات رات بھر اس کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیا کریں گے۔ دوسری کرنل صاحب کی بیگم سے فی الفور جیسے بھی آپ کے تعلقات ہیں منقطع کر لیں گے۔ اور پھر اس بھولی عورت سے کبھی بھی نہ ملیں گے۔ پتہ نہیں آپ نے اسے کیا سبز باغ دکھائے ہیں کہ وہ اپنے میاں کو خاطر ہی میں نہیں لاتی۔ صاحب میری بات غور سے سنیں۔ ہم غریب لوگ ہیں اتنی امیر کبیر عورتوں کے اخراجات زندگی برداشت کرنے کے اہل نہیں۔ ہفتے دس دن میں گرمی کم ہوئی تو پھر زندگی بھر پچھتانا پڑے گا۔ ایسی عورتیں پھر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

میجر صاحب آپ کی یہ دونو باتیں میرے لئے ناقابل قبول ہیں۔ میں ان دونو کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس سلسلے میں مجھے جو بھی قربانی دینا پڑی دوں گا۔ آپ کا بہت شکریہ۔ میں ان کی اجازت کے بغیر ان کو سیلوٹ کر کے واپس آ گیا۔ میں سینئر سردار کے دفتر میں آ کر بیٹھ گیا۔ میں کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا۔ وہ واپس ہی نہ آئے شاید اب تک میرے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔

مین وہاں سے اٹھ کر کوارٹر ماسٹر سٹور کی طرف چلا گیا تاکہ اس سے اپنے لئے ایک رہائش ٹینٹ اور غسل خانہ کے لئے ایک چھوٹا ٹینٹ لے لوں۔ وہ صاحب مجھے خندہ پیشانی سے ملے۔ باتیں کرتے رہے لیکن وہ مجھے یہ سامان دینے پر آمادہ نظر نہ آتے تھے۔ آخر میرے تکرار پر انہوں نے O.C کو ٹیلی فون کیا وہ دونوں تھوڑی دیر تک میری اینٹا ئیٹل منٹ **(Entitlement)** کے متعلق آپس میں ڈسکس کرتے رہے۔ آخر کار انہوں نے ٹیلی فون بند کر دیا اور مجھ سے کہنے لگے۔

صاحب۔ سوری۔ آپ کو الگ ٹینٹ نہیں مل سکتا۔ آپ کسی دوسرے سردار کے ساتھ شیئر **(Share)** کر لیں۔

اچھا شکریہ آپ کا۔ میں یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ آیا۔

میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلے گا۔ میں دل میں کوئی ترکیب سوچ ہی رہا تھا کہ عدم صاحب چیک پوسٹ سے میری طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ میرا سامان بندھا ہوا پڑا تھا۔ میں اپنے فولڈ ہوئے ہوئے بستر پر بیٹھا تھا۔ مجھ سے ہٹ کر تھوڑی دور اللہ یار خان اپنے حقے سے جی بہلا رہا تھا۔

عدم صاحب میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میری پریشانی پر وہ ہلکا ہلکا مسکراتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

کیوں حضور۔ آپ کا موڈ کیوں آف ہے۔

نہیں شاہ جی ٹھیک ہوں۔ میں نے یونٹ والوں کے سلوک کے بارے میں ان کو تفصیل سے بتایا۔ یہ سن کر وہ غصے سے لال ہو گئے۔ مجھ سے کہنے لگے۔

خلش صاحب آپ اسی طرح اسی حالت میں یہاں بیٹھے رہیں۔ میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ وہ وہاں سے سیدھے کور ہیڈ کوارٹر کی طرف چلے گئے۔

وہ کور کمانڈر کے سٹاف آفیسر کے دفتر میں اجازت لے کر اندر چلے گئے۔ اس نے جب عدم صاحب کو دیکھا تو پہچان لیا۔ فوراً ان کی پیشوائی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ آگے بڑھ کر عدم صاحب سے مصافحہ کیا اور پھر ان کو اپنے سامنے کرسی پر بٹھایا۔

سر کیسے تشریف لائے ہیں۔ اس سٹاف آفیسر نے عدم صاحب سے پوچھا۔

جناب میں جنرل صاحب کو ملنے کے لئے آیا ہوں۔

بہتر سر۔

اس آفیسر نے انٹر کام (Inter - com) سیٹ پر جنرل صاحب سے بات کی۔

سر۔ سید عبدالحمید عدم صاحب آپ سے ملنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

جنرل صاحب خود اٹھ کر باہر تشریف لائے اور عدم صاحب کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے دفتر کے اندر لے گئے ۔ جنرل صاحب نے چائے کے لئے کہا تو عدم صاحب نے کہا ---- چائے جنرل صاحب اطمینان سے بیٹھ کر پئیں گے۔ اور پھر انہوں نے پوری تفصیل سے جنرل صاحب کو پورے حالات و واقعات سے آگاہ کیا۔

جنرل صاحب جوں جوں عدم صاحب سے تفصیلات سنتے جا رہے تھے ان کا چہرہ لال ہوتا جا رہا تھا۔ عدم صاحب ان سے کہنے لگے۔

سر۔ آپ غور فرمائیں۔ خورشید صاحب اگر خلش صاحب کے پاس کیمپ میں آ گئے ہیں اور انہوں نے وہاں کھانا کھایا ہے تو یہ امر پوری یونٹ کے لئے ایک اعزاز ہے۔

شاہ صاحب۔ یقیناً" ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اب اگر یہی بات خورشید صاحب کو پتہ چل جائے اور وہ کمانڈر انچیف صاحب کو یہ بات کہہ دیں۔ تو سب کے لئے بہت برا ہو گا آئیں آپ میرے ساتھ ادھر کا ایک چکر لگا آئیں۔

جنرل صاحب اور عدم صاحب سٹاف کار میں بیٹھ کر مین روڈ کی طرف سے یونٹ میں داخل ہوئے۔ میں اسی حالت میں وردی پہن کر مسکینوں کی سی شکل بنائے فولڈ ہوئے ہوئے بستر پر زمین

پر بیٹھا ہوا تھا۔ جنرل صاحب نے گاڑی میرے پاس آ کر کھڑی کی۔ میں نے اٹھ کر فوجی انداز میں اٹن شن ہو کر ان کو سلوٹ کیا۔ وہ میرے پاس آ گئے۔

کیوں صاحب یہاں اس حالت میں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جنرل صاحب کے لہجے میں بڑی ملائمت تھی۔

سر رات کو پشاور سے واپس آیا ہوں۔ یہاں ہی سو رہا۔ اب کواٹر ماسٹر صاحب کے پاس گیا تھا کہ مجھے وہ ٹینٹ دیں جو پہلے یہاں لگا ہوا تھا تاکہ میں وہ لگا کر اس میں اپنا سامان وغیرہ رکھ سکوں۔ لیکن انہوں نے کہا۔ میرے پاس کوئی ٹینٹ نہیں ہے۔ کسی کے ساتھ شیئر (Share) کر لو۔ میں نے دوسرے دوستوں کے ٹینٹوں میں جا کر دیکھا ہے وہ سب پہلے سے اوور کراؤڈڈ (Over - crowded) ہیں۔ اب بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں۔

میجر افضل نے اور سینئر سردار نے جب جنرل صاحب کو میرے پاس دیکھا تو دونوں بھاگ کر وہاں آ پہنچے۔ سلوٹ کیا اور ایک طرف کو ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جنرل صاحب نے ان سے پوچھا۔

یہ جے سی او یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے کام پر کیوں نہیں گیا۔

سر ابھی تھوڑی دیر پہلے تو دفتر میں تھا۔ شاید ابھی وہاں سے آیا ہے۔

اس کا سامان باہر کیوں پڑا ہوا ہے۔ اس کا ٹینٹ کدھر گیا۔

سر یہ پشاور ریر ہیڈ کواٹر میں چلا گیا تھا۔ ٹینٹ کواٹر ماسٹر نے اکھڑوا لیا ہو گا۔

بلواؤ کواٹر ماسٹر کو۔

سینئر سردار کواٹر ماسٹر کو بلا کر لے آیا۔

یہ جے سی او رات کا آیا ہوا ہے۔ صبح سے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ تم اس کو ٹینٹ کیوں نہیں دیتے۔

سر۔ میں نے ان کو کہا ہے کہ کسی دوسرے جے سی او صاحب کے ساتھ آپ رہ جائیں۔

جو پہلے اس کے پاس ٹینٹ تھا۔ وہ تم نے کیوں اکھڑوا لیا۔

سر۔ او سی صاحب نے حکم دیا تھا۔

اب تمہارے پاس سٹور میں وہ ٹینٹ ہیں جو اس جے سی او کے پاس پہلے تھے۔

ہیں سر۔

ابھی آدھے گھنٹے میں وہ اسے لگا کر دو۔ اور جو جو سامان ان کے پاس پہلے تھا۔ وہ بھی لا کر یہاں رکھوا دو۔

بہت اچھا سر۔

جنرل صاحب اور عدم صاحب گاڑی میں بیٹھ کر واپس کور ہیڈ کواٹر کی طرف چلے گئے۔ کواٹر ماسٹر نے آدھے گھنٹے میں پہلے والی جگہ پر پر رہائشی ٹینٹ اور غسل خانہ کے لئے ٹینٹ لگوا دیئے۔ مناسب مقدار میں فیلڈ میں استعمال ہونے والا فرنیچر بھی لا کر رکھ دیا۔ وہ مجھے غصے سے دیکھتا ہوا واپس سٹور کی طرف چلا گیا۔

جنرل صاحب نے عدم صاحب سے معذرت کی کہ ہم سب کی وجہ سے ہمدانی صاحب بے چارے کو کتنی تکلیف اٹھانا پڑی ہے۔ اس کا تو اب کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال شام تک آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کتنے فرعونوں کی گردنیں جھکائی ہیں۔

سر۔ آپ کی بڑی نوازش۔ خلش ہمدانی بے چارے پر یہ سب نزلہ خورشید صاحب کی وجہ سے گرا ہے۔ اگر خورشید صاحب کو اس بات کا پتہ چل جائے تو وہ خاموش بیٹھے رہیں گے۔

شاہ صاحب ہم سب کے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

○

میرے ٹینٹ وغیرہ لگ گئے تو اللہ یار خان نے سب سامان قرینے سے اپنی جگہ پر لگا دیا۔ اور پھر میں اٹھ کر مین آفس کی طرف چلا گیا۔ سوائے سینئر کلرک کے سب کلرکوں نے بڑی خندہ پیشانی سے میری پذیرائی کی۔ مجھے وہاں آئے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ کور ہیڈ کواٹر سے سینئر سٹاف آفیسر کا میجر افضل کو ٹیلی فون موصول ہوا۔ کہ آپ۔ سینئر سردار اور کواٹر ماسٹر فوراً کور ہیڈ کواٹر میں آ کر رپورٹ کریں۔ اس نے فوراً اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بلایا اور وہ تینوں کور ہیڈ کواٹر پہنچ گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو چیف سگنل آفیسر اور ایک قریبی سگنل یونٹ کا میجر وہاں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔

جنرل صاحب نے چیف سگنل آفیسر کو پہلے اندر بلایا۔ ان سے کچھ ڈسکشن کی پھر میجر افضل سینئر سردار اور کواٹر ماسٹر کو اندر بلایا۔ ان کو بیٹھنے کے لئے کوئی سیٹ آفر نہ کی۔ البتہ چیف سگنل آفیسر کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جنرل صاحب نے میجر افضل سے پوچھا۔

میجر افضل تمہاری کتنی نوکری رہتی ہے۔

سر۔ گیارہ مہینے۔

تم نے L.P.R. کیوں نہیں لی۔

سر۔ اس وقت ہماری کور میں آفیسرز کی کمی ہے۔ میں نے قومی خدمت کے جذبے کے تحت ایسا نہیں کیا۔

آل رائٹ۔ تم یونٹ کا چارج آج ہی میجر رضوان کے ہینڈ اوور (Hand - over) کر دو۔ میں ابھی ڈائریکٹر آف سگنلز اور چیف آف سٹاف سے بات کرتا ہوں۔
سینئر سردار سے جنرل صاحب نے مخاطب ہو کر کہا۔ صاحب آپ کب سے اس یونٹ میں ہیں۔
سر مجھے تین سال ہو گئے ہیں۔
اچھا صاحب آپ ایسٹ پاکستان جانے کی تیاری کریں۔ آپ آج سے اپنا چارج چھوڑ دیں۔ پھر کوارٹر ماسٹر کو بلوایا۔
کیپٹن حمید تم آج اپنا چارج جے سی او کے حوالے کر دو۔ تم کوئٹہ پوسٹنگ جاؤ گے۔
آل رائٹ مارچ آف۔
اس دن یونٹ میں ایک قیامت کا سا سماں تھا۔ لوگوں میں بڑی بھاگ دوڑ لگی ہوئی تھی۔ ایک اللہ یار خان تھا جو میرے ٹینٹ کے باہر بیٹھا بڑے مزے سے حقہ پی رہا تھا۔ اسے کسی قسم کا کوئی غم نہ تھا۔ جب مجھے صحیح صورت حال کا علم ہوا تو میں اپنے ٹینٹ سے نکل کر ہیڈ پوسٹ آفس میں چلا گیا۔ پوسٹ آفس میرے ٹینٹ سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ وہاں عاشق حسین صاحب میرے ایک دوست ہیڈ پوسٹ ماسٹر تھے۔ ان کے آفس سے میں نے عدم صاحب کو ٹیلی فون کیا اور سب ڈیلو بمنٹ سے ان کو آگاہ کیا۔ وہ کہنے لگے۔
سب برے لوگ اپنے اپنے انجام کو جلد پہنچیں گے۔ تمہاری کیا پروگریس ہے۔
مجھے انَ میں سے ایک چھوٹے فرعون نے خود ٹینٹ لگوا کر دیا ہے۔ متعلقہ سامان منگوا کر رکھوا دیا ہے۔ اب ان تینوں کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ گھبرائے ہوئے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔
تم ایسا کرو محترمہ زاہدہ صاحبہ کو بھی اس نئی صورت حال سے آگاہ کر دو۔
نہیں حضور اس کو کیا بتانا ہے۔ گھریلو خواتین کا اس طرح کے معاملات سے کیا واسطہ۔
کیوں واسطہ کیوں نہیں۔ وہ بے چاری تمہاری پریشانی دیکھ کر بڑی رنجیدہ خاطر لگ رہی تھی۔
اچھا سر۔ اسے بھی بتا دیتا ہوں۔
میں نے زاہدہ کو نئی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ وہ کہنے لگی۔
جناب ٹیلی فون پر آپ کی ان مختصر باتوں سے مجھے اطمینان نصیب نہیں ہو گا۔ میں وہاں ہی آ رہی ہوں۔ تم سے تفصیل سے یہ باتیں سنوں گی۔
نہیں زاہدہ تم خدا کے لئے مت آنا۔ آج یہاں حالات بڑے تشویش ناک ہیں۔

بھی تشویش ناک ہیں تو حزب مخالف کے لئے ہوں گے۔ آپ کے لئے اور میرے لئے تو نہیں۔

نہیں زاہدہ آج سینئر افسروں کا ادھر کو آنا جانا لگا ہوا ہے۔ چونکہ اس پر آشوب قصے میں بار بار تمہارا نام بھی آتا ہے۔ اس لئے تمہاری موجودگی میرے مخالفین کے موقف کو مضبوط کرے گی۔

تو پھر ملاقات کب ہو گی۔

آٹھ بجے تم چیک پوسٹ سے پیچھے مین روڈ پر ڈاک خانے کی باؤنڈری وال کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنا۔

یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کہیں بھول نہ جانا۔

نہیں حضور۔ یہ بات بھولنے والی ہے۔

وہ تینوں فرعون جو بزعم خود اپنے آپ کو معاذ اللہ خدا سے کم نہ سمجھتے تھے اپنا اپنا بوریا بستر باندھ کر یونٹ سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ انسان کتنا کمزور ہے۔ اس کے ہاتھ میں ذرہ سا بھی اختیار آ جائے تو وہ فرعون بن جاتا ہے اور اس کی گردن اکڑ جاتی ہے اور اگر ایک ہلکا سا بھی جھٹکا لگ جائے تو اتنی سکت نہیں ہوتی کہ تھوڑی دیر کے لئے ناموافق حالات کے سامنے سینہ سپر ہو کر ٹھہر سکے۔ ہمارے اس معاشرے میں صحیح درد مند دوست کوئی ایک آدھ ہی ہوتا ہے ورنہ زیادہ تعداد ابن الوقت لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ سے چڑھتے سورج کے سامنے سیس نواتے ہیں۔ کل تک جو لوگ مجھ سے بات کرنے کے بھی روا دار نہ تھے آج گلے ملتے ہوئے نہ تھکتے تھے اور نہایت ڈھٹائی سے جانے والوں کی برائیاں بیان کر رہے تھے۔

آٹھ بج رہے تھے میں ان لوگوں سے پلو چھڑا کر ڈاک خانے بھاگ کھڑا ہوا۔ چیک پوسٹ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا۔ زاہدہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں وہاں پہنچا تو اس نے مجھے ویل کم (Welcome) کیا۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے وہاں گاڑی میں ہی بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ اسے آج کی پروگریس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ میں نے اس سے کہا۔

بہتر ہو گا اگر آپ مجھے دس پندرہ منٹ کے لئے اڈے پر لے جائیں۔ عدم صاحب کو یہ سب پروگریس بتا کر میں جلدی لوٹ آؤں گا۔ پھر آپ مجھے واپس یہاں ہی اتار دیں۔ میں آج جلدی واپس آنا چاہتا ہوں چونکہ حالات کی اس سطح کے نیچے جو گرداب اٹھ رہے ہیں۔ انہیں مجھے فیس (Face) کرنا چاہئے۔ یونٹ میں کسی لمحے میں میری ضرورت پڑ سکتی ہے۔

ہاں یہ تو تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ آؤ میں تمہیں عدم صاحب سے ملوا لاؤں۔ پھر یہاں ہی اتار جاؤں گی۔ میں گاڑی میں بیٹھ گیا اور تقریباً دو تین منٹ کے بعد گاڑی اڈے کے قریب پہنچ

گئی۔ میں نے گاڑی اڈے سے تھوڑی دور رکوا دی۔ اور خود اتر کر اڈے کے اندر چلا گیا۔ سب دوستوں نے مجھے دیکھا تو ایک نعرہ مستانہ سے میرا والہانہ استقبال کیا۔ میں عدم صاحب کو لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ ان کو پورے حالات سے آگاہ کیا۔ وہ بہت خوش ہوئے مجھ سے کہنے لگے۔

اب تم واپس یونٹ میں چلے جاؤ۔ جب تک حالات نارمل نہیں ہوتے تو مجھ سے اور محترمہ سے بے شک ملنے نہ آیا کرو۔ ہم خود دن میں ایک آدھ دفعہ تم سے مل لیا کریں گے۔ اگر اس دوران میں کوئی انہونی بات ہو جائے تو مجھے ٹیلی فون کر کے بلوا لینا۔ میں ایک منٹ میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔

جی بہتر۔ اب مجھے اجازت ہے۔

جی ہاں اب آپ جایئے۔ چلئے میں بھی زاہدہ بیٹی سے مل لیتا ہوں۔ بڑی پیاری بچی ہے۔

میں نے بڑے ہی معنی خیز انداز میں ان کو دیکھا اور وہ ہلکا سا مسکرا دیئے۔

زاہدہ مجھے چیک پوسٹ کے پاس اتار کر واپس چلی گئی اور میں اپنے ٹینٹ میں آ گیا۔ ابھی تک اللہ یار خان کچہری لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔

یونٹ کے حالات جلد ہی ٹھیک ہو گئے۔ میجر رضوان شریف آدمی تھا۔ ان کا ڈائریکٹ کمیشن تھا۔ رنیکرز (rankers) کی طرح ہر بات میں مین میخ نہ نکالتے تھے۔ مجھ سے بڑی ہی عزت اور مروت سے پیش آتے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس میں ان کی شرافت کے عمل دخل کے علاوہ! عدم صاحب اور خورشید صاحب کا ہوا بھی اپنے جگہ پر قائم تھا۔ کچھ میں نے بھی اپنی سرگرمیوں پر چیک لگا دی تھی۔ باہر کا جانا کم کر دیا۔ البتہ عدم صاحب اور زاہدہ دونو شام کو مجھ سے باقاعدہ ملنے کے آتے۔ میرا احوال پوچھتے۔ حوصلہ بڑھاتے اور پھر دونو الگ الگ اپنی راہ لیتے۔

○

میں نے عدم صاحب میں یہ دیکھا کہ وہ دوستی میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہ روا رکھتے تھے۔ میں سوشل سٹیٹس کے حساب سے ان کے مقابلے میں بالکل کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ان کا کوئی بڑے سے بڑا دوست بھی اگر ان سے ملنے کے لئے آتا تو وہ کمال مہربانی سے اسے میرے کیمپ میں ضرور لاتے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ ان کو کوئی ایسا حیرت انگیز ڈوز دے کر لاتے کہ بڑے سے بڑے آدمی نے بھی کبھی ناک بھوں نہیں چڑھائی۔ ان میں سے کئی حضرات نے فوجی

لنگر خانہ کی دیگی دال بھی کھائی۔

گرمیوں کے دن تھے۔ دفتر سے چھٹی ہو گئی۔ ایک دن وہ اپنے ساتھ ایک سانولے سلونے خوش لباس' خوبرو سے جوان کو لے کر میرے ہاں تشریف لائے۔ میں درخت کے نیچے چارپائی بچھا کر لیٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ عدم صاحب کے ساتھ کسی اجنبی آدمی کا ہونا اس بات کی دلیل تھا کہ موصوف یقیناً" کوئی بڑا آدمی ہے۔ اللہ یار خان کے کرسیاں لاتے لاتے وہ دونو صاحبان چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے انکی بڑے اچھے طریقے سے پذیرائی کی۔ عدم صاحب نے اس اجنبی نوجوان سے میرا تعارف کرایا۔

جناب یہ ہیں خلش ہمدانی' میرے دوست اور آپ ہیں جناب آفتاب احمد صاحب وزارت مالیات میں سیکریٹری ہیں۔ میں نے پھر اٹھ کر ان کو سلام کیا اور ان سے دوبارہ مصافحہ کیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگے۔ عدم صاحب نے آپکی کچھ اس لب و لہجے میں تعریف کی ہے کہ میں آپ سے ملنے کے لئے بیقرار ہو گیا۔

جناب یہ سب عدم صاحب کا کمال ہے۔ ورنہ مجھ میں تو کوئی گن نہیں۔ ایک معمولی فوجی ہوں۔ دیہات کا رہنے والا ہوں اور ان کا غلام ہوں۔ اور شاید ان کو میری یہی غلامی بھا گئی ہے۔ جو یہ مجھے پہ کرم فرماتے ہیں۔

ارے یار چھوڑو لچھے دار گفتگو کو چائے کا انتظام کرو۔ عدم صاحب نے خوشدلی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اللہ یار خان بھاگ کر کینٹین سے چائے اور بسکٹ لے آیا اور ہم لوگوں نے مزے مزے کی باتوں کے ساتھ ساتھ ان سے بھی لطف اندوز ہوئے عدم صاحب اور آفتاب صاحب تھوری دیر بیٹھے پھر مجھ سے اجازت لے کر واپس چلے گئے۔

انہی دنوں ایک مغ بچہ عدم صاحب کا اسیر ہو گیا۔ وہ جس دن عدم صاحب کی تلاش میں پہلے پہل ہمارے اڈے پر آیا۔ تو سب لوگ اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہ کبھی کبھار عدم صاحب کو آفیسرز کلب سے بوتل لا کر دیتا۔ اسے شعر کہنے کا شوق تھا۔ عدم صاحب فن شعر گوئی میں اس کی راہ بری کرتے تھے ساتھ ہی اس کے حسن و جمال کی رکھوالی بھی کرتے تھے اور انہوں نے اسے آخر دم تک میخواروں کی یورش سے بچائے رکھا۔ اور کبھی شبخون تک نوبت نہ پہنچی۔ عدم صاحب کی صحبت سے وہ خوبرو ایک اچھا شاعر اور ادیب بن کر سامنے آیا۔ معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کا اس نوجوان نے بڑا قریب سے مطالعہ کیا ہے جس سے اس میں عملی زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے ایک لگن اور خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اب وہ سوسائٹی کا ایک کامیاب اور معزز فرد ہے۔ جسے ہر آدمی عزت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ان دنوں عدم صاحب کے ایک شعری مجموعے "خرابات" کی بری دھوم مچی ہوئی تھی۔ یہ اپنے عہد کی ایک بہت عمدہ اور زندہ کتاب تھی۔ جو آنے والے وقتوں میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اس کتاب کے ناشر نے عدم صاحب سے تقریباً چار کتابوں کے برابر مواد لے کر اس نے اس کلام کا انتخاب کیا۔ میں سوچتا ہوں مصنف ناشر کے سامنے کتنا بے دست و پا ہوتا ہے وہ اس کے خون کے ہر قطرے کو کس قدر پیوری فائی (purify) کرتا ہے تاکہ اس میں کچھ کھوٹ نہ رہے۔

○

ایک دن میں اور عدم صاحب اپنے مقررہ وقت سے پہلے اڈے پر پہنچ گئے۔ ابھی تک کوئی دوست نہ آیا تھا۔ چائے منگوائی۔ چائے پیتے رہے سعاً عدم صاحب نے شاہدہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ کہنے لگے۔

یار خلش صاحب محض تمہاری بے اعتنائی کی وجہ سے بے چاری شاہدہ کو ایک سال کی سزا بھگتنا پڑی ہے۔ بڑی خدمت گزار لڑکی تھی۔ جب بلاتے فوراً حاضر ہو جاتی۔

حضور آپ نے اس رات خورشید صاحب کے گھر اس کا رویہ دیکھا تھا اس نے کس قدر بد تمیزی کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ آپ کو پتہ ہی ہے کہ میں لڑکیوں کے کاروبار میں ملوث نہیں ہوں۔ بد چلن عورتیں ہیں ان کے ہاتھ سے کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں۔ آپ نے اس رات دیکھا نہیں آپ کو اور راجہ صاحب دونوں کو اس کم بخت نے کتنا ذلیل کیا پورے شہر کی جینٹری اس رات وہاں موجود تھی۔ ہم سب کی کتنی سبکی ہوئی۔ شہر کے لوگ تو یہی سمجھتے ہونگے۔ کہ ہمارے گروپ کے ان بد چلن عورتوں کے ساتھ مراسم ہیں اور پھر وہ کوئی اتنی خوبصورت بھی تو نہیں۔ بس واجبی سی لڑکی ہے۔ اس کے ملنے والوں کو سب سے بڑی جو سہولت ہے وہ ہے یہ کہ جب چاہو وہ مل سکتی ہے۔

کوئی تگ و دو نہیں کرنا پڑتی۔ اس کے حصول میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

یار خلش اس کم بخت کو میں ملتا تھا۔ تو مجھے ملکی یاد آجاتی تھی۔

شاہ صاحب ملکی کون ہے۔ پہلے تو آپ نے اس کا کبھی ذکر نہیں کیا۔

ہاں بھئی خلش ملکی میرے ماضی کی حسین یاد جسے میں زندگی بھر کبھی نہ بھول سکوں گا۔

کون تھی۔ کیا مر گئی ہے؟

بھائی سات سمندر پار چلی گئی تو میرے لئے تو مر ہی گئی۔

کیوں اب اس سے ملنے کے کوئی امکانات نہیں۔

ہجوم حشر میں ہوں تو ہوں۔ اس دنیا میں تو نہیں۔

حضور یہ بجھارتیں کیوں بجھواتے ہیں۔ سیدھی طرح بتائیں۔

بھائی خلش ملکی میری عراقی بیوی تھی۔ اس کا پورا نام ملکیہ تھا۔ میں پیار سے اسے ملکی کہتا تھا۔

ارے واہ حضرت۔ یہ مال کہاں سے مارا۔

بھئی میں دوسری جنگ عظیم میں عراق گیا تھا۔ وہاں ملکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اسے میری شاعری بہت پسند تھی۔

وہ اردو جانتی تھی۔

جی نہیں۔

پھر آپ کی شاعری سے اس کی دلچسپی ۔ کیا معنی؟

ایک دن ایک کیفے میں اس سے ملاقات ہو گئی تھی۔ ادھر کی لڑکیاں مشرق کے مردوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔

وہ کیوں۔

وہ کہتی ہیں۔ کہ اہل مشرق وفا کے پتلے ہوتے ہیں۔ جس کے ساتھ ایک دفعہ دوستی کر لیں۔ پھر مرتے دم تک پیچھے نہیں ہٹتے۔

ہاں شاہ صاحب یہ بات تو ملکی کی ٹھیک ہے۔ پھر وہ خود چلی گئی یا آپ نے پسپائی اختیار کی۔

یار خلش بڑی جھگڑالو اور بدتمیز عورت تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر گالی گلوچ پر اتر آتی۔

خوبصورت عورت تھی۔

یار ایک دن پہلے بھی میں نے کہا تھا کہ مرد عورت کی خوبصورتی کو نہیں دیکھتا۔ جو اسے آسانی سے مل جائے وہ اسی کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحب میں نے فوجیوں سے سنا ہے کہ عراق میں تو بہت خوبصورتی ہے۔

ہاں ہے۔ لیکن ملکی اتنی خوبصورت عورت نہ تھی۔ بس واجبی سی شکل و صورت کی عورت تھی لیکن تھی بڑی لڑاکی۔

آپ اس کے چنگل میں کیسے پھنس گئے۔

جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے میں شام کو روزانہ ایک کیفے میں جایا کرتا تھا۔ وہاں ملکی کو اکثر دیکھتا تھا۔ آہستہ آہستہ میں نے اسے اپنی جانب ملتفت پایا۔

اور پھر یہ ملاقاتیں شادی پر منتج ہوئیں۔

شادی آپکی پروپوزل تھی یا محترمہ چاہتی تھیں۔

یہ شادی ملکی کی پسند پر ہوئی۔

آپ ایک دوسرے کی زبان کیسے سمجھتے تھے۔

ہم دونو روانی سے انگریزی بولتے تھی۔

اسے آپ نے شادی سے پہلے بتایا تھا کہ آپ شادی شدہ آدمی ہیں۔

نہیں میں نے یہ چیز اس سے چھپا کر رکھی تھی۔

اسے کب پتہ چلا کہ آپ شادی شدہ آدمی ہیں اور آپ کے بچے بھی ہیں۔

جب میں 1941ء میں عراق سے واپس انڈیا آیا اور میرا پوسٹنگ پونا ہوا۔ تو میرے محکمے کے آدمیوں کی بیویوں نے اسے یہ بات بتائی۔

پھر اس کا ردعمل کیا ہوا۔

مسلسل کئی دنوں تک مجھ سے لڑتی رہی۔ نہ مجھے کھانا دیتی تھی۔ نہ مجھے سے بولتی تھی اور نہ ہی ازدواجی حقوق کی ادائیگی کرتی تھی۔ ایک دن غصے میں آکر مجھ سے کہنے لگی۔ سالا تمہارے پیچھے ہم نے اپنا بے بی کو بھی چھوڑا۔ تم سالا بڑا حرامی آدمی ہے۔ ہم کو ایک دم چکر دیا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ اب کیسے رہنے سکتا ہے۔ سالا تم ایک دم سکاؤنڈرل ہے (scoundrel)۔ میں نے اس کی منت ساجت کی اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ہم تمہارے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ پہلے ہماری بات مانو۔

ملکی میری جان۔ میں تو تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔

سالا تم ایک دم اول نمبر کا جھوٹا ہے۔

ملکی میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اور میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے پیار سے چوم لیا۔ وہ ہنس پڑی اور اٹھ کر میری جھولی میں بیٹھ گئی اور مجھ سے کہنے لگی۔

سالا تم اچھا آدمی ہے۔ ایک دم ڈرنک بند کر دو۔

تمہاری یہ بات بھی جلدی پوری ہو جائیگی۔

عدم صاحب آپکی اس سے پھر علیحدگی کیوں ہو گئی۔ (میں نے ان سے پوچھا)۔

ایک دن میں پی کر دیر سے لوٹا۔ پہلے تو دروازہ نہ کھولتی تھی۔ بالکنی میں کھڑی مجھے بڑی فحش گالیاں دیتی رہی۔ آخر کار گلی کی عورتوں نے اسے آکر سمجھایا بجھایا اس نے دروازہ کھولا۔ جونہی میں لڑکھڑاتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر سیڑھیوں کے دروازے میں پہنچا۔ مجھے اتنے زور کا ایک دھکا دیا کہ میں سیڑھیوں میں گرا اور پھر لوٹ پوٹ ہوتا ہوا۔ نیچے سڑک پر آرہا۔ اتنا زور

سے گرا کہ بے ہوش ہو گیا۔ دفتر کے ساتھی اٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر کی مسلسل کوششوں سے کوئی دو گھنٹے کے بعد مجھے ہوش آیا۔

وہ ہسپتال آپ کو دیکھنے کے لئے آئی تھی۔

بالکل نہیں۔ بڑی بد مزاج اور اکھڑ عورت تھی۔

اب بھی کبھی آپکو یاد آتی ہے۔

یار خلش میں نے کہا نا آپ سے کہ شاہدہ کو دیکھتا ہوں تو مجھے ملکی یاد آجاتی ہے۔ اسی شکل و صورت اور اسی ٹمپرامنٹ (tamperament)کی وہ بھی تھی اسی لئے تو یہ مجھے پیاری لگتی ہے۔ حالانکہ اب عورتوں سے میرے ملنے جلنے میں سیکس کا کوئی عمل دخل نہیں۔

کیوں آپ نارمل آدمی نہیں ہیں آپکی عمر تو اتنی زیادہ نہیں۔

نہیں عمر کی بات نہیں۔ بس اب اس طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔

پھر محترمہ سے گلو خلاصی کیسے ہوئی۔

ہوا یوں جناب کہ پونا سے میرا پوسٹنگ انبالہ چھاونی میں ہو گیا۔ میں ملکی کو لے کر انبالہ آگیا۔ کچھ عرصے تک تو میرے بیوی بچوں کو یہ پتہ نہ چلا کہ میں ابنالہ آگیا ہوں۔ یہ بات کب تک چھپی رہ سکتی تھی۔ آخر گھر والوں کو پتہ چل گیا اور پھر وہ اچانک ایک دن انبالہ پہنچ گئے۔ میں نے ملکی کے لئے ایک دوسرے گھر کا انتظام کر دیا۔ اب میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہنے لگ گیا۔ اس عرصے میں ملکی کو باقاعدگی سے خرچہ دیتا رہا۔ دن میں کچھ وقت اس کے ساتھ بھی گزرتا۔ راتیں زیادہ پہلی بیوی اور بچوں کے ساتھ گزارتا چونکہ یہاں واپسی پر مجھے کسی ہنگامہ آرائی کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ جبکہ ایسے حالت میں میں اگر ملکی کے ہاں جاتا تو وہ ایک طوفان برپا کر دیتی۔ میری پہلی بیوی کی وفا شعاری اور شرافت دیکھیے۔ کہ جب وہ بچوں کو لے کر پنڈی سے انبالے پہنچی۔ اور اس نے گھر میں ایک جواں سال غیر ملکی خاتون دیکھی۔ یقیناً" دل میں بے حد رنجیدہ خاطر ہوئی ہو گی۔ منہ سے اس خدا کی بندی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس کی یہ خاموشی اور موقعہ کی نزاکت کے مطابق صبر و شکر کا خاموش اظہار۔ اس کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں سوچنے لگا کہ زمین شق ہو جائے اور میں اس میں سما جاوں۔ میں شرم کے مارے بیوی بچوں سے آنکھ نہ ملا سکتا تھا۔ شاید میری بیوی نے بچوں کو بھی سختی سے منع کر دیا تھا کہ کوئی بچہ بھی میرے ساتھ اس موضوع پر بات نہ کرے۔ میں ایک بہت بھاری بوجھ اٹھائے پھر رہا تھا۔ میں چاہتا تھ کہ میری پہلی بیوی میری باز پرس کرے میرے ساتھ لڑے' جھگڑے اور میں بھی اس طرح اپنے دل کا غبار نکالوں۔ لیکن اس میں سے کوئی بھی نہ بولا اور میری ضمیر مجھے برابر کچوکے لگاتی رہی۔

میرے بیوی بچوں کے آجانے سے ملکی کا زور ٹوٹ گیا۔ اب میں جاتا بھی تو وہ مجھ سے

بڑی ہی مختصر بات کرتی۔ جس طرح میری بیوی کے صبر نے مجھ پر ایک اثر مرتب کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں یقین" یہی کیفیت ملکی کی بھی تھی۔ وہ بھی اس بوجھ کو اتار پھینکنا چاہتی تھی۔ لیکن میری بیوی نے اسے ایسا کوئی موقعہ فراہم نہ کیا۔ میں دو دن سے ملکی کے پاس نہ جا سکا تھا۔ ایک دن دفتر سے واپسی پر سیدھا اس کے کوانڑ کی طرف گیا۔ خلاف معمول اس گھر کو تالا لگا ہوا تھا میں نے ساتھ والوں سے پوچھا۔ ایک نے مجھے بتایا۔

آج دو دن ہوئے ہیں ملکی واپس عراق چلی گئی ہے۔ چابی میری بیوی کو دے گئی ہے کہ آدم صاحب (عدم صاحب) آئیں تو ان کو دے دینا۔ اور ان کو بتا دینا کہ آپ کا سب سامان جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ خدا آپکو خیریت سے رکھے۔ خدا حافظ۔

یہ باتیں کہتے ہوئے عدم صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ انہوں نے رومال نکال کر آنسو پونچھے اور پھر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش میں افق کے اس پار دور خلاؤں میں گھورنے لگے۔ سگریٹ سلگا کر اسے اپنے مخصوص طریقے سے آہستہ آہستہ پینے لگ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میری طرف دیکھ کر ہلکے سے مسکرائے اور کہنے لگے۔

خلش یہ شاہدہ مجھے اسی لئے اچھی لگتی ہے۔ کہ یہ ملکی کی ٹرو کاپی (true- copy) ہے اب نہ جانے بے چاری جیل میں کس حال میں ہو گی۔

حضور اس سے جیل جاکر ملاقات کر آئیں۔ اس کی خیریت معلوم کر آئیں۔ اسے خرچ کے لئے کچھ پیسے دے آئیں۔ تجدید ملاقات بھی ہو جائیگی۔

ہاں بھئی یہ تم نے خوب یاد دلایا۔ چلو ایک دو دن میں اس سے جا کر مل آئیں۔ ہمیں دیکھ کر کتنی خوش ہو گی۔

آپکو دیکھ کر خوش ہو تو ہو۔ مجھے دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو جائے گا۔ کیا پتہ ہے گالی گلوچ پر اتر آئے۔

نہیں حضور ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب وہ یقیناً" اپنے کئے پر پچھتا رہی ہو گی۔

بہتر ہے آپ اس کی کنوکشن (conviction) کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دیں۔

منہاس صاحب سے مشورہ کروں گا۔

عدم صاحب ہم اتنے عرصے سے اکٹھے رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے متعلق ہماری ذاتی معلومات بالکل نہیں ہیں۔

مثلاً کون سی ذاتی معلومات۔

آپ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا بچپن کہاں گزرا۔ کہاں تعلیم پائی۔ کہاں تک

تعلیم پائی۔ شاعری کب شروع کی۔ کس کس سے اصلاح لی۔ شروع میں کیا تخلیق کیا۔ ملازمت کب جائن کی۔ کن کن سٹیشنوں پر رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بھائی خلش صاحب ان جوابات سے تو میری پوری داستان حیات قلمبند ہو جائیں گی۔

شاہ صاحب۔ اچھی بات ہے نا۔ جب ہم لوگ نہیں رہنگے تو یہی چھوٹی چھوٹی باتیں مستقبل میں بڑی اہمیت کی حامل ہو جائیں گی۔

بھئی ہم کون سے یگانہ روزگار ہیں۔

شاہ صاحب میں تو نہیں ہوں۔ لیکن آپ تو یقیناً" ہیں۔ اور انشااللہ اردو ادب میں تاابد ایک تابندہ ستارے کی طرح ضوفشاں رہیں گے۔

آپکی مہربانی جو مجھے آپ اس قابل سمجھتے ہیں۔

عدم صاحب آپ کا اپنا ایک منفرد لہجہ ہے جو خیام اور ریاض کے بعد آج تک اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

اچھا بھئی نوازش آپکی میں مختصراً عرض کئے دیتا ہوں۔

میرے آباو اجداد تلونڈی موسے خان ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ میرے والد مستقل طور پر وہاں سے نقل مکانی کر کے لاہور آگئے۔ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم یہاں ہی مکمل کی۔ میٹرک اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ سے کیا۔ پھر اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا کہ والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ اور میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ انٹر میڈیٹ کرنے کے بعد ملٹری اکاونٹس میں ملازمت کر لی۔

میں سکول کے زمانے ہی سے شعر کہتا تھا۔ ان دنوں اختر شیرانی کی شاعری اپنے عروج پر تھی اور وہ لاہور ہی میں قیام پذیر تھے۔ نو آموز شاعر ان سے بڑے متاثر تھے میں نے بھی شروع میں کچھ دن ان سے اصلاح لی۔ میں ان کا اتنا گرویدہ تھا کہ اظہار محبت کے طور پر شروع میں کچھ عرصہ میرا تخلص بھی اختر رہا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ کہ تمہاری اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب میں ان سے فارغ ہو کر شعر کہنے شروع کئے تو تخص بدل کر عدم رکھ لیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ میں نے علامہ تاجور نجیب آبادی سے بھی مشورہ سخن کیا۔ لیکن یہ سلسلہ بھی کوئی زیادہ نہ چلا۔

علامہ تاجور صاحب ایک ادبی پرچے کے ایڈیٹر بھی تھے۔ اور انہی دنوں انہوں نے دارالاشاعت کے نام سے ادبی اور علمی کتابوں کی اشاعت کے لئے ایک پبلشنگ ہاوس بھی شروع کیا تھا۔ مجھے انہوں نے اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ میں اپنی کتاب شائع کرواوں۔ پیسے میرے پاس تھے نہیں کہ کتاب چھپتی علامہ صاحب نے مجھے یقین دلایا کہ کتاب کی اشاعت کے

پانچ چھ ماہ میں ہی یہ لگائی گئی رقم بمعہ منافع کے وہ مجھے لوٹا دیں گے۔ خلش صاحب لکھنے والوں کے لئے ان کی کتابوں کی اشاعت کتنی کشش رکھتی ہے۔ ابھی اس عمر میں آپ اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ انسان ذہنی اور نفسیاتی طور پر اپنی شہرت اور تعریف دوسرے لوگوں کے منہ سے سننا پسند کرتا ہے۔ اس زمانے میں مجھے برصغیر کے مشاعروں میں بڑی پذیرائی ملتی۔ میں نے سوچا' پانچ چھ ماہ ہی کی تو بات ہے۔ اصل رقم بھی واپس آجائے گی اور اچھا خاصا منافع بھی ہاتھ آجائے گا۔ پھر ہندوستان بھر میں شہرت مفت کی۔

میں نے کہا ہے ناکہ میرے پاس رقم نہ تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی کا زیور بیچ کر کتاب کا مسودہ اور رقم علامہ صاحب کے حوالے کر دی۔ علامہ صاحب نے میری پہلی کتاب "نقش دوام" کے نام سے جلد ہی شائع کر دی۔ اس کتاب کو پورے ہندوستان میں بہت پذیرائی ملی۔ میں نے چھ ماہ تک رقم کی واپسی کا انتظار کیا۔ چھ ماہ گزر گئے۔ ایک سال گزر گیا۔ علامہ صاحب نے نہ اصل زر لوٹایا اور نہ ہی کتاب سے حاصل شدہ منافع میں سے میرا حصہ تقاضے کرتا کرتا میں آخر کار چپ ہو گیا۔ اس کے بعد علامہ صاحب سے میرے مراسم ختم ہو گئے۔ اصلاح کا سلسلہ تو بہت پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اس واقع کے بعد ان سے ملنا جلنا بھی بتدریج کم ہوتا گیا۔

میں اپنی سروس کے دوران میں راولپنڈی زیادہ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ دسری جنگ عظیم میں دو سال تک ایران اور عراق میں بھی رہا ہوں عراق سے واپس آیا تو ملکی بھی ساتھ تھی۔ تھوڑے عرصے کے لئے پونا اور انبالہ چھاونی میں بھی رہا۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد زیادہ پنڈی رہا ہوں۔ کچھ عرصہ ڈیرہ اسماعیل خان سرگودھا اور کراچی بھی رہا ہوں۔ اب دو سال سے جہلم میں ہوں۔ پاکستان کے بعد زیادہ سروس راولپنڈی اور لاہور میں کی۔

عدم صاحب آپکی کتاب "خرابات" کو زیادہ شہرت ملی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ میں نے عدم صاحب سے پوچھا۔

نہیں خلش صاحب یہ بات نہیں ہے۔ مجموعی طور پر میری سب کتابوں کو ادبی حلقوں میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی ہے۔ ویسے میری کتابیں نقش دوام زلف پریشاں' قول و قرار' شہر خوباں اور پیچ و خم کسی طرح بھی خرابات سے کم نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ اس کتاب کا گیٹ اپ (get up) ان کتابوں سے بہتر ہے۔ جب یہ کتاب میں ناشر کے پاس لے کر گیا تو اس وقت مجھے پیسوں کی سخت ضرورت تھی عدم صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لگایا۔ اور میرے طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

خلش صاحب ہم لوگوں کو پیسوں کی تو ہر وقت سخت ضرورت رہتی ہے۔

میں نے یہ مسودہ نیا ادارہ کے مالک چودھری نذیر احمد کو جا کر دکھایا اور اپنی ضرورت بھی

بیان کی۔ وہ مجھ سے کہنے لگے۔

عدم صاحب میں ابھی کچھ رقم آپکی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جتنے بڑے شاعر ہیں۔ اتنا ہی اعلٰے آپ کا مجموعہ کلام بھی شائع ہو۔

حضور میرا یہ چیدہ چیدہ کلام ہے۔ آپ دیکھیں تو سہی آپ اسے بہت پسند کریں گے۔

عدم صاحب یقیناً" اچھا ہو گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں۔ کہ کتاب بے مثل ہو۔

تو حضور فرمائیں۔ مجھے اس کے لئے مزید کیا کرنا ہو گا۔

سرکار اپنا تمام کلام آپ لے آیئے ہم اس میں سے سیلیکشن کر لیں گے۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ دو دن سے ایک ایک بوند کے لئے ترس رہا تھا۔ ذہنی صلاحیتیں مختل ہو چکی تھیں۔ ایسی صورت ہم لوگوں کے لئے ذہنی طور پر مردہ ہو جانے کے برابر ہے۔ میں نے بڑی بیزاری کے عالم میں ان سے کہا۔

ٹھیک ہے حضور آپ میرا یہ مسودہ رکھ لیں۔ مجھے کچھ رقم دے دیں۔ میں اپنے مسودات کو ایک دو دن میں ترتیب دے کر آپ کے پاس لے آؤں گا۔

چودھری صاحب نے جیب سے مجھے اسی روپے نکال کر دیئے۔ ویسے عام حالات میں تو یہ رقم ایک دن یا زیادہ سے زیادہ دو دن کی کفیل ہو سکتی تھی لیکن ابھی تنخواہ ملنے میں چھ دن باقی تھے۔ میں نے مسکین صورت بنائے ہوئے چودھری صاحب سے کہا۔

حضور چودھری صاحب مجھے تو کم از کم دو سو روپے درکار ہوں گے۔

مجھے افسوس ہے عدم صاحب اس سے زیادہ رقم میرے پاس نہیں ہے۔

چودھری صاحب کوئی انتظام کر لیجئے نا۔

اچھا شاہ جی۔ آپ کی مجبوری ہے تو پھر تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔

چودھری نذیر احمد پروپرائیٹر "نیا ادارہ" میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے دکان سے باہر نکل گیا۔ کوئی آدھ گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد وہ واپس آیا۔ وہ میرے سامنے والی کرسی پر رونی سی صورت بنا کر بیٹھ گیا۔ اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ مجھے مزید رقم دینے کے لئے آمادہ نہیں۔ اس نے چائے منگوائی۔ ہم دونو نے بیٹھ کر چائے پی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب یہ معذرت کر دے گا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو پیکٹ سگریٹ کے نکال کر میرے آگے ڈال دیئے ۔ اور پھر اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ رقم نکالی۔ میرے سامنے گنی وہ پچاس روپے تھی۔ جو بڑے ادب سے اٹھ کر جھکتے ہوئے مجھے پیش کی۔ رقم میں نے شکریئے کے ساتھ لے کر اندرونی جیب میں رکھ لی۔ میری آنکھوں میں باطنی مسرت کی وجہ سے ایک مخصوص قسم کی چمک پیدا ہوگئی۔ یہ دکاندار لوگ بھی انسانی نفسیات کے بڑے ماہر

ہوتے ہیں۔ وہ میرے چہرے پر مسرت و شادمانی کے رد عمل کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
کتاب کا مسودہ اس نے مجھ سے لے کر اپنی الماری میں رکھ کر اسے تالا لگا لیا۔ میں اس سے اجازت لے کر واپس آگیا۔

دو دن سے میری پیاس کی شدت بڑھی ہوئی تھی۔ میں وہاں سے اٹھ کر مال روڈ پر آیا۔ وہاں سے ایک بیس روپے والی بوتل لی۔ اب میں بھی مصلحت اندیش ہو گیا تھا۔ ایک سو تیس روپے سے مجھ ایک ہفتہ کاٹنا تھا۔ بوتل کے ساتھ کچھ لوازمات بھی درکار ہوتے ہیں۔ دفتر جانے اور واپس آنے کے لئے کچھ رقم بسوں ٹیکسیوں کے کرائے کے لئے بھی درکار تھی۔

میں سویرے گھر پہنچ گیا تو میری بیوی بہت خوش ہوئی۔ دور کر میرے سلیپرز اور دھوتی لے آئی۔ میرا کوٹ پتلون بڑی نفاست سے ہینگر پر لگا کر کپڑوں والی الماری میں لٹکا دیئے۔ اور پھر میرے لئے چائے لے آئی۔ لیکن میں نے یہ کہتے ہوئے چائے واپس کر دی کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں دروازہ بند کر کے لیٹ گیا۔ نیند کہاں آتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر اطمینان کر لیا کہ اب باہر والوں کو میری سرگرمیوں کا پتہ نہ چل سکے گا۔ بوتل نکال کر پینی شروع کر دی۔ جب بھی گھر کا کوئی فرد دروازہ ناک (Knock) کرتا تو جواب نہ پا کر واپس چلا جاتا۔ میں رات تک بڑے مزے سے پیتا رہا۔ کوئی گیارہ بجے شب بیچ کا دروازہ کھول کر بیوی کو کہا کہ میرا کھانا میرے کمرے میں لا کر رکھ دو اور تم لوگ سو جاؤ وہ کھانا رکھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر سو رہا۔

دوسرے دن دفتر سے واپس آ کر میں نے اپنے سب مسودوں کی چھان ٹھیک شروع کر دی۔ رسالوں کی کٹنگ، مختلف بیاضیں اور متفرق منتشر کاغذات اکٹھے کئے۔ یہ اچھا خاصا وزن ہو گیا تھا۔ میں نے ان سے کچھ انتخاب کر کے اس بار عصیاں کو مزید کم کیا۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق اب بھی یہ پانچ چھ عام سی کتابوں کے لئے کافی تھا۔ اسے میں نے ایک بڑے سے تھیلے میں بند کر دیا اور نوکر کو کہا کہ میرے لئے کوئی ٹیکسی یا رکشا لے آؤ۔

ٹیکسی غالباً اسے نہ مل سکی تھی چونکہ وہ کافی دیر کے بعد ایک آٹو رکشا لے کر آ گیا۔ میں اپنا وہ تھیلا لے کر رکشے میں آ کر بیٹھ گیا خرابی بسیار کے بعد "نیا ادارہ" چوک اردو بازار آ پہنچا۔ چودھری صاحب دکان پر موجود تھے۔ وہ اٹھ کر مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ چائے منگوائی۔ چائے پی کر میں نے اپنا وہ تھیلا ان کے حوالے کیا۔ وہ میرا کافی سے زیادہ کلام دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ وہ تھیلا بھی انہوں نے مجھ سے لے کر الماری میں بند کر دیا۔ میں تھوڑی دیر اور بیٹھا۔ انہوں نے بغیر میری کسی ڈیمانڈ کے مجھے ایک سو روپے مزید دیئے اور کہنے لگے۔

عدم صاحب اب تک میں نے جو حقیر سی رقم آپ کی خدمت میں پیش کی ہے۔ اسے

آپ کی رایلٹی میں شامل نہیں کروں گا۔ یہ آپ کی ایک آدھ بوتل کا خرچہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں تقریباً ایک مہینے میں مجوزہ انتخاب کر لوں گا۔ پھر بقایا کلام آپ کو واپس کر دوں گا۔
جی بہتر ہے۔ اور پھر میں وہاں سے مکتبہ دانش کی طرف آگیا۔

چھ سات کتابوں کے مواد سے "خرابات" کا مواد منتخب کیا گیا اور اس طرح تقریباً چھ ماہ کی محنت شاقہ کے بعد "خرابات" چھپ کر سامنے آئی اور ملک کے ادبی حلقوں میں بے حد مقبولیت حاصل کی۔ اس کتاب سے چودھری نذیر احمد صاحب کو بے حد منافع ہوا لیکن ہمارے ملک میں یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ خون پسینہ ایک کرنے والے کو شہرت کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ منافع پبلشر کھا جاتے ہیں۔ اور مصنف کے حصے میں صرف مقبولیت آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہے اس کے بچوں کا پیٹ تو نہیں بھر سکتا۔ لیکھک بے چارہ شہرت اور ناموری کے حصول کے لئے پھر ایک نئی لگن سے منہمک ہو جاتا ہے۔

"خرابات" کی اشاعت کے بعد مختلف ناشرین نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ان میں سے بیشتر نے تو مجھے رایلٹی کا خاصا ایڈوانس پے کر دیا۔ چودھری نذیر صاحب سے میں اپنا بچا ہوا کلام واپس لے آیا۔ دو ناشرین کو تو میں نے اسی سے کتاب مرتب کر کے دے دی اور وہ کتابیں انہوں نے خوشی سے شائع کر دیں۔ اور ان کے لئے وہ کتابیں اچھی خاصی منافع بخش ثابت ہوئیں۔ اب میرے لئے ان حضرات سے بقایا رایلٹی کی وصولی ایک پرابلم بن گئی۔ میں نے ادائیگی کا بار ہا تقاضا کیا لیکن انہوں نے مجھے ہمیشہ وعدہ فردا پر ٹال دیا اور آخر کار مایوس ہو کر میں نے ان کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا۔ اور وہ کمال عیاری سے میری بقایا رایلٹی کھا گئے۔

کچھ ناشرین چودھری نذیر صاحب کی تقلید میں چاہتے تھے کہ وہ میرے تمام بقایا کلام سے اپنی کتابوں کے مواد کی سیلیکشن خود کریں۔ وقتاً فوقتاً وہ مجھے تھوڑے پیسے دے کر مزید زیر بار کرتے رہے۔ اور آخر کار نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ میں ان سے چھپتا پھرتا تھا اور وہ میری تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ آخر کار ان میں سے دو صاحبان ایک دن میرے تعاقب میں میرے دفتر تک پہنچے۔ چھٹی ہوئی اور میں جونہی گیٹ سے باہر آیا انہوں نے مجھے دبوچ لیا۔ اور بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔

دفتر میں بٹھایا۔ چائے پلائی۔ پھر میرے لئے ایک سکاچ کی بوتل اور اسکے لوازمات منگائے۔ تھوڑی دیر وہاں ہی بیٹھے رہے۔ پھر وہ مجھے اپنی دکان پر واقع بالا خانہ میں لے گئے۔ بوتل اور اس سے متعلقہ سامان لے جا کر پاس رکھ دیا۔ ان میں سے ایک ناشر مجھ سے کہنے لگا۔
عدم صاحب آپ کافی عرصے سے قابو نہیں آ رہے تھے۔ کتابوں کی رایلٹی سے زیادہ آپ ہم سے لے کر شراب پی چکے ہیں۔ اب ہم آپ کو اس وقت تک اس بالا خانہ میں رکھیں گے

جب تک آپ ہمیں دو کتابوں کا مواد مہیا نہیں کر دیتے۔

میں نے کہا۔ صاحبو۔ آپ کو پتہ ہے جس تھیلے میں میرا کلام تھا اور جو چودھری نذیر صاحب کے ہاں سے میں لے کر گیا تھا۔ اس میں تقریباً پانچ چھ کتابوں کا مٹیریل ہے۔

نہیں عدم صاحب آپ ہمیں بالکل تازہ کلام لکھ کر دیں۔ شراب کی بوتل آپ کو ملتی رہے گی۔ آپ جس قدر چاہیں۔ پئیں۔ لیکن ہماری کتابوں کے لئے مٹیریل دیں۔

ارے میاں۔ انسان ہوں۔ مشین تو نہیں ہوں۔ زور بھی لگاؤں تو مشکل سے دو چار غزلیں ہی ہو سکیں گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔

ٹھیک ہے۔ اس وقت تک آپ ہمارے پاس بطور مہمان رہیں گے۔

بھیا۔ سرکاری ملازم ہوں۔ کیوں میری ملازمت کے پیچھے پڑ گئے ہو۔

آپ ایسا کریں۔ گھر تو ابھی ٹیلی فون کر دیں کہ میں لائل پور ایک مشاعرے میں شرکت کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ تین چار دن لگ جائیں گے۔ دفتر کے لئے چار دن کی اتفاقیہ چھٹی کی آپ ایک درخواست لکھ دیں۔ کل صبح ہمارا آدمی آپ کے دفتر میں دے آئے گا۔

ان لوگوں نے ہنستے ہنستے ہی مجھے یرغمال بنا لیا۔ وہ کہیں جاتے تو نیچے سے سیڑھیوں کا باہر سے تالا لگا کر جاتے۔ انہوں نے مجھ سے گھر ٹیلی فون کروایا اور دوسرے دن کے لئے درخواست بھی لکھوا کر لے لی۔ مجھے اب ڈرنک کرنے میں کوئی مزا نہیں آ رہا تھا۔ ان حالات میں میں نے کچھ لکھنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے دو غزلیں ہوئیں۔ ان بھلے لوگوں نے مجھے ذہنی طور پر ڈیپریشن کا شکار کر دیا تھا حالات جب تک فرحت بخش نہ ہوں۔ میں کچھ لکھ نہیں سکتا۔ لیکن ان منافع خوروں کو اس سے کیا۔ میں نے اپنے آپ سے مایوس ہو کر جام پہ جام لنڈھائے۔ جلد ہی ہوش و حواس مختل ہو گئے۔ وہ اپنے اپنے گھروں سے لوٹ کر آئے تو بقول ان کے میں بے ہوش پڑا ہوا تھا انہوں نے میرے لئے ایک مختصر سا بستر منگوا کر مجھے اس میں لٹا دیا اور پھر روشنی گل کر کے اور نیچے سیڑھیوں میں واقع دروازہ مقفل کر کے چلے گئے۔ مجھے دوسرے دن صبح ہوش آیا تو میں بہت بری حالت میں تھا۔

وہ وہاں کسی کھوکھے والے سے میرے لئے دو پیالی چائے اور تھوڑے سے رس لے آئے۔ یہ ناشتہ انہوں نے مجھے لا کر دیا مرتا کیا نہ کرتا۔ ناشتہ کیا۔ سگریٹ ختم تھے میں نے ان سے کہا میں سگریٹ لے کر آتا ہوں لیکن وہ کہنے لگے۔ ہم آپ کے لئے سگریٹ لے آتے ہیں۔ ایک گیا اور میرے لئے قینچی کے سگریٹ کی دو ڈبیاں لے آیا۔ میں نے یہ سگریٹ کبھی نہ پیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا۔

حضور میں تو اس برانڈ کا سگریٹ نہیں پیتا۔ میرے لئے چار پیکٹ پلیئرز کے منگوا دیجئے۔

کہنے لگے۔

شاہ صاحب۔ ابھی بازار مکمل طور پر کھلا نہیں ہے۔ اس وقت یہ سگریٹ مل سکے ہیں۔ آپ یہی پی لیں۔

بوتل کا کیا ہو گا۔

شام کو مل جائے گی۔

آپ دفتر میں پی کر کام کرتے ہیں۔

بھائی اس کام کی نوعیت اور طرح کی ہے۔ دفتر میں فائلیں پڑھنا اور شعر کہنا تمہاری نظر میں برابر ہیں۔

وہ ظالم بادل ناخواستہ کہیں سے میرے لئے زنجی بیرس کی بوتل لے آئے۔ جب کبھی میرے پاس پیسے نہ ہوتے تو میں پہلے بھی زنجی بیرس پی لیا کرتا تھا۔ لیکن یہ انسانی صحت کے لئے سم قاتل ہے۔ لیکن کیا کرتا۔ جوں جوں میری پیاس بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اس قسم کے مختلف زہر بھی پینے کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے تین دنوں میں انہیں دو کتابیں مرتب کر کے دیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک حقیر سی رقم بطور رائیلٹی کے مجھے دی۔ وہ نہ بھی دیتے تو میں اپنی گلو خلاصی کے عوض چپ سادھ کر اپنی راہ لیتا۔ وہ ضرورت مند تھے۔ مجھے عزت و تکریم سے کار میں بیٹھا کر لائے۔ اب سیڑھیوں سے اتار کر مجھے نیچے تک کوئی چھوڑنے بھی نہ آیا۔ زنجی بیرس میں عام شراب کی نسبت الکوحل کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے میں سیڑھیاں اترتے اترتے گرا۔ بمشکل نیچے آیا۔ وہاں سے تانگہ پکڑ کر چھاؤنی تک آیا۔ وصول شدہ رائیلٹی کا ایک حصہ تانگے والے کی نذر کرنا پڑا۔ تب جا کر کہیں چھ میل کا سفر طے ہوا اور میں بعد از خرابی بسیار گھر لوٹا۔ اور بیوی بچوں نے مجھے دیکھا تو خوش ہوئے کہ میں خیریت سے گھر لوٹ آیا ہوں۔

○

ایمرجنسی کے خاتمے پر میں دسمبر 1952ء میں اپنی یونٹ کے ساتھ واپس پشاور چلا گیا۔ پھر تقریباً دو سال تک عدم صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اگست 1954ء میں میرا پوسٹنگ مشرقی پاکستان ہو گیا۔ میں نے ٹروپس کے ساتھ سمندری راستے سے ڈھاکہ جانا تھا۔ اس لئے چند روز تک کراچی میں قیام کیا۔ ایک دن شام کو اچانک بندر روڈ پر عدم صاحب سے میری ملاقات ہو گئی۔ موصوف جھومتے جھامتے آ رہے تھے کہ دور سے میری نظر ان پر پڑ گئی میں نے جا کر سلام کیا۔ پوچھنے لگے۔

خلش صاحب آپ یہاں کیسے؟

سر میں ڈھاکہ جا رہا ہوں۔

چلیں کسی ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پئیں گے اور گپ شپ کریں گے۔

سر مجھے جلدی ہے۔ میں ریڈیو پاکستان جا رہا ہوں۔ وہاں تابش دہلوی صاحب کو ملنا ہے۔

چلو میں بھی چلتا ہوں۔

تابش صاحب سے ملنے کے بعد میں اپنے کیمپ واپس چلا گیا اور عدم صاحب اپنے دارو کی تلاش میں لگ گئے۔ میں مشرقی پاکستان اپنا دو سال کا پیریڈ پورا کر کے کوہاٹ چلا گیا پھر ایک عرصے تک عدم صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اکثر دوستوں سے یہ پتہ چلتا رہتا۔ کہ انہوں نے زنجی بیرس پی پی کر اپنی صحت مکمل طور پر تباہ کر لی ہے۔ اور اب ناشر حضرات ان کا کلام کوڑیوں کے بھاؤ خرید کر کتابیں چھاپ رہے ہیں۔

میں نے فوج کی ملازمت چھوڑی تو 1970ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایل ایل بی کے لئے داخلہ لیا۔ اس وقت تک میری چند کتابیں مکتبہ میری لائبریری سے شائع ہو چکی تھیں۔ اس لئے بشیر احمد چودھری صاحب سے اچھے مراسم تھے۔ کالج سے فارغ ہو کر میں اکثر ان کے پاس ان کی دکان واقع جلال دین ٹرسٹ ہسپتال بلڈنگ (چوک اردو بازار) میں آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ یہاں اکثر لاہور کے نامور شعرا اور ادیبوں سے ملاقاتیں ہوتیں۔

ایک آدمی دکان کے اندر آیا اور اس نے چودھری صاحب سے پوچھا۔

آپ میں سے خلش ہمدانی صاحب کون ہیں۔

چودھری صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ہیں خلش ہمدانی صاحب۔

فرمایئے جناب۔ میں نے اس آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

جناب آپ کو عدم صاحب بلا رہے ہیں۔

کہاں ہیں عدم صاحب۔ میں نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

وہ باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ اس آدمی نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جتنے آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب کی نظریں باہر کی طرف اٹھ گئیں۔ میں لپک کر باہر کی طرف گیا۔ جاتے ہی ان کو لپٹ گیا۔ وہ کافی دیر تک مجھے اپنی چھاتی کے ساتھ لگائے چومتے رہے۔ جب معانقہ ختم ہوا تو میں نے ان سے گزارش کی۔

چلئے نا حضور اندر۔ یہاں باہر کیوں کھڑے ہوئے ہیں۔

نہیں بھئی خلش میں یہاں ہی ٹھیک ہوں۔ تم ایسا کرو۔ چودھری صاحب سے کہو کہ مجھے چالیس روپے دیں۔

حضور۔ چودھری صاحب سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے پاس ہیں۔ یہ لیں۔ میں نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ فرمانے لگے۔

انہوں نے مجھ سے دو کتابیں چھاپنے کے لئے لی ہیں۔ یہ پیسے میں اپنے حساب سے لینا چاہتا ہوں۔

میں دکان کے اندر آ گیا۔ میں نے چودھری صاحب سے سرگوشی کے انداز میں آ کر بات کی۔ انہوں نے سب آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

خلش صاحب۔ عدم صاحب کو میں دونوں کتابوں کی رائیلٹی پہلے ہی ادا کر چکا ہوں۔ اب ان کا کوئی پیسہ میری طرف نہیں نکلتا۔

ٹھیک ہے۔ چودھری صاحب اگر وہ اپنی رائیلٹی لے چکے ہیں۔ تو یہ رقم آپ ان کو میرے حساب سے دے دیں۔

چودھری صاحب نے مزید کوئی بات نہ کی۔ مجھے چالیس روپے نکال کر دے دیئے اور پھر حاضرین سے گپ شپ میں لگ گئے۔

میں نے باہر آ کر عدم صاحب کو وہ حقیر سی رقم دی۔ اردو ادب کا وہ عظیم شاعر ایک ناشر کی دکان کے دروازے پر بھکاریوں کی طرف کھڑا چند کوڑیوں کا منتظر تھا۔ اندر جو آدمی بیٹھے ہوئے تھے وہ سب عدم صاحب کو جانتے تھے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ان کی عظمت سے نا آشنا تھے۔ میں نے عدم صاحب کو کہا۔

حضور میرے پاس پیسے ہیں۔ آپ مجھ سے اور پیسے لے لیں۔

نہیں خلش۔ تمہاری قلیل تنخواہ ہے۔ تم عیالدار آدمی ہو۔ میرا کام انہی سے چل جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ چوک لوہاری کی طرف چل پڑے۔ میں تھوڑی دور تک ان کے ساتھ گیا۔ پھر مجھے انہوں نے واپس کر دیا۔ میں مکتبہ میری لائبریری کی طرف واپس ہوا چند قدم چل کر میں نے پلٹ کر دیکھا تو اقلیم سخن کا وہ بادشاہ رک کر اور پلٹ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں انہی قدموں پر پلٹ کر دوڑ کر ان سے لپٹ گیا۔ ہم دونوں سڑک کے کنارے ایک دوسرے کو گلے لگائے کھڑے روتے رہے۔ ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے لوگ ہمیں حیران کن نظروں سے دیکھ کر آگے کو بڑھ جاتے۔ ہم دونوں وہاں بڑی دیر تک کھڑے ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ میں اب ریٹائیر ہو گیا ہوں۔ لاہور میں میرے بیٹوں نے ایک پلاٹ لے کر مکان بنا لیا ہے۔ میں بھی اب وہاں بچوں کے ساتھ ہی رہتا ہوں۔ اب میرے گھر والوں نے میرے پینے پلانے پر مکمل پابندی لگا رکھی ہے۔ اول تو مجھے گھر سے باہر نکلنے ہی نہیں دیتے۔

اگر کبھی منت سماجت کے بعد اجازت دے دیں تو وہ اس آدمی کو میرے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ اسے میرے گھر والوں نے سختی سے یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ یہ ہر جگہ میری کڑی نگرانی کرے تاکہ میں دوبارہ پینے پلانے کا سلسلہ شروع نہ کر دوں۔

تو اب سچ مچ نہیں پیتے۔ یں نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اس ظالم کی لاکھ منتیں کرتا ہوں۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ اس کے پاؤں پکڑتا ہوں۔ کسی دن یہ مجھے تھوڑی سے پی لینے کی اجازت دے دیتا ہے۔

پیسے کہاں سے لیتے ہیں۔

ناشرین سے لیتا ہوں۔ اب وہ بھی نہیں دیتے۔ چونکہ میں اپنی کتابوں کی رایلٹی تو ہر ایک سے پہلے لے لیتا ہوں۔ کسی کا دل پسیج جائے تو کوئی دے دیتا ہے۔ نہیں تو دو چار دکانوں سے ایک ایک دو دو کتابیں لے لیتا ہوں اور پھر کباڑیوں کے پاس جا کر اونے پونے بیچ کر زنجی بیرس کا آدھا یا ایک بوتل (جیسے پیسے ہوں) لے لیتا ہوں پھر کسی پرانے جاننے والے کے ہاں شام تک بیٹھا پیتا رہتا ہوں۔ جب شراب ختم ہو جاتی ہے تو یہ برخوردار مجھے تھام کر تانگے میں بٹھا کر گھر واپس لے جاتا ہے اور وہاں پہنچتے ہی پانی پت کی آخری لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔

عدم صاحب نے مجھے بتایا کہ لاہور صدر میں ان کے گھر کے قریب مشہور نقاد' شاعر ادیب اور ماہر تعلیم سید عابد علی عابد صاحب رہتے ہیں سید صاحب بھی اکثر بیمار رہتے ہیں کہیں آ جا نہیں سکتے۔ میرے گھر والے مجھے ویسے نکلنے نہیں دیتے اس لئے میں آج تک ان سے بھی نہیں مل سکا۔ گھر پڑا رہتا ہوں۔ مجھ سے میرا کوئی دوست ملنے کے لئے بھی کبھی نہیں آیا۔ خلش صاحب! جب آدمی تخلیقی صلاحیتوں سے کام لینا چھوڑ دے تو وہ بہت جلدی مر جاتا ہے۔ میں ذہنی طور پر ٹھیک ہوں۔ میرے ذہن کو دارو پینے سے جلا ملتی ہے۔ اور اس سے مجھے جو مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے۔ دراصل میری تمام تخلیقی قوتوں کا وہی سر چشمہ ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رک گئے پھر ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے۔

" خلش صاحب! حضور اب تو ذہن زنگ آلود ہو گیا ہے۔ اب ایک طرح کی بے مقصد زندگی گذار رہا ہوں اور موت کا انتظار کر رہا ہوں" ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سنیما کی متحرک تصویروں کی طرح ان کا ماضی میری نظروں کے سامنے آ گیا اور میں اپنے خیالات میں کھو گیا۔

○

1972ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت بنی تو میاں محمود علی قصوری صاحب وزیر قانون و

پارلیمانی امور بنے۔ میری گذشتہ کچھ عرصے سے ان سے نیازمندی تھی موصوف مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد لے گئے اور وہاں وزارت قانون میں مجھے ملازمت دے دی۔ نہ موصوف کو وزارت راس آئی اور نہ مجھے ملازمت۔ ہم دونوں چھوڑ کر واپس لاہور آ گئے۔ میں لاہور میں کسی بڑے منصب پر فائز نہ تھا لیکن نہ جانے لاہور لوٹ کر آنے کی اتنی زیادہ خوشی مجھے کیوں تھی۔ اسلام آباد جانے سے پہلے تھوڑی بہت وکالت کرتا تھا۔ اب لوٹا تو چھوڑ چھاڑ کر مکتبہ میری لائبریری پر بیٹھا رہتا اور آنے جانے والے شاعروں' ادیبوں کے ساتھ سارا سارا دن بیکار ادبی بحثوں میں الجھا رہتا۔

میں اسلام آباد سے لوٹا تھا تو اب تک عدم صاحب کو ملنے ان کے گھر نہیں گیا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ابر چھایا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دو روز سے جو ایک حبس کی کیفیت تھی اس سے چھٹکارا ملا تو طبیعت میں کچھ فرحت اور شادمانی آئی۔ میں عدم صاحب سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ لوہاری سے تانگہ پکڑا' ریلوے سٹیشن آیا۔ وہاں سے بس پر صدر بازار پہنچ گیا۔ عدم صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ بازار سے گذر کر جانب مشرق ہریکے روڈ ہے۔ وہاں چوک میں بیٹھے ہوئے چھابڑی والوں سے میرے گھر کا پوچھ لینا۔ چنانچہ مجھے ان کے گھر تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

میں نے گیٹ پر جا کر بیل (Bell) دی۔

کون صاحب۔ اندر سے کسی نے پوچھا۔

عدم صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے اپنا نام بتانے کی بجائے پہلے یہ پوچھنا مناسب سمجھا۔

آپ کا نام کیا ہے۔ اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔

میرا نام خلش ہمدانی ہے۔ اس آدمی نے تھوڑا سا گیٹ کا ایک پٹ کھولا۔ میری طرف دیکھنے کے بعد وہ اندر کسی کی طرف متوجہ تھا۔ چونکہ جب اس نے واپس پلٹ کر میری طرف چہرا پھیرا تو وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو کہنے لگا۔

فرمایئے آپ۔

میں عدم صاحب سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔

وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ یہ وہی آدمی تھا جو اس سے پہلے عدم صاحب کے ساتھ مکتبہ میری لائبریری پر آیا تھا۔

آپ کے بغیر وہ اکیلے تو کہیں نہیں جاتے۔

بس آج چلے گئے ہیں۔

میں وہاں سے واپس چل پڑا۔ میں ابھی پچیس تیس قدم ہی اسی سڑک پر جانب شمال آیا ہوں گا۔ کہ پیچھے سے مسلسل کوئی آوازیں دے رہا تھا۔

خلش ہمدانی --- خلش ہمدانی۔ رک جاؤ۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو عدم صاحب نے ایک دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ ان کے بدن پر کوئی کرتہ یا قمیض نہ تھی اور پاؤں سے ننگے تھے۔ بے تحاشہ میری طرف بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ آ کر مجھے گلے لگا لیا اور بڑی دیر تک مجھ سے لپٹے اپنی بے بسی پر روتے رہے۔ جب سانس کچھ درست ہوئے تو مجھے بازو سے پکڑ کر گھر کے اندر لے گئے۔ روتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے۔

دیکھو خلش صاحب اب مجھ پہ اتنی پابندیاں ہیں کہ جب میرے گھر والوں کو یہ پتہ چلے کہ مجھ سے ملنے میرا کوئی پرانا دوست آیا ہے تو وہ مجھے اس سے بالکل نہیں ملنے دیتے محض اس لئے کہ میں کہیں پھر سے پلٹ کر اپنی گذشتہ کارکردگی کا اعادہ نہ کروں۔ جب آپ نے گھنٹی دی تو میں متوجہ ہو گیا۔ میں ذرا دور برآمدے میں لیٹا ہوا تھا جب کہ گیٹ سے قریب میری بیوی لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نوکر نے جب دروازہ کھولا اور نام پوچھا۔ تو نوکر نے میری بیوی کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ میری بیوں نے انگلی ہلا کر اسے منع کر دیا۔ چنانچہ اس نے آپ کو جواب دے دیا۔ میں سمجھ گیا کہ میرا کوئی پرانا یار ہو گا جنہیں میرے گھر والے مجھ سے نہیں ملنے دے رہے۔ تاکہ میں پھر سے پینے پلانے کا سلسلہ نہ شروع کر دوں۔

عدم صاحب نے مجھے ڈرائینگ روم میں لا کر بٹھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔ ہم دونوں چائے پیتے رہے اور ماضی کی حسین یادوں کو دہراتے رہے میں نے اس دن ایک عجیب بات نوٹ کی۔ عدم صاحب کو شراب میسر نہ تھی اس لئے با امر مجبوری اب وہ شراب نہ پیا کرتے تھے۔ تو ان کے چہرے سے ذہانت کے سارے آثار معدوم ہو گئے تھے۔ وہ افسردگی کے اس عالم میں ہر وقت خلاؤں میں بے مقصد نظروں سے گھورتے رہتے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ خلش صاحب اب میری کیا زندگی ہے۔ اگر میں اور سو سال بھی اسی حالت میں چارپائی پر پڑا رہوں تو ایک بے جان لاشہ ہوں۔ مجھ پر تو موت اسی دن واقع ہو گئی تھی جس دن اس ظالم سماج نے میرے ہاتھ سے میرا جام چھین لیا اور پھر اس طرح میرے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے میرا قلم گر گیا اور اس کے ساتھ میری زبان گنگ ہو گئی۔ "یاد رکھیے" لکھنے والے کے ہاتھ میں اگر قلم نہ ہو تو وہ مردوں سے بھی بدتر ہے۔

آخر کار اردو ادب کا یہ درخشندہ ستارہ 10 مارچ 1981ء کو راہی ملک عدم ہوا اور لاہور چھاؤنی کے قبرستان میں سپرد خاک ہوا۔

خلش ہمدانی

1550 - پریم نگر۔ اٹک (پاکستان)

اغلاط نامہ (عدم کی نجی اور مجلسی زندگی)

ص	سطر	غلط	درست
۹	۲۲	آآشی	آشتی
۱۰	۷	مبیں	میں
۱۰	۱۸	دیں	دی
۱۰	۲۸	رکھئے	رکھیے
۱۱	۲۱	روب	غروب
۱۱	۲۲	مستی	ستی
۱۲	۱۹	عہدے ریٹائر	عہدے سے ریٹائر
۱۳	۲۱	تلود	آلود
۱۴	۲۵	دوسری	دوسرے
۱۵	۱۵	پہ بیٹھک	یہ بیٹھک
۱۶	۲	میخوروں	میخواروں
۱۶	۲۸	م مرگ	تا دمِ مرگ
۱۸	۱۳	روم	ردم
۲۱	۲۴	کی	کیا
۲۴	۱۲	گرفتار	گرفتاری
۲۶	۱۷	کرنا	کرنی
۲۷	۲۱	غیر مرقبہ	غیر مترقبہ
۲۹	۲۶	ڈرا ئینگ	ڈا ئینگ
۳۰	۹	پاؤن	پاؤں
۳۰	۱۸	دونون	دونوں
۳۳	۶	ئے	لئے
۳۷	۳۱	ریفرشمنٹ	ریفریشمنٹ
۳۸	۱۹	رومم	روم
۴۳	۲۱	آدم	آدھ
۴۳	۲۸	تیقین	تیقن
۴۵	۱۳	Mmarvellous	Marvellous
۴۷	۵	گیں	گی
۵۱	۲۸	desisc	desire
۵۲	۹	رہ ا	رہا

۵۶	۳	کھکھا	کھلکھلا
۵۶	۱۳	ٹکیے	تکیے
۵۷	۱۶	چھو	چھ
۵۸	۹	Kr	کر
۵۹	۱	لا تعلق	لا تعلقی
۵۹	۲۷	ئے	لیے
۶۰	۶	چل ا	چلا
۶۰	۱۴	بھجیں	بھیجیں
۶۲	۱۵	کہا	کیا
۶۳	۱۹	ے	بے
۶۳	۲۵	سے	سا
۶۶	۱	آگئیں	آگئی
۷۱	۱۳	گئیں	گئے
۷۲	۱۸	نفریں	نفرین
۷۲	۲۳	Une-	Un-
۷۵	۶	گبھرائیے	گھبرائیے
۸۲	۵	دیکھائی	دکھائی
۸۳	۱۰	رزو	روز
۸۵	۱۱	چھٹی	چٹھی
۸۵	۱۳	چھٹی	چٹھی
۸۶	۳	وہ	ہو
۸۶	۱۳	لے	لیے
۸۶	۲۰	نسمیہ	نسمہ
۸۶	۲۶	اندونماک	اندوہناک
۸۸	۱۶	گھسیٹے	گھسیٹیں
۹۰	۹	Hash	Hush
۹۱	۳	مثین	مطمئن
۹۳	۱۰	ہوتے	ہوئے
۹۳	۱۳	ہی	بھی
۹۵	۲۵	خیال	حال
۹۵	۲۰	درواز	دروازہ
۱۰۲	۲۲	دیکھائی	دکھائی

۱۰۳	۲۳	سائید	سائیڈ
۱۰۴	۴	ہوں	ہو
۱۰۹	۵	کس	کن
۱۱۰	۸	لڑکی	کڑی
۱۱۳	۱۵	ہو	ہوتا
۱۱۳	۸	مستحن	مستحسن
۱۱۳	۷	خو	خود
۱۲۰	۹	پہ	یہ
۱۲۲	۲۳	املاہ	Bail out
۱۲۴	۱۶	سرشام	شام
۱۲۵	۲۶	لفظ چائے رہ گیا ہے	
۱۲۵	۲۱	لرزنش	سرزنش
۱۲۶	۱۱	صااحب	صاحب
۱۳۶	۲۸	نصیحت	فضیحت
۱۳۷	۳	اشتا	اشتہا
۱۳۹	۲۷	لفظ "ہیں" رہ گیا ہے	
۱۴۳	۲۱	مستحن	مستحسن
۱۴۷	۷	سات	ساتھ
۱۴۹	۱۲	میں لفظ "حضرت" رہ گیا ہے	
۱۴۹	۲۴	جنوی	جعفری
۱۴۹	۲۵	واحق	وامق
۱۵۰	۱۵	متعل	متعلق
۱۵۱	۸	ثمریاتی	خمریاتی
۱۵۱	۲۵	balamce	balance
۱۵۲	۱۰	صحیح عبارت یوں ہے "روز ازل سے ابد تک"	
۱۵۲	۲۶	مال	سال
۱۵۳	۲۷	گی	کی
۱۵۴	۱	میرے	میری
۱۵۴	۲۳	آئیں	آئے
۱۵۹	۱۹	پرسائل	پرسنل
۱۵۹	۲۳	دان	دن
۱۶۱	سطر ۱۲ میں انگریزی کے لفظ صحیح اس طرح ہیں Rear Headquarier		

۱۶۴	۲۸	حلات	حالات
۱۶۴	۱۶	سینٹر سردار کے بعد "میں" کا اضافہ کریں	
۱۶۶	۱۷	بزریعہ	بذریعہ
۱۶۷	۶	رشہ	ریشہ
۱۶۷	۲۶	یں	دیں
۱۶۷	۲۸	مطمین	مطمئن
۱۶۸	۸	لفظ جس کے بعد "میں" کا اضافہ کریں	
۱۶۸	۳	جس ایک	جس میں ایک
۱۶۹	۳	انیج	انیج
۱۶۹	۲۵	جائیں	جائے
۱۶۹	۲۵	ٹائیم	ٹائم
۱۷۰	۴	لفظ مجھ کے بعد سے کا اضافہ کریں	
۱۷۰	۱۱	قضے	قضیئے
۱۷۱	۳	لینک	لنک
۱۷۱	۵	ھا	تھا
۱۷۶	۱۶	مین	میں
۱۸۱	۳	ھے	قصے
۱۸۳	۱۸	تھوری	تھوڑی
۱۸۴	۱	مری	بڑی
۱۸۴	۲	جائیں	جائے
۱۸۴	۸	سعا"	معا"
۱۸۶	۱۲	مجھے	مجھ
۱۸۶	۱۵	رہنے	رہ
۱۸۷	۲۵	تھ	تھا
۱۸۸	۲	یقینہ	یقیناً
۱۸۹	۲۳	نحت	سخن
۱۹۰	۱۳	واقع	واقعہ
۱۹۱	۲۰	پروپرائیڈ	پروپرائیٹر
۱۹۲	۸	دور	دوڑ
۱۹۸	۴	یں	میں

نوٹ: ۱۔ صفحہ ۱۰۰ کا نیا نمبر ۱۰۱ ہو گا۔ ۱۰۱ کا ۱۰۰ ہو گا۔

۲۔ صفحہ ۱۳۱ کا نیا نمبر ۱۳۲ اور صفحہ ۱۳۲ کا ۱۳۱ ہو گا۔